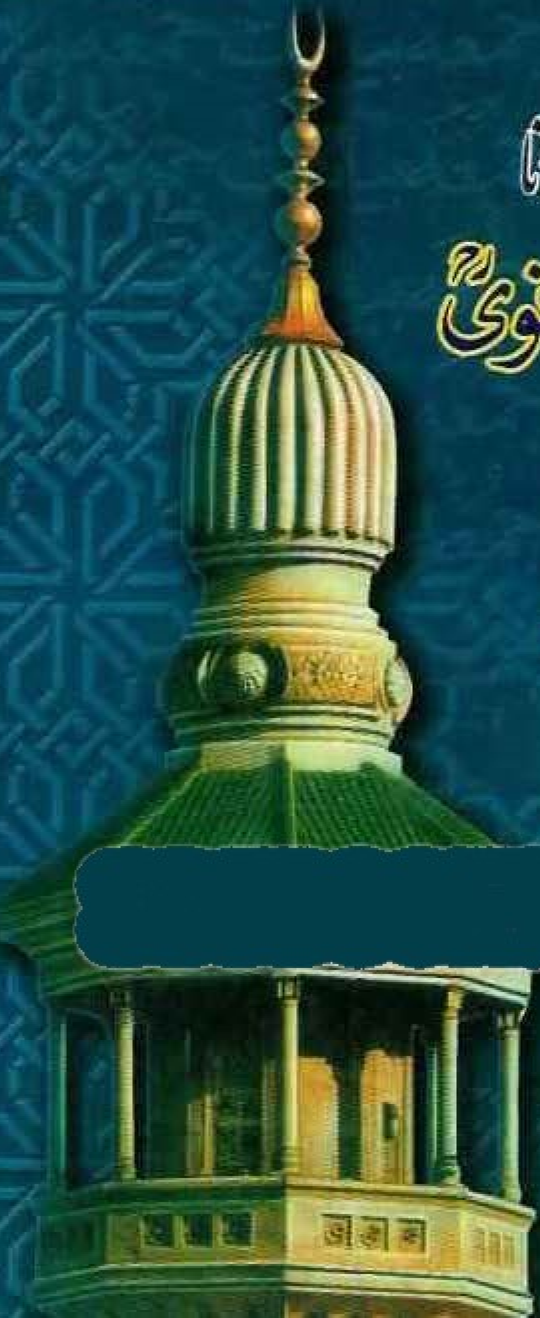


بیاناتِ جمعہ

خطیبِ پاکستان حضرت مولانا

احتشام الحق تھانویؒ



مرتب

حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی

خطیب مرکزی جامع مسجد تھانوی
جیکب لائن۔ کراچی

ناشر

مکتبۂ احتشامیہ
جیکب لائن۔ کراچی

بیاناتِ جمعہ

خطیبِ پاکستان حضرت مولانا

احتشام الحق تھانویؒ

مرتب

حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی

خطیب مرکزی جامع مسجد تھانوی جیکب لائن

ناشر

مکتبہ احتشامیہ

جیکب لائن کراچی

بتعاون، میٹروپولیٹن اسٹیل کارپوریشن لمیٹڈ

نام کتاب: بیانات جمعہ

نام خطیب: حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ

نام مرتب: حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی مدظلہ العالی

سن اشاعت (اولیٰ) صفر المظفر 1425ھ / اپریل 2004ء

تعداد: ایک ہزار

مطبوعہ: ایجوکیشنل پریس کراچی

ناشر: مکتبۂ احتشامیہ جیکب لائن، کراچی نمبر 74400- پوسٹ بکس نمبر 8552۔ پاکستان

فون: 7782293 - 7784816 فیکس: 7785606

e-mail: ehtishamia@hotmail.com

jamiaehtishamia@hotmail.com

ملنے کے پتے

(1) مرکزی جامع مسجد تھانوی، جیکب لائن، صدر۔ کراچی

(2) کتب مارکیٹ، بالمقابل جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن۔ کراچی

(3) جناب سید فہیم الحسن تھانوی صاحب' J-123 جوہر ٹاؤن۔ لاہور۔ 0300 - 8449827

(4) Dr. A.H. Thanvi
69- TheDrive Alwoodley Leeds 17 Yorks England . U.K

(5) Intizamul Haq Thanvi
P.O.Box 9084 Riadh 11413 Saudi Arabia

(6) MUALANA NAJMUL HASAN THANVI
KHANQAH IMADADIA ASHRAFIATHANA BAHAWAN
DISTT:MUZAFFARNAGAR U.P.INDIA

(6) Imam N.Hasan Thanvi - Mr.Nizam H.Thanvi
24,Moala Prd,Charm Heaven NSW 2263 Australia

(7) N.Farooq Ahmed - N.M.Hashim & Co.
Gudiyattam Road,Thuthipet - Ambur - 635 - 811 - Tamil Nadu,India
Phone: 04174 - 43077 Fax 04174 - 46077

فہرست بیانات جمعہ

کچھ کتاب ہذا کے متعلق

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی ہمہ گیر شخصیت کی سوانح عمری اور حالات زندگی پر اب تک متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور آئندہ بھی اس موضوع پر لکھا جاتا رہے گا' خطیب پاکستانؒ بیک وقت مایۂ ناز خطیب، فنِ تفسیر کے اسرار و رموز پر مطلع عظیم مفسر، احادیث کے علوم و معارف کا علم رکھنے والے قابل قدر محدث' سیاست کی گلی کوچوں سے واقف سیاست دان' قومی و ملی امور سرانجام دینے والے عظیم راہنما' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے قومی لیڈر' علمائے حق کے ترجمانی کرنے والے مفکر و مدبر اور منبر و محراب کو گرم رکھنے والے شعلہ بیان مقرر تھے۔

حدیث رسول ﷺ "ان من البیان لسحرا" (بعض بیان جادو بھرا ہوتا ہے) اور "اوتیت جوامع الکلم ۔" (مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا ہے) کے بمصداق خطیب پاکستانؒ کی خطابت فصاحت و بلاغت کا مرقع بنزالا اسلوب' انوکھا طرز' سحر بیانی' الفاظ کی سلاست و روانی' مفاہیم و معانی کی خوبصورتی' لہجہ کی صفائی اور عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتی ہے۔

چونکہ خطیب پاکستانؒ کا بیان اسرار و رموز کا منبع' نکات و باریکیوں کا مجموعہ' ہدایت کا سرچشمہ اور علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہوتا ہے' اس لیے عوام و خواص ایک دفعہ حضرتؒ کی تقریر سنتے ہی ان کے گرویدہ اور عاشق ہو جاتے ہیں۔

حضرتؒ کی ولادت باسعادت 1333ھ/ 1915ء کو یوپی کے شہر اٹاوہ میں ہوئی' حضرتؒ نے 1350ھ/ 1930ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مسلسل سات سال پڑھ کر 1357ھ/ 1937ء میں وہیں سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حکم پر حضرتؒ نے 1940ء کو خواجہ دردوالی مسجد دہلی (سینٹرل سیکریٹریٹ دہلی کی جامع مسجد) میں امامت و خطابت کا آغاز فرمایا اور ہجرت کے بعد پاکستان میں بھی یہ مبارک سلسلہ وفات (11/اپریل 1980ء) تک جاری رہا' حضرتؒ نے آخری تقریر 21/مارچ 1980ء بروز جمعہ مرکزی جامع مسجد تھانوی جیکب لائن کراچی میں فرمائی' اس دوران حضرتؒ نے قرآن و حدیث کی جو غیر معمولی خدمات سرانجام دیں اُن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

درس قرآن اور درس حدیث کی ابتداء و انتہاء

روزنامہ جنگ کراچی کے بانی و چیف ایڈیٹر جناب میر خلیل الرحمٰنؒ کے اصرار پر حضرتؒ نے یکم رمضان المبارک 1385ھ/ 25/دسمبر 1965ء سے روزنامہ جنگ کے لیے ہفتہ وار درس قرآن تحریر فرمانا شروع کیا اور اپریل 1980ء تک درس قرآن کی قسطیں روزنامہ جنگ میں چھپتی رہیں جو ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

البتہ ہمارے پاس 22/اپریل 1966ء سے 27/اگست 1971ء تک کی ہفتہ وار قسطیں محفوظ ہیں بقیہ

غائب۔ ان اقساط میں بسملہ، سورۂ فاتحہ اور نصف سورہ بقرہ تک کی تفسیر ہے جو علوم اصول تفسیر و تفسیر کا بہت بڑا خزانہ ہے۔

غالباً 1964ء سے حضرتؒ نے حکومت پاکستان کے حکم اور اصرار پر ریڈیو پاکستان سے درس قرآن نشر فرمانا شروع کیا جو جنوری 1974ء تک جاری رہا، اس کے بعد دوبارہ 20 فروری 1974ء میں اس کا آغاز کیا اور تاحیات اس مبارک سلسلہ کو جاری رکھا۔

چونکہ حضرتؒ کا درس قرآن معلومات کا خزانہ اور اکابرین کی تفاسیر کا خلاصہ ہوتا تھا۔ اس لیے روزنامہ نوائے سندھ حیدرآباد کے ایڈیٹر خطیب پاکستانؒ اور جناب میر خلیل الرحمٰنؒ کی اجازت سے اپنے اخبار (نوائے سندھ حیدرآباد) میں درس قرآن کو سندھی میں شائع کرنا شروع کیا اور دوسو قسطیں شائع کیں جو ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

خطیب پاکستانؒ نے روزنامہ انجام کراچی کے ایڈیٹر کے اصرار پر روزنامہ انجام کے لیے جنوری 1966ء سے درس حدیث تحریر فرمانا شروع کیا اور وفات تک تحریر فرماتے رہے۔ البتہ ہمارے پاس 12 فروری 1966ء سے 28 جنوری 1967ء تک کی قسطیں محفوظ ہیں۔

امامت وخطابت کا آغاز واختتام

یہ تو درس قرآن اور درس حدیث کے سلسلے میں بات ہوئی، جہاں تک خطابت اور تقریر کا تعلق ہے۔ اس میں تو حضرتؒ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور حضرتؒ کی ہر تقریر بے نظیر، سحر انگیز، ایمان افروز، درس عبرت کی حامل، عربی، اردو و فارسی اشعار سے بھرپور، عجیب وغریب حکایات وواقعات سے لبریز، برمحل مثالوں کا مرقع، نکات وباریکیوں کا حسین گلدستہ اور قرآن وحدیث کی عمدہ تشریحات سے مزین ہوتی تھی۔

حضرتؒ نے 1940ء میں خطابت کا آغاز فرمایا اور وفات تک یہ سلسلہ جاری رکھا، اس دوران کی جملہ تقاریر وبیانات وخطبات اگرچہ محفوظ نہیں ہیں تاہم ایک معتد بہ حصہ حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی مدظلہ العالی کے پاس موجود ہے۔

خطیب پاکستانؒ کے منتسبین، متوسلین، متبعین، مداحین اور عاشقین دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں، ان میں سے بہت سے حضرات نے اپنے اپنے انداز میں خطبات احتشام کے نام سے کتابیں شائع کیں، اس وقت میرے سامنے خطبات احتشام کی دو جلدیں موجود ہیں، پہلی جلد 633 صفحات پر مشتمل ہے، ناشر این ایم ہاشم اینڈ کو آمبور صوبہ تامل ناڈو مدراس جنوبی ہندوستان ہے، مرتب مولانا فیاض حیدر قاسمی (ناظم مدرسہ عربیہ اشرف العلوم جلالی گارڈن) ہیں، سن اشاعت جولائی 1998ء ہے۔ اس جلد میں 20 تقاریر ہیں جو حضور ﷺ کی سیرت پاک اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ پر ہیں۔ خطبات احتشام کی دوسری جلد 640 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں 20 تقاریر ہیں، سن اشاعت 1999ء ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ مشہور مقولہ "مالایدرک کلہ لایترک بعضہ" کے بمصداق ان بیانات وخطبات کا مجموعہ کتابت وطباعت کے زیور سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آنا اور لانا علمی سامان اور گمشدہ خزائن میں گراں قدر اضافہ ہے لیکن ناشرین نے اپنے اپنے ذوق اور فہم کے مطابق ان خطبات کو شائع کیا ہے۔ اس لیے ان میں خطیب پاکستانؒ کی تقریر بعینہ اور مکمل بیان بلفظہٖ نہیں آیا اور جو بہرحال ایک کمی ہے جس کا احساس قارئین کرام شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔

خطیب پاکستانؒ کے خلف الرشید، سچے جانشین، فرزند ارجمند حضرت مولانا قاری تنویر الحق تھانوی خطیب مرکزی جامع مسجد تھانوی، مہتمم جامعہ احتشامیہ و مدرسہ اشرفیہ جیکب لائن کراچی و سرپرست مدرسہ صدیق اکبر نیو کراچی و مدیر اعلیٰ ماہنامہ حق نوائے احتشام نے اس کمی کو دور کرنے اور خطیب پاکستانؒ کے علوم و معارف، سیاسی افکار و آراء، خطبات جمعہ، اخباری بیانات، درس قرآن و درس حدیث کو منظر عام پر لانے کے لیے جمادی الاولیٰ 1420ھ/ ستمبر 1999ء میں ماہنامہ حق نوائے احتشام کا اجراء فرمایا۔ اب تک 43 شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ہر شمارے میں درس قرآن، درس حدیث اور ایک خطبہ شائع ہوتا ہے۔

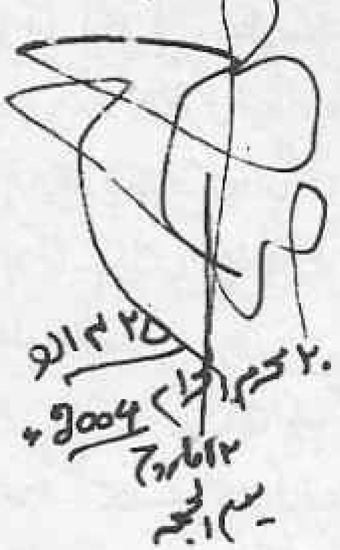
چونکہ ان مضامین کی تصحیح، نظر ثانی، ترتیب اور اصلاح خود مدیر اعلیٰ کیسٹ سن کر فرماتے ہیں اس لیے بابانگ دہل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بعینہٖ و بلفظہٖ خطیب پاکستانؒ ہی کے مضامین ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی کمی و بیشی اور اضافہ و ترمیم نہیں ہے، البتہ بعض جگہوں میں مدیر اعلیٰ کے نوٹ اور برمحل تبصرے الگ عنوان کے تحت ہیں جن میں لفظ مرتب مکتوب ہے۔

حضرت مدیر اعلیٰ دامت برکاتہم العالیہ ہر شمارے میں ماہ کی مناسبت سے خطبہ شائع فرماتے ہیں اور یہ بھی ملحوظ خاطر رکھتے ہیں کہ اشاعت میں خطبات کا تکرار نہ ہو اور خطبہ عصر حاضر اور عوام کی امنگوں کے مطابق بھی ہو اس لیے قارئین کرام انہیں دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور انہی خطبات کا مجموعہ کتابی شکل میں لانے کی خواہش کرتے ہیں۔

قارئین کرام اور علماء و طلبہ کے اصرار و خواہش کے مطابق محرم الحرام 1423ھ/ مارچ 2002ء سے ذوالحجہ 1424ھ/ فروری 2004ء (دو سال) تک کے 24 شماروں میں طبع شدہ 24 تقاریر کا مجموعہ بنام "بیاناتِ جمعہ" یکجا شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ اس پر رب ذوالجلال کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔

اگر خالق کائنات کی کرم نوازی، مدیر اعلیٰ کی حوصلہ افزائی و پشت پناہی اور قارئین کرام کی پرخلوص دعائیں نہ ہوتیں تو میں اسے امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنے پر قادر نہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جملہ معاونین اور کارکنان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔



اخوکم فی اللہ

(مولانا) محمد صدیق ارکانی

استاد جامعہ احتشامیہ

مدیر منتظم ماہنامہ حق نوائے احتشام و ناظم شعبہ تصنیف و تالیف

بیاناتِ جمعہ کے بارے میں مدیرِ اعلیٰ حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی کا دلچسپ اظہارِ خیال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم. امابعد.

شاید کہ زندگی میں پہلے کبھی اس حقیقتِ روزِ روشن کا اتنا ادراک اور یقین حاصل نہ ہوا ہو جتنا کہ اب 25 سال کا عرصہ گزرنے اور مکمل ہونے کے قریب خطیبِ پاکستان وخطیبِ ملت' مفسرِ قرآن ومفکرِ اسلام حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خطیبانہ ومبلغانہ حیثیت وکمال شخصیت کا ظہور اُن کی تقاریر میں محفوظ ایک ایک لفظ اور جملے سے خوب خوب جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت خطیبِ پاکستان کی قبرِ مبارک کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

ماہ نامہ ''حق نوائے احتشام'' اپنے آغاز سے لگا کر بحمد اللہ چھٹا سال مکمل کر رہا ہے۔ مولانا محمد صدیق ارکانی صاحب بڑی جانفشانی' تندہی اور محنت ولگن سے رسالہ کی تیاری اور بروقت نکال دینے کی ہر ممکن سعی کرتے ہیں اور بھئی مَیں بھلا کیوں نہ اس حقیقت کا اعتراف کرتا چلوں کہ عام طور پر تاخیر کا سبب مَیں ہی بن جاتا ہوں۔ کیونکہ حضرت خطیبِ اعظم کی جمعوں کی تقاریر کی نوک پلک درست کرنے کا کام احقر نے اس لیے بھی اپنے ذمہ لے رکھا ہے کہ مسجد ومدرسہ کے اتنے بڑے اور وسیع تدریسی عملے میں کوئی صاحب بھی اُس نہج کا کام نہیں کر پاتے کہ جس سے مَیں مطمئن ہوسکوں۔ گوکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام حضراتِ اساتذہ اور اہلِ علم شخصیات کی دیگر علمی وتدریسی صلاحیتوں پر ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَال کے تحت احقر شاید یہی سمجھ سکا ہے کہ خطیبِ پاکستان کی تقاریر کو کما حقہٗ حتمی اشاعت تک پہنچانے میں بہ ایں انداز کہ احقر کی ضبط کردہ کسی بھی تقریر کو جب چاہیں ٹیپ ریکارڈ پر سنتے چلے جائیں' بہ استثنائے بعض اِلّا ماشاء اللہ پوری تقریر لفظ بہ لفظ اور من وعن لکھی ہوئی پائیں گے قدرتِ مطلقہ وکاملہ کی یہ عطائے عظمٰی شاید کہ احقر ہی کو ودیعت ہوئی ہے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مَیں اپنے والدِ محترم کی شانِ بلند کے تقاضے کے تحت بمقابلۂ دیگراں زیادہ حساس واقع ہوا ہوں' وَفَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم.

ماضی میں بھی کئی ایک مجموعے عاشقوں اور عقیدت وارادت رکھنے والوں نے انتہائی محنت اور سرمایۂ کثیر کے بعد عامۃ المسلمین کے ہاتھوں کی زینت بنائے ہیں' مجھ سمیت ہمارا پورا گھرانہ اُن حضرات کا ممنونِ احسان ہے کہ نہ ہونے سے کچھ بہتر تو ہے کہ ہمارے والدِ محترم کے علوم ومعارف اُن کے توسط سے علم کے پیاسوں کی پیاس بجھانے کا ذریعہ ہی بن گئے۔ لیکن ''بیاناتِ جمعہ'' کے مخلص' پیارے اور باذوق قاریوں کو اُس ایک کمی یا نادانستہ فروگزاشت پر مطلع کرنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ ''مجموعہ ھذا'' کو پڑھنے کا واضح فرق سمجھنے میں آسانی ہوجائے گی۔ حاشا وکلا مَیں اُن حضراتِ ناشرین کی تنقیص نہیں کر رہا ہوں لیکن خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کے ایک شعر کے ذریعہ مفہوم کو ادا کرنے کی سعی ناقص کر رہا ہوں۔ وہ شعر یہ ہے۔

ہر طرح کی خوبی دی خالق نے تمہیں لیکن ☆ تھوڑی سی ضرورت ہے آنکھوں میں مروّت کی

خواجہ صاحب نے تو مُروّت کا گلہ کیا ہے' مجھے مجموعہ ہائے گزشتہ میں صرف اور صرف یہ گلہ رہا کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اُس امتیازی و خصوصی شان اور وصف کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جس کا نام فصاحت و بلاغت اور شعری موزونیت ہے۔ مَیں اِس حقیقت کو بخوبی جانتا ہوں کہ جس ڈھنگ پر تقریر لکھنے کا اہتمام مَیں نے کیا ہے' اُس کی محنت وطوالت اور عرق ریزی و ہمہ تن توجہ کا ذائقہ چکھ کر دل عجیب مشوّش اور پریشان سا رہنے لگا ہے کہ "اللہ اکبر کبیراً" "تقریروں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ جس رفتار سے میں چل رہا ہوں' اس کا مجھے یقین سا ہونے لگا ہے کہ میری ہی زندگی میں ایک ایک تقریر کو صاف ستھرا اور حسبِ ذوق مکمل کرنے کا کام شاید ہو نہیں سکے گا۔ اسی لیے میرے دوستو! بھائیو! بہنو! مَیں خصوصی دعا کی درخواست آپ سب سے کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت کی جانب سے مجھے درازیٔ عمر بصحت و توانائی مع سلامتی ایمانِ کامل اتنی مل جائے کہ نمبر ایک میرے دونوں بیٹے تبشیر و اہتمام اپنے دادا کے صحیح جانشین بن کر 27 ویں شب کے پروگرام سمیت تمام ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل ہو جائیں' نمبر دو' جامعہ احتشامیہ کے پلاٹ ایف ایل۔ 5' گلشن ظہور لائنز ایریا پر حسبِ منشاء بہترین عمارت بن جائے جو تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے اور تیسرا کام یہ کہ اپنے والدِ محترم کی تمام تقاریر کو اسی انداز پر مجموعوں کی شکل میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں' جیسا کہ "بیاناتِ جمعہ" آج آپ کے ہاتھوں میں رونق افروز ہے۔

بیاناتِ جمعہ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ ماہ محرم الحرام سے لگا کر ماہ ذوالحجہ تک حسبِ موقعہ ومطابق تقاضہ تیر بہ ہدف مضامین پر مشتمل ایسی سیر حاصل اور معرکتہ الآرا تقریریں ہیں کہ پڑھنے والوں کے اذہان وقلوب کے وہ تمام تشنہ گوشے علوم ومعارف اور نکتہ ہائے عجیب وغریب سے پُر ہو کر آگے کے تمام دریچے کھول دیتے ہیں' حضرات خطبائے جمعہ کے لیے تو پکی پکائی روٹی سے کم نہیں ہیں۔

حضرت خطیبِ پاکستان کی 33 سالہ خطیبانہ زندگی میں جمعہ کی نشستوں میں مضامین کی حسبِ موقع ترتیب کا اعلیٰ وانوکھا ذوق درحقیقت اثرِ کامل اور پرتوِ مماثل ہے' اپنے عظیم المرتبت ماموں حکیم الامت مجدّد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی فاروقی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت مبارکہ کا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظِ مطبوعہ سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

پھر سال بھر کے لوٹ لوٹ کر حسبِ موقع مضامینِ شرعیہ وتاریخیہ پر مشتمل اس "مجموعہ بیاناتِ جمعہ" کی ایک مزید اور اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک مستقل مضمونِ مکرر اور متعلقہ آیات وروایات منصوص کے باوجود ہر سال کی تقریر میں کچھ نہ کچھ اضافی اور مفید باتیں قارئین کے مطالعہ میں آئیں گی' میری مراد یہ ہے کہ کسی بھی سالانہ تقریر میں الفاظ و جمل کی کمی بیشی اور تقدیم وتاخیر کے ساتھ یہ رنگ نہیں جھلکتا کہ کوئی گھسی پٹی رٹی رٹائی تقریر ہو یا لکیر کی فقیر گفتگو ہو۔ احقر کے نزدیک درحقیقت یہ بہت اعلیٰ صلاحیت اور قادر الکلامی کی واضح دلیل اور بے مثال نمونہ ہے۔

غرضیکہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خطیبانہ خداداد صلاحیتوں کا حد درجہ جو ادراک' وہ بھی باذوق افراد اور اہلِ علم کے مخصوص طبقہ کو آج ہو رہا ہے' وہ کسی بھی تفصیل یا تاویل کی محتاج نہیں ہیں' اگرچہ بتقاضائے بشری غلطی کے امکان کو کلیتاً رد نہیں کیا جاسکتا لیکن الحمدللہ ثم الحمدللہ ساتھ ہی ساتھ کسی ایسی فاش غلطی کا ادنیٰ یا قوی امکان بھی موجود نہیں ہے۔ اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے مخلصانہ درخواست ہے کہ جملہ قارئین میرے والدین اور مجھ سمیت تمام

گھر والوں اور کتاب ہذا کی تیاری میں شامل پوری ٹیم کے حق میں دعائے مغفرت کرنا نہ بھولیں۔

اسی تمہید و تقریظ کے ضمن میں میں یہ خوشخبری بھی پیشگی سنا دوں کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی، دینی و سیاسی خدمات، نظریۂ پاکستان اور اُس کی سلامتی کے ٹھوس موقف اور محور پر حق گوئی کے نتیجہ میں اکابرین و معاصرین کے ساتھ شائستہ و عالمانہ اور مہذب و مؤدبانہ اختلاف و اتفاق پر مبنی تعلقات کی نازک اور حساس تفصیلات پر مشتمل بارہ چودہ سال قبل تیار شدہ "سوانح حیات" کا غیر مطبوعہ نسخہ بہت جلد نظرِ رابع کے ذریعہ تصحیح کے بعد عمدہ اور نفیس کتاب کی صورت میں شائع ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے۔ انشاء اللہ۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی علمی و قلمی صلاحیتوں کو اگر دیکھنا چاہیں تو اُن کے درس قرآن اور درس حدیث کو پڑھیں، اگر خطیبانہ و قادر الکلامی کی شان سے آشنا ہونا چاہیں تو ٹیپ میں سنکر اور بیاناتِ جمعہ میں پڑھ کر بخوبی ادراک ہو سکتا ہے لیکن اگر حضرت خطیب پاکستان، مفسر قرآن حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی سیرت و کردار کی بلندی، حق گوئی و بے باکی، فراست ایمانی و دور بینی، ارباب سیاست و حکومت کی حمایت و مخالفت کا محورِ نیک، اسلامی جمہوریہ پاکستان جیسے نظریاتی ملک کی بقا و سالمیت کے اوّلین تقاضے پر اتحاد بین المسلمین کے لیے انتھک کوششیں اور گرانقدر کارناموں سمیت ان کو دیدہ و دانستہ ناکام اور تباہ کرنے والے نام نہاد اسلام پسندوں کے مکروفریب اور سب سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی موقف کی پُر زور حمایت، تائید اور بادِ مخالف کی ذرہ برابر پرواہ کئے بغیر اپنی ہمہ نوعی اور جمیع صفات و کمالات سے مزیّن بیش بہا شخصیت کو غیروں سمیت اپنوں کی بھی مخالفتوں، الزام تراشیوں، گالم گفتاریوں، انگشت نمائیوں اور روحانی و قلبی دل آزاریوں کی بھینٹ چڑھا کر عند اللہ سرخرو ہونے والا رخ اور صبغۃ اللہ والی شان دیکھنا چاہیں تو اس سوانح حیات کا گہرا اور عمیق مطالعہ کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

بہر حال! کجا بود منزل کجا تا ختم، کیا لکھنے بیٹھا تھا اور کیا کیا بے ساختہ و برجستہ لکھتا چلا گیا، غرضیکہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اور شخصیت پر اتنا کام اور اتنے تقاضے ہیں کہ صرف اور صرف مقامِ دعا ہے کہ سب کام میری ہی زندگی میں ہو جائیں، یہ دعا کریں اور کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مخلصوں کو جزائے خیر سے مالا مال فرمائیں۔ آمین۔ بقلم تنویر الحق تھانوی 8 محرم الحرام 1425ھ مطابق 29-02-2004

احقر الناس تنویر الحق تھانوی
8-3-2004

خطبات احتشام

نواسۂ رسول ﷺ و خلاصۂ علی کرم اللہ وجہہ

امام عالی مقام حضرت حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کا

واقعۂ شہادت غمناک - لفّاظیوں لچھے داریوں سے پاک

جمعہ کی تقریر

سورۃ الانفال

16-12-1977

بمقام مرکزی جامع مسجد جیکب لائن کراچی

محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

اَلحَمدُ لِلّٰہِ نَحمَدُہٗ وَنَستَعِینُہٗ وَنَستَغفِرُہٗ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیہِ وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَن یَّھدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشھَدُ اَن لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَنَشھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَولَانَا مُحَمَّداً عَبدُہٗ وَ رَسُولُہٗ صَلَّی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیرِ خَلقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ اَمَّا بَعدُ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم☆وَاِذ یَمکُرُبِکَ الَّذِینَ کَفَرُوا لِیُثبِتُوکَ اَوْیَقتُلُوکَ اَوْیُخرِجُوکَ ط وَ یَمکُرُونَ وَیَمکُرُاللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیرُالمَاکِرِینَO صَدَقَ اللّٰہُ مَولٰنَا العَظِیم وَصَدَقَ رَسُولُہُ النَّبِیُّ الکَرِیم وَ نَحنُ عَلیٰ ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِینَ وَالشَّاکِرِینَ وَالحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِین☆

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

گذشتہ جمعہ اور اس سے پہلے جمعہ میں قرآن کریم کی یہی آیت میں نے تلاوت کی تھی، جس

میں حضور کی ہجرت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

مقصد یہ تھا کہ ہجری سال ختم ہوتا ہے ذی الحج پر اور محرم کی پہلی تاریخ سے شروع ہوتا
قدرتی بات ہے کہ جب نیا سال آتا ہے تو کوئی یاد دلائے یا نہ دلائے، کچھ باتیں ایسی ہیں کہ جو
شروع ہونے سے وابستہ ہیں۔ ہر مومن اور ہر مسلمان کے ذہن میں آنی چاہئیں اور اس کے تق
پر بھی غور کرنا چاہئے مگر یہ سب بات اس پر ہے کہ علم تو ہو، اگر علم ہی نہیں ہے تو کوئی احساس کوئی
اور کوئی خیال آپ میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ بادشاہ وقت آپ جانتے ہیں کہ اس کا نام ہے زید۔
معلوم ہے، لیکن آپ میں سے کسی صاحب کے ساتھ وہ صف میں بیٹھا ہوا ہو، کسی کو نہیں معلوم۔
آپ کو معلوم نہیں ہے تو برابر والے کے لئے آپ کے دل میں اس کی عظمت اس کے احترام،
تعظیم، اس کی تکریم کا کوئی جذبہ آپ میں پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ معلوم ہی نہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص آپ کے کان میں یہ کہہ دے کہ یہ شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا کن
سے کندھا لگائے ہوئے یہ فلاں بادشاہ ہے، سلطانِ وقت ہے۔ یہ زید ہے، تو فوراً آپ کے اند
احساس پیدا ہو جائے گا کہ میں ذرا وقار سے بیٹھوں، اس کے کہیں ٹھوکر نہ لگے، کہیں اس کا کوئی کپ
دب جائے، معلوم ہوا کہ علم کے بغیر کوئی جذبہ اور احساس پیدا نہیں ہوسکتا۔ معلوم ہو تو جذبہ پید
ہے۔ اس لئے ہجرت کا واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، کیونکہ سال نو
ایک یاد ہجرت کی وابستہ ہے۔ دوسری یاد نویں محرم اور دسویں محرم کے روزہ کا ہے، بلکہ 9، 10 یا 10، 1
یہ یاد تو جب حضور ہجرت کر کے تشریف لے گئے ہیں تو یہ تو پہلے ہی سال وابستہ ہوگئی۔ ہجرت کی یادگار
لئے 16 سال کے بعد یہ بات طے ہوئے۔ آپ نے ہجرت فرمائی ہے۔ ربیع الاول میں، تقریباً ساڑ
سات آٹھ مہینے کے بعد جب محرم آیا، تو مدینہ کے اندر زیادہ آبادی جو تھی وہ یہود کی تھی، اور میں یہ کئی
عرض کر چکا ہوں کہ جب اسلام دنیا میں آیا ہے مکہ میں مشرک آباد ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کم ہیں۔ مد
میں یہود آباد ہیں، نصاریٰ اور مشرک نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شام کے اندر نصاریٰ ہیں، یہود اور مشرک
ہونے کے برابر ہیں۔ یمن میں بھی نصاریٰ ہیں یہ آس پاس کا یہ ماحول ہے۔

جب حضور ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ تشریف لائے ہیں تو پھر مشرکین سے پیچھا چھوٹا

زیادہ تر یہودیوں سے واسطہ پڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی آیتیں قرآن کریم کی آپ کو مکی ملیں گی ان میں زیادہ تر توحید کا بیان، شرک کی تردید اور جو مدنی ہیں ان میں اہل کتاب کو دعوت تبلیغ دی گئی ہے۔ یہود بھی مخاطب ہیں۔ نصاریٰ بھی مخاطب ہیں، تو میں نے عرض کیا کہ جب آپ مدینہ میں تشریف لائے، زیادہ یہود ہیں۔ جب محرم آیا تو یہ معلوم ہوا کہ محرم کی دس تاریخ کو یہود نے روزہ رکھا۔ حضور اکرم ﷺ تک جب یہ بات پہنچی تو آپ نے صحابہ سے کہا کہ یہ اہل کتاب ہیں۔ یہ آسمانی نبی کو بھی مانتے ہیں، آسمانی کتاب کو بھی مانتے ہیں۔ آپ ذرا پوچھیں آج کا روزہ کیوں رکھا؟

جب یہود سے سوال کیا تو انہوں نے کہا آج عاشورہ ہے۔ محرم کی دس تاریخ ہے اور ہماری تاریخ کے مطابق یہ وہی دن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پنجہ سے نجات دی تھی اور وہ اپنی قوم کو بنی اسرائیل کو لے کر نکل آئے تھے۔ یہ دن دس محرم کا 'یوم نجات ہے۔ کیونکہ فرعون کے پنجہ سے اللہ تعالیٰ نے نجات عطا فرمائی ہے۔ تو ہماری شریعت میں شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا جاتا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پنجہ سے نجات عطا فرمائی تھی اور بنی اسرائیل نکل کر آ گئے تھے اور بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد ہے کیونکہ یہ چھ سو سال کے بعد مصر سے جا رہے ہیں۔ چھ سو سال پہلے آئے ہیں یہ لوگ۔ آئے کب ہیں؟ الحمد للہ کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے۔ کسی مؤرخ کی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ جو حقیقت قرآن کریم نے بیان کی ہے وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔

یہودی مصر میں کب آئے؟ یہ بھی ایک بڑا اہم سوال ہے، کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب اسلام کی دعوت پیش کی، تو مکہ میں آپ کے مخاطب مشرک اور یہودی قوم جو ہے یہ دنیا میں ہمیشہ سے بڑی سازشی قوم رہی ہے، ان کی سازش کا یہ حال ہے آج جو کچھ ہو رہا ہو معلوم ہو گا کہ انہوں نے پچاس سال پہلے کا' انہوں نے نقشہ مرتب کیا ہے کہ پچاس سال کے بعد اس کا نتیجہ کیا نکلے گا، بڑی سازشی قوم ہے۔

مدینہ سے ایک یہودی آیا اور آ کر مکہ میں ایک مشرک سے کہا کہ آپ لوگوں نے پیغمبر اسلام کا کوئی مقابلہ نہیں کیا روز بروز اسلام بڑھتا چلا جا رہا ہے، آپ کیا کر رہے ہیں، سو رہے ہیں، بیٹھے ہوئے یہاں؟ مشرکین مکہ نے کہا کہ بھئی! ہم تو جتنا مقابلہ ہو سکتا تھا، ہم نے کیا مگر ہم کیا کریں کہ

اسلام بڑھتا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں ایک اسکیم بنا کے لایا ہوں،
اسکیمر (SCHEAMER) ہے اور وہ اسکیم ایسی ہے کہ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو نعو
اسلام اور پیغمبر اسلام دونوں ختم۔ اس نے کہا کہ صاحب! وہ ایٹم بم تو ہمیں بھی آپ بتا
اور مسلمانوں کو اور پیغمبر اسلام کو سب کو ختم کر دے وہ کیا ہے؟

اس نے کہا کہ وہ ایٹم بم یہ ہے کہ تم ایسے وقت میں رسول اللہ کی صحبت اور مجلس
مسلمانوں میں وہ گھرے بیٹھے ہوں، اور بھرے مجمع میں جا کر ایک سوال کرو۔ نعوذ با
نے تو نہ کوئی تاریخ کی کتاب پڑھی ہے، نہ کسی مؤرخ سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ اس
نہیں سکیں گے۔ سب مسلمان ان سے بدظن ہو جائیں گے، ان کی پیغمبری کو چھوڑ دیں
ہے؟

تم جا کر یہ سوال کرنا پیغمبر اسلام سے کہ جو قرآن آپ پر اتر رہا ہے جس کو آ
یہ وحی ہے اور آسمانی کتاب ہے، اس کے پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرا
میں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ واقعہ ہوا، ان سے پہلے یہ واقعہ ہوا ان
ہوا اور اس طریقہ سے سارے واقعات قرآن کہتا ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں ہیں۔

تو آپ پیغمبر اسلام سے یہ پوچھئے کہ اس قوم کا وطن تو ملک شام ہے یہ مصر میں
کیسے آئے؟ اور یہ ایک ایسا اہم تاریخی سوال ہے کہ پیغمبر اسلام نعوذ باللہ اس کا جواب
گے اور یہ جو کہا کہ ان کا وطن ملک شام ہے، (میں اس میں اتنی سی بات اور کہہ دیتا ہو
نہیں تھا۔

کیونکہ بنی اسرائیل کہتے ہیں حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو اولاد کی اولاد۔ ح
نام اسرائیل ہے۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں تو شروع ہوئی حضرت یعقو
یعقوبؑ کہاں تھے؟ حضرت یعقوبؑ کے والد تھے حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسحاق
ابراہیمؑ کے۔ ایک ماں سے حضرت اسمٰعیلؑ ہیں جن کے نام کی قربانی ہم اور آپ کر
کے بیٹے اسحٰق ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت ہاجرہ کو لے کر جا کر حضرت ابراہیم نے تو اللہ کے گھر کے قریب مکہ میں آباد کر دیا۔ ایک بیٹے کو لے گئے ملک شام' اور یہیں پر حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے اور پھر حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک بیٹے کا نام یوسف ہے۔ کنعان، یوسفِ کنعان، کنعان جگہ کا نام ہے۔ یہ فلسطین کے علاقہ میں فلسطین شام میں ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم کہاں سے نکلی؟ حضرت یعقوبؑ سے نکلی حضرت یعقوبؑ کہاں تھے؟ شام میں تھے۔ اس قوم کا وطن تھا شام۔

(اتنا وقت نہیں ہے کہ تفصیل عرض کر سکوں لیکن یہ کہ تھا کا لفظ) میں نے اس لئے کہا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو وہ زیتون کے اوپر عبادت کرنے کے لئے گئے اکیلے' ان کو اغوا کر لیا گیا، ان کو پھانسی دینے کی کوشش کی۔ قرآن یہ عقیدہ ہم کو بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو پھانسی نہیں دی گئی۔ اللہ نے زندہ اٹھا لیا۔ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ کو پھانسی دے دی ان لوگوں نے' پھانسی دینے والے یہودی تھے۔

اور جب اس قوم کو یہ پتہ چلا ہے کہ ہمارے پیغمبر کو یہودیوں نے پھانسی دی ہے۔ عیسائیوں نے اتنا مارا ہے، اتنا مارا ہے کہ بچ بھی یہودی کا باقی نہیں رہا ملک شام میں۔ یہ لوگ چھوڑ کے چلے گئے۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں جا کر پھیل گئے۔ شام صاف ہو گیا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوم اپنے وطن کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کے چلی گئی تھی۔ اسی زمانہ میں بعض قبیلے مدینہ میں پہنچے، یہ جو مدینہ میں یہود کی آبادی ہے (تھی) رسول اللہ کے زمانہ میں، یہ جب فلسطین اور شام سے ان کو نکال دیا ہے' عیسائیوں نے مار مار کے نکال دیا ہے، تو کچھ خاندان مدینہ میں آئے اور آ کر اہلِ یثرب' اس زمانہ میں نام یثرب تھا۔ اہل یثرب سے کہا، ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ نبی آخر الزمان جب آئیں گے تو کھجوروں والے علاقہ میں قیام کریں گے، یہ علاقہ بھی کھجور کا علاقہ کہلاتا ہے، ہمیں آپ یہاں رہنے کی اجازت دیں، جب نبی آخر الزمان آئیں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس نبی کے انتظار میں تم یہاں پر رہنا چاہتے ہو

تو ہم تمہیں رہنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ تشریف
یہودیوں نے سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور حضور کا مقابلہ کیا ہے۔ جب انہوں
کیا، آئے تو تم صرف اسی لئے تھے یہاں پر کہ نبی آخرالزماں پر ایمان لاؤ گے۔ حضور
دے دیا کیا؟ اَخْرِجُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَب۔ یہود اور نصاریٰ کو
سے نکال دیا جائے پھر یہ نکال دیے گئے وہاں سے۔ خیر!

اس یہودی نے کہا کہ تم جاؤ، جا کر پیغمبر اسلام سے یہ سوال کرو کہ جی حضو
اسرائیل تو ملک شام میں پیدا ہوئی ہے، مصر میں کب آئی، کیسے آئی؟ ہمیں نہیں معلوم، آ
یہی کہتا ہے کہ مصر میں یہ ہوا، مصر میں یہ ہوا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ایسا ہوا تو یہ مصر، قرآن
آخر مصر میں آئے ہوں گے نا؟ سرکار دو عالم ﷺ سے سوال کیا۔

آپ نے گردن جھکائی اور پھر گردن اٹھا کے آپ نے فرمایا ابھی ابھی اللہ تعالیٰ
اور پر سورۂ یوسف نازل فرمائی ہے۔

آپ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں اور بعض علاقوں میں تو یوسف اور زلیخا کے قصہ کو
طریقہ سے پڑھا جاتا ہے جیسے یہ بھی کوئی لیلیٰ مجنوں کی داستان ہے۔ مگر وہ سورۂ یوسف
فوت کر دیتے ہیں۔ سورۂ یوسف کے نازل ہونے کا مقصد ہے سرکار دو عالم ﷺ کی
کرنا۔ سورۂ یوسف نازل ہوئی۔ سوال یہی تو تھا۔ یہ تو ملک شام کی رہنے والی ہے مصر
کیسے گئی؟ پوری سورۂ یوسف پڑھ جائیے، قرآن آپ کو یہ حقیقت بتلاتا ہے اور یہ کب
ڈھائی ہزار سال پہلے کی تاریخ سرکار دو عالم ﷺ کی زبان سے ادا کی جارہی ہے۔ ڈھ
پہلے۔ فرمایا آؤ! ہم بتائیں۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں ایک صاحبزادے تھے، جن
تھا۔ بھائی اُن سے حسد کرتے تھے۔ بھائیوں نے لے جا کر ان کو یہ سمجھ کے کنوئیں میں
ڈوب جائیں گے، اس میں پانی نہیں تھا۔ یہ اس گڑھے کے اندر بیٹھ گئے، ایک قافلہ
ملک مصر جارہا تھا۔ یہی تو سوال ہے نا کہ یہ ملک شام کی رہنے والی مصر میں کب آئی؟

وہ قافلہ تجارت کا جارہا ہے، پانی کی اُنہیں ضرورت پیش آئی، انہوں نے کہا کہ یہ کنواں ہے، اس میں ڈول ڈالو، جب ڈول ڈال کے کھینچنے لگے تو وہ کھنچتا نہیں، اس لئے کہ حضرت یوسف وہاں بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے ڈول پکڑلیا۔ جھانک کے دیکھا تو ایک حسین اور جمیل بچہ بیٹھا ہے۔ ان لوگوں نے اس بچہ کو نکالا' اُنہیں نہیں معلوم کون ہیں؟ یہ لے گئے اُس بچہ کو مصر۔ بنی اسرائیل کا داخلہ مصر میں ہوگیا۔ یہی تو تمہیں پوچھنا تھا کہ یہ قوم تو ملک شام کی رہنے والی تھی، ملک مصر میں کب آئی اور کیسے آئی؟ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کو بیچ دیا گیا۔ زلیخا کے شوہر عزیز مصر' عزیز نام نہیں ہے، عزیز عہدہ ہے۔ عزیز مصر نے حضرت یوسف کو خرید لیا، انہوں نے اپنے گھر پہ رکھا۔ حضرت یوسف کو محسوس ہوا کہ یہاں گھر میں زلیخا ہیں اور یہاں رہنا میرا ٹھیک نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ مجھ کو جیل خانہ میں اور قید خانہ میں رکھا جائے، گھر پر رہنا پسند نہیں کرتا۔

یہ سب سورۂ یوسف وہ تاریخ بتارہی ہے کہ تمہارا یہی تو سوال ہے کہ یہ قوم ملک شام سے ملک مصر میں کب آئی؟

حضرت یوسف قید خانہ میں ہیں، فرعون نے ایک خواب دیکھا ہے، خواب کی تعبیر کے لئے حضرت یوسف کو قید خانہ سے بلایا گیا، انہوں نے خواب کی تعبیر دی، فرعون بڑا خوش ہوا انہوں نے کہا کہ ہم تم کو یہاں کا عزیز مصر بناتے ہیں۔ یہ عزیز مصر ہوگئے۔

عزیز مصر کے عہدے پر ہوگئے۔ ان کے بھائی غلہ لینے کے لئے آتے ہیں، قحط کا زمانہ ہے، کہیں ملتا نہیں ہے۔

مختصر یہ ہے کہ جب یہ پتہ چل گیا ہے کہ یہ ہیں ہمارے بھائی حضرت یوسف، تو انہوں نے اپنا قمیص دیا اور یہ کہا کہ میرے ابا جان کو، روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی ہے' یہ قمیص لے جاؤ اُن کے سر پہ ڈال دینا، بیٹے کی خوشبو سے بینائی واپس آجائے گی اور جب بینائی واپس آجائے تو سب خاندان کے لوگوں کو لے کے آجانا۔

کتنے لوگ آئے؟ 72 یا 73۔ بنی اسرائیل کی کل تعداد جو ملک شام سے ملک مصر میں آرہی ہے یہ 72 افراد ہیں غالباً۔ حضرت یوسف کے سارے بھائی ہیں، ان کی مائیں ہیں اور خاندان والے

ہیں۔سبحان اللہ! ڈھائی ہزار سال پہلے کی تاریخ کا واقعہ ہے کوئی بتانے والا؟ قرآن کریم کے سوا
ملک شام سے ملک مصر میں یہ قوم کب آئی؟ حضرت یوسف کے زمانہ میں آئی۔72افراد تھے اور
سال کے بعد جب حضرت موسیٰ لے کر نکلے ہیں تو اُس وقت لاکھوں کی تعداد ہے یہ 72افراد تھے
ملک مصر کے اندر ہیں۔

میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا تھا کہ یہود نے کہا کہ یہ ہمارا یوم نجات ہے۔آج
اسرائیل کو اور موسیٰ کو اللہ نے نجات دی تھی فرعون کے پنجہ سے، شکرانے کے طور پر ہم روزہ ر
ہیں۔تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر واقعۂ فرعون کے پنجہ سے نجات کے شکرانے کے طور پر یہ ر
رکھا جاتا ہے ہم زیادہ مستحق ہیں کہ روزہ رکھیں۔لہذا آپ نے فرمایا کہ آج سے ہماری شریعت مح
کے اندر بھی دس تاریخ کا روزہ رکھا جائے گا۔لیکن تاکہ ملتِ مُوسِوِیّہ سے فرق ہو جائے، فرمایا ہم
تاریخ کے ساتھ 9 کا ملا کے رکھیں گے یا دس تاریخ کا ہم 11 کے ساتھ ملا کے رکھیں گے۔ شر
محمدیہ میں سنت ہے 9،10 یا 10،11۔

جس سے یہ بات معلوم ہوئی۔بعض لوگ جو ناواقفیت کی وجہ سے یہ کہہ دیتے ہیں نعوذ
نعوذ باللہ کہ یہ تو حضرت امام حسین ؓ کی شہادت کی خوشی منانے کے لئے یہ لوگ روزہ رکھتے ہیں
سُنّی روزہ رکھتے ہیں یا فلانے روزہ رکھتے ہیں، تو سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ میں روزہ رکھا ہے،
وقت تو واقعہ شہادت کا کوئی تذکرہ بھی نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ دس کے ساتھ نو کا روزہ رکھنا یا دس کے ساتھ گیارہ کا روزہ رکھنا یہ سنت
سرکار دو عالم ﷺ نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔تو جب محرم کا مہینہ پہلی مرتبہ آیا تو ایک
روزہ کی بھی شامل ہوگئی۔9،10 یا 10،11 بلکہ پہلی یاد یہ ہے جو ساڑھے سات آٹھ مہینے کے بعد
پیش آئی۔اس کے بعد 16 سال تقریباً گزر گئے، غالباً سترھویں سال کے اندر یہ طے ہوا ہے کہ
سن واقعۂ ہجرت سے لکھیں گے تو 16 سال کے یا 17 سال کے بعد یہ دوسری یاد تازہ ہوگئی محرم سے
جب محرم کا مہینہ آئے واقعۂ ہجرت بھی ساتھ ساتھ یاد آئے۔

اور آگے چلیئے، غالباً سن 22 یا 23 ہے، ایک تیسری یاد بھی اس سے وابستہ ہوگئی ا

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا واقعہ ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت معاف کیجئے! حضرت عمر فاروقؓ کے اوپر حملہ ہوا ہے 27 ذی الحج کو اور محرم کی پہلی تاریخ کو ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے۔ تو چاہے 27 ذی الحج سمجھئے چاہے یکم محرم سمجھئے۔ خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفۂ راشد جو نہایت ممتاز ہیں اُن کی شہادت کی یاد بھی تازہ ہوئی۔ یہ غالباً 23ھ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے پہلے سال میں یاد تازہ ہوئی روزہ کی، 16 سال کے 17 سال کے بعد تازہ ہوئی یادِ ہجرت کی، اور 23 سال کے بعد ایک خلیفۂ راشد کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے، پھر وہ بھی وابستہ ہو گیا۔ تاریخ بڑھتی چلی گئی۔

یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ کو دنیا سے رخصت ہوئے 50 سال گزر گئے۔ آپ کو جب پچاس سال' آپ کو دنیا سے رخصت ہوئے گزر گئے تو اس کا مطلب یہ ہوا 20 سال ہو گئے کیوں کہ دس سال آپ کی مدنی زندگی ہے۔ دس مدینہ کی زندگی کے پچاس آپ کی وفات کے 60 ہو گئے۔ 60 سال کے بعد جب 61 واں محرم شروع ہوا ہے تو محرم کی 10 تاریخ کو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے، نصف صدی سے گزر جانے کے بعد جب محرم آیا ہے تو اس کی اور یادوں کے ساتھ ساتھ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی یاد بھی تازہ ہوتی ہے۔

جس سے میں نے یہ بھی بتا دیا کہ حضور اکرم ﷺ کو دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے صرف 50 سال کا زمانہ گزرا ہے۔ اور پچاس سال کے بعد 61ھ میں محرم کی 10 تاریخ، یوم عاشورہ۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اس لئے اس کے بارے میں بھی مختصراً عرض کروں گا۔

اور یہ بات یاد رکھیئے! ہر واقعہ جو دنیا میں پیش آتا ہے، اچھا ہو یا برا ہو، پسند ہو یا ناپسند ہو، مرغوب ہو یا نفرت کی نگاہ سے آپ دیکھیں۔ لیکن میرے دوستو! ہر واقعہ جو ہے آپ کو سبق ضرور دیتا ہے۔ ہر واقعہ سبق ضرور دیتا ہے۔ اس سبق کو حاصل کرنے کے لئے ایک تو یہ ہے کہ چہرہ کی آنکھیں کافی نہیں ہیں، دل کی آنکھ ہونی چاہیئے۔ جس کو بصیرت کہتے ہیں۔

ایک یہ کہ آپ کے دل میں سبق حاصل کرنے کا احساس اور مادہ ہونا چاہیئے۔ بہت سے لڑکے کلاس میں غبی ہوتے ہیں۔ آج استاد نے کیا پڑھایا پتہ ہی نہیں۔ یاد کرنے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ لیکن بہت سے لڑکے ذہین ہوتے ہیں۔ وہ صرف کتاب ہی کا سبق حاصل نہیں کرتے ہیں، کلاس

میں استاد کے اٹھنے بیٹھنے، اس کے برتاؤ، اس کی بول چال، ان سب چیزوں سے بھی سبق حا
ہیں۔ استاد دیر میں آیا، استاد پہلے آیا، اس سے بھی سبق لیتے ہیں، یہ حساس قسم کے شاگرد ہیں

حضرت جنید بغدادیؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ یہ اپنے مریدوں کے ساتھ جا
کسی بستی میں گزر ہوا۔ تو وہاں دیکھا کہ ایک لاش لٹکی ہوئی ہے، گردن کٹی ہوئی، ہاتھ
پاؤں کٹے ہوئے۔ جس کو کہتے ہیں تقریباً مُثلہ کی ہوئی لاش، وہ لٹکی ہوئی ہے۔ ساتھی او
حضرت جنید بغدادی جب وہاں، بستی کے پاس سے گزرے اور اس لاش کو لٹکی ہوئی دیکھ
ہوئے گئے اور جا کے اس لاش کو پکڑا، چوما۔ بعض مریدوں نے کہا جا کے کان میں، حضرت!
فہمی ہوئی ہے۔ یہ کسی ولی اللہ کی لاش نہیں ہے، یہ شیطان کی ہے، یہ چور کی ہے۔ جس نے چ
چوری بھی ایسی کی ایک دفعہ کی تو ہاتھ کٹا، دوسری دفعہ کی تو پاؤں کٹا، تیسری دفعہ کی تو پھر
نہیں آیا ہے، اس لئے یہاں تک کہ گردن تک کاٹ دی، عبرت کے لئے لاش لٹکائی ہے۔
شاید غلط فہمی میں بوسہ دیا، چوما۔ اسے۔

فرمایا نہیں، میں اتنا بھولا نہیں ہوں۔ جتنا آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ میں نے اس کو
اور درویش کی لاش سمجھ کے نہیں چوما ہے۔ چور کی لاش سمجھ کے چوما ہے۔ کیوں؟ اس نے مجھ
دیا ہے، میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ لاش نے کیا سبق دیا؟ فرمایا جب میں یہاں سے گز
لاش پکار پکار کے کہہ رہی تھی، اے دیکھنے والو! مجھے دیکھو، میں وہ ہوں۔ جو پہلی مرتبہ چوری
مگر میں نے چوری چھوڑی نہیں، پاؤں کٹا، چوری پہ قائم رہا، چھوڑی نہیں، پھر ہاتھ کٹا، چو
نہیں، پھر پاؤں کٹا، چوری چھوڑی نہیں۔ گردن دے دی چوری نہیں چھوڑی۔ لاش مجھ
ہے اے دیکھنے والو! دیکھو، میں نے باطل پہ جم کے دکھا دیا اور گردن دے دی اے دیکھنے و
حق پر جم کے نہیں دکھا سکتا؟ باطل تو جمنے کی چیز نہیں ہے مگر میں نے باطل پہ جم کے دکھا دیا
نے گردن کٹوا دی ہے اپنی۔ اے دیکھنے والے! کیا تجھے یہ سبق نہیں ملتا کہ تو حق پہ جم کے
اب آپ اندازہ لگائیے۔ انہوں نے کہا میں نے کسی ولی کی اور درویش کی لاش سمجھ کے نہیں
ہوں کہ کسی یہ رہزن، ڈاکو کی لاش ہے۔ مگر کیا کروں کہ اس نے مجھے سبق دیا ہے۔ یہ ہیں

کی باتیں۔ ہر واقعہ سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

ایک اور واقعہ لکھا ہے حضرت شاہ ابوسعید گنگوہیؒ ' اولیائے اللہ کے تذکرہ میں بھی چلا ہے ایمان کے لئے۔

شاہ ابوسعید گنگوہیؒ کا واقعہ لکھا ہے اپنے مریدوں کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ایک ایسی بستی سے گزر ہوا کہ جہاں پر رواج سنڈاس کا تھا۔ سنڈاس کہتے ہیں اس بیت الخلا کو، کہ جو گھروں کے اندر نہیں ہوتا، اوپر ہوتا ہے مکانوں کے اور گندگی باہر گرتی ہے اور باہر سے اسے مہتر (۱) کما کے لے جاتے ہیں۔ اس کو سنڈاس کہتے ہیں۔ سنڈاس کا رواج ہوتا ہے بعض بستیوں میں' اپنے مریدوں کے ساتھ جا رہے ہیں تو ایک مہتر جو ہے وہاں سے وہ سنڈاس صاف کر رہا ہے ظاہر ہے غلاظت ہے، گندگی ہے، بدبو ہے۔

شاہ ابوسعید گنگوہیؒ کے ساتھ جتنے مریدین تھے وہ سب کے سب' انہوں نے اپنے ناک پہ رومال رکھا اور تیزی سے بھاگ گئے، آ گے۔ شاہ صاحب وہیں کھڑے ہو گئے سنڈاس کے پاس، وہیں کھڑے ہو گئے۔ یہ بات نہیں ہے کہ بے حس ہیں' نہیں! اوروں سے زیادہ حس ہے۔ لیکن ان میں ایک حس اور ہے جو دوسروں میں نہیں ہے، کھڑے ہو کے کہا، اے میرے بھائیو! یہاں آ ؤ، یہاں آ ؤ۔ یہ غلاظت اور گندگی سوال کر رہی ہے۔ اس سوال کا جواب دے کے جاؤ۔ اس لئے میں تمہیں بلا رہا ہوں، یہاں آ ؤ، یہاں آ ؤ۔ لوگ آ گئے۔ فرمایا کہ کتنی نفرت کے ساتھ تم نے ناک پر رومال رکھا ہے اور تم نکل گئے۔ یہ غلاظت مجھ سے یہ سوال کر رہی ہے۔ تم جواب دو۔ کیا سوال کر رہی ہے؟ غلاظت مجھ سے پوچھتی ہے، میں وہ ہوں جو کل رات حلوائی کی دکان پر تھالوں میں سجی ہوئی، ورق، چاندی اور سونے کے ورقوں میں لپٹی ہوئی رکھی تھی۔ اے انسان! تو نے اپنی جیب سے پیسے خرچ کیے ذوق وشوق کے ساتھ، چینی کی طشتریوں میں لا کر تو نے مجھے کھایا، ایک رات میں تیری صحبت میں رہی ہوں، صبح کو میرا یہ حال ہو گیا، اے انسان! قابل نفرت تو ہے یا قابل نفرت میں ہوں؟ یہ غلاظت سوال کر رہی ہے، جواب دو اس کا۔ لوگ خاموش۔

---

(۱) غلاظت اٹھانے والا جمعدار بھنگی

فرمایا کہ دیکھو، ہر انسان اگر کم سے کم وہ یہی دیکھ لے کہ روزانہ جب وہ بیت الخلاء
کس قدر غلاظت اس کے پیٹ سے نکلتی ہے اور آپ چاہے مخمل کے کپڑے پہنے ہوئے ہوا
سونے اور چاندی کے پہنے ہوئے ہوں۔ لیکن آپ کو سب کو معلوم ہے ہمیں بھی معلوم ہے
کرم ہے۔ اس وقت بھی ہمارے اور آپ کے پیٹوں میں غلاظت ہے، ہم مسجد میں بیٹھے ہو
ہم قالینوں پہ بیٹھے ہوئے ہیں، ہم بادشاہوں کی محفلوں میں ہیں، کوئی آدمی یہ دعویٰ کر سکتا
وقت میرے ساتھ میرے پیٹ میں غلاظت نہیں ہے؟ لیکن یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ
چمڑے کی کھال ڈھک دی ہے، کھال ہمارے اوپر ڈھک دی ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ نف
کرتے ہیں۔ غلاظت چھپی ہوئی ہے۔ یہ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے۔ یہ غلاظت جو ہم اور آپ
پھرتے ہیں۔ یہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ ہمارے اندر کبھی فرعونیت نہیں آنی چاہیے
ہے۔

ایک بہت بڑے اللہ والے درویش تھے، کوئی نوجوان جارہے تھے اکڑے ہوئے
نے کہا، بیٹا! تم نے خدا کا حکم قرآن میں پڑھا ہے۔ لَاتَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحاً زمین میں اکڑ
مت چلو۔ لَاتَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحاً اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَا
تم بے حقیقت چیز ہو، اکڑو نہیں، تواضع اور خاکساری کے ساتھ چلو اور تواضع کے ساتھ چلنے میں
کر لیجئے) فرعونوں کا لباس پہنیں گے، چلنے میں فرعونیت ہوگی، سادہ لباس پہنیں گے، آپ
باندھ کے، ایک کرتہ پہن کے آپ مجمع میں نکلیں، کسی نے دھکا دے دیا، تب بھی آپ کو غصہ نہ
گا۔ کیونکہ یہ لباس ہی اصل میں خاکساروں کا لباس ہے۔ اعلیٰ درجہ کا کوئی سوٹ پہن کے آ
آپ کو چاروں طرف دیکھنے میں یہ خیال ہوگا کہ یہ میرے سوٹ کا خیال کر کے مجھے سلام
نہیں کرتا؟ یہ کچھ مرعوب ہورہا ہے یا نہیں ہورہا ہے؟ قدرتی بات ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں، جس زمانہ میں لوگ ترکی ٹوپی
اور اُس کا پھندنا لگا ہوا ہوتا تھا فرماتے تھے کہ یہ لوگ جو پھندنا ہلاتے ہیں تو اس سے تکبر پیدا
ٹوپی کا جو پھندنا ہلاتے ہیں اس سے...... پیدا ہوتا ہے خیر!

انہوں نے کہا بیٹا! تم اکڑ کے نہ چلو، وقار سے چلو، وہ ناراض ہو گیا، اس نے کہا کہ آپ نے مجھے ٹوک دیا، آپ کو معلوم ہے میں کون ہوں؟ اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کون ہے، کس کھیت کی مولی ہے یہ؟ یہ تو نہیں معلوم تھا۔ لیکن انہوں نے کہا۔ جی ہاں! میں جانتا ہوں آپ کو اور آپ کو میں اتنا جانتا ہوں کہ آپ خود بھی نہیں جانتے ہیں۔ بتایئے، کون ہوں؟ انہوں نے کہا۔ سنیئے۔ فرمایا کہ: اَوَّلُکَ نُطْفَةٌ قَذِرَة۔ آپ کی ابتداء اس پانی سے ہوئی ہے جو پانی بدن پہ لگ جائے تو ناپاک، کپڑے پہ لگ جائے تو ناپاک۔ وَآخِرُکَ جِیْفَةٌ مَذِرَة۔ اور انجام آپ کا یہ ہے کہ ایک قبر میں لاشہ پڑا ہوا ہوگا، کیڑوں کو بھی اپنے اوپر سے نہیں ہٹا سکو گے، وہ ابتداء یہ انجام۔ وَاَنْتَ بَیْنَ ذٰلِکَ تَحْمِلُ العذرأ۔ اور معاف کیجئے! اس وقت بھی آپ کے پیٹ میں غلاظت اور گندگی موجود ہے، یہ خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اللہ نے پردہ ڈھک دیا ہے جو آپ کو مہذب محفلوں میں جگہ مل جاتی ہے، شرمندہ ہو گیا۔ فرمایا وہ آپ کی ابتداء وہ آپ کا انجام، یہ آپ کی درمیانی کیفیت، میں آپ کو اتنا جانتا ہوں کہ آپ بھی نہیں جانتے، شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔

خیر! میرا مطلب کہنے کا یہ تھا کہ حضرت امام حسینؓ کا واقعہ ہمارے اور آپ کے لئے، ایک دو نہیں بہت، بہت سے سبق دیتا ہے۔ لیکن ہم اور آپ تو اصل میں داستان کہنے کے عادی ہیں۔ داستان سننے کے عادی ہیں، سبق کیا؟ سبق کچھ نہیں' علامہ اقبال نے بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہی تھی۔ فرمایا کہ قافلۂ حجاز میں ایک حُسین بھی نہیں، گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات۔ ابھی تک وہاں کے ذرات دجلہ اور فرات کے ذرات، چمک چمک کر حضرت حسین کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں کہ جو اسوۂ حسینی کو اپنی زندگی کا معمول بناتے ہیں یا سبق حاصل کرتے ہیں؟

اس لئے مختصر طریقہ پہ میں عرض کروں گا۔

حضرت امام حسین صحابی بھی ہیں اور خاندان نبوت سرکار دو عالم ﷺ کے اہل بیت سے بھی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان دونوں ذمہ داریوں کو پورا کیا۔ خاندان نبی کا فرد ہونے کی وجہ سے بھی، صحابی ہونے کی وجہ سے بھی، ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ یہ دیکھیں کہ میرے نانا جان نے جو دین بطور امانت کے ہمارے حوالہ اور سپرد کیا ہے، اس پر آنچ نہ آنے پائے۔ جان جاتی ہے تو جانے

دیجئے، آن پر حرف نہ آنے دیجئے۔ یہ تھا اصل میں۔

زندگی کے اندر بعض موڑ ایسے آتے ہیں۔ جیسے آپ چلتے ہیں تو چوراہا ملتا ہے یا تین سڑکیں ملتی ہیں یا دو سڑکیں ملتی ہیں۔ سفر میں موڑ بہت اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس موڑ پہ اگر آپ نے رخ بدل د غلط۔ منزل پہ نہیں پہنچیں گے، کہیں اور چلے جائیں گے۔ جس طرح آپ کی ظاہری رفتار میں جو م ہوتا ہے وہ اہم ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض موڑ ایسے ہوتے ہیں جو نظریات کے موڑ ہوتے ہیں۔ پاؤں سے چلنے کے نہیں، فکر سے سوچنے کے ہیں، نظریاتی موڑ۔ حکیموں کی اصطلاح میں ایک اصطلاح ہے اور وہ اصطلاح ہے اُن کے یہاں کا کہنا یہ ہے کہ عام طور سے اگر بڑے سے بڑا کس معدہ درست ہو تو فرمایا کہ جب تصادم ہوتا ہے غذاؤں کا تو معدہ فیل ہو جاتا ہے۔ کیسے! ابھی کھ آپ نے، پہلا ہضم نہیں ہوا، دوسرا پھر کھا لیا، فساد پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں غذائیں جو ہیں آپس میں ایک دوسرے سے متصادم ہو رہی ہیں۔ فساد معدہ کا ذریعہ بنے گا۔ یہ معدہ فاسد ہو جا گا۔ اسی طریقہ سے اس کا نام ہے تداخل، تداخل کے معنٰی آتے ہیں۔ یہ اُس میں داخل ہونا چا ہے۔ وہ اِس میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ تداخل کے معنٰی۔ اسی طرح ایک موسم ہوتا ہے تداخل۔ موس تداخل ہوتا ہے۔ ابھی ابھی گرمیاں تھیں، کوئٹہ کی ہوا چلی، جس کو دیکھو کھانس رہا ہے۔ جس کو دی رومال ہاتھ میں ہے کیوں؟ موسم کا تداخل ہے۔ گرمی جا رہی ہے، سردی آ رہی ہے۔ ہمیشہ یاد رکھ تداخلِ موسم کا جو زمانہ ہوتا ہے، بڑے بڑے سُورما بھی اپنی تندرستی کو باقی نہیں رکھ سکتے' اور کچھ نہ تو نزلہ وزکام ہو ہی جاتا ہے۔ لیکن اگر تداخل نہ ہو، جیسے سردی آ گئی، سردی رہے۔ ٹھیک ہے۔ لیک سردی جائے، گرمی آئے۔ گرمی جائے سردی آئے۔ سردی اپنا اثر دکھانا چاہتی ہے، گرمی اپنا اثر دکھ چاہتی ہے۔ اس کا نام ہے تداخل۔

اسی طریقہ سے ایک تداخل ہوتا ہے نظریات کا۔ نظریات کے تداخل کے معنٰی یہ ہیں، ای نظریہ چاہتا ہے کہ میں اپنا بستر بچھاؤں، اپنا اثر قائم کروں، دوسرا نظریہ چاہتا ہے کہ میں اپنا اثر قائم کروں میں نے دیکھا ہے عام طور سے بہت سے لوگ اس میں کمزور ذہن کے لوگ فیل ہو جا ہیں، کبھی کبھی زندگی میں آتا ہے۔ جیسے آج یہ سوال اٹھایا گیا کہ کنبہ بڑا نہ ہو، اولاد زیادہ نہ ہو، ای

نظریہ ہے لادینی نظریہ ہے۔ مادی نظریہ ہے۔ بدنیتی پر مبنی نظریہ ہے۔ بدنیتی پر میں نے اس لئے عرض کیا، عجیب بات ہے، یہی عیسائی، یہی نصاریٰ اور یہود۔ بعض علاقوں میں بغیر نکاح کے بھی اگر اولاد ہو جائے تو کہتے ہیں یار! تم نے بڑا احسان کیا، ایک آدمی تو بڑھایا، چلو تمہیں انعام دیتے ہیں کیوں؟ ہمیں آبادی کی ضرورت ہے۔

ساؤتھ افریقہ میں جائیے، سفید لوگ اپنی آبادی بڑھانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو کہ یہ بغیر نکاح کے ناجائز بچہ پیدا ہوا، اس نے کہا، ناجائز تو تم کہتے ہو۔ میاں! ہماری قوم پہ تو احسان کیا ہے اس نے۔ ایک آدمی بڑھا دیا۔ لیکن وہی لوگ ان ملکوں کے لئے کہ جہاں عام طور سے یہ خطرہ ہے کہ کہیں کالے لوگ یا مسلمان ہمارے اوپر نہ چھا جائیں، لاکھوں، کروڑوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے، خاندان چھوٹا ہو، خوشحالی اس میں ہے۔ بچے کم پیدا کرو۔ یہ ایک نظریہ چلا۔ لادینی۔ لادینی میں نے اس لئے کہا ہے کہ اس کی بنیاد یہ ہے کہ اس دنیا میں کھانے پینے کا سامان کم ہے۔ انسانوں کے افراد زیادہ ہیں۔ کہاں سوئیں، کہاں کھائیں، کیا پیئیں، کیا اوڑھیں؟ اس لئے بھائی! افراد کم کرو۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس کائنات میں پیدا کرنا بھی اللہ کا کام ہے اور روزی دینا بھی اللہ کا کام ہے، میں اللہ کو اتنا غیر منتظم نہیں سمجھتا ہوں کہ اللہ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کھانے پینے کا سامان کتنا تھوڑا ہے اور ہم آدمیوں کو پیدا کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ بدانتظامی تو آپ کی بیوی بھی نہیں کر سکتی۔ آپ کے گھر کی لڑکی بھی نہیں کر سکتی ہے یا تو یوں کہو کہ روزی دینا بھی اللہ کے ہاتھ میں نہیں، انسان پیدا کرنا بھی خدا کے ہاتھ میں نہیں، پھر ٹھیک ہے آپ دنیا میں انتظام کریں، لیکن اگر تخلیق انسان بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور روزی دینا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، تو پھر میرے دوستو! اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مگر ہوا چلی، پھسل گئے لوگ۔ انہوں نے کہا بھئی قرآن ڈھونڈو، حدیث ڈھونڈو۔ اس نے کہا صاحب! حدیث مل گئی۔ حدیث اس لئے ملی ہے کہ جو لادینی نظریہ سامنے آ رہا ہے آپ اس کو لبیک کہیں اور یہ حدیث پیش کر دیں۔ شرم آنی چاہئے، کیا حدیث پیش کی؟ انہوں نے کہا صاحب! رسول اللہ نے فرمایا ہے، اگر کوئی شخص چاہے کہ میرے اولاد نہ ہو تو بیوی سے اگر وہ اس وقت الگ ہو جائے اس کو عربی میں عزل کہتے ہیں۔ ع، ز، ل تو عزل کی اجازت دی ہے۔ یہ حدیث ہے یہ۔

آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کیا سرکار دو عالم ﷺ کی یہ حدیث آپ کے اس بلا د
کی حمایت کرتی ہے؟ پیش کرنے والے جو ہیں حدیث میں تحریف کرتے ہیں۔ رسول اللہ کا
ہے کہ اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ بیوی کی جان خطرہ میں ہے تو الگ ہو جاؤ، کوئی حرج نہیں ہے۔

جیسے کسی عورت کے آپریشن سے بچے ہوتے ہیں اور اب گنجائش نہیں ہے، اندیشہ
اب بچہ ہوگا تو ہلاک ہو جائے گی۔ پہلا بچہ چھوٹا ہے۔ ابھی پرورش نہیں ہوئی ہے، اس کی۔ اگ
چاہتے ہیں کہ کچھ دن آپ کے بچہ پیدا نہ ہو، آپ الگ ہو جائیں شریعت اجازت دیتی ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان انفرادی حالات کی وجہ سے جو آپ کے اپنے گھریل
شریعت اجازت دیتی ہے کہ اگر آپ الگ ہو جائیں، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن آپ
کہ کیا حدیث کا منشاء یہ ہے کہ اس دنیا کے اندر کھانے پینے کا سامان کم ہے اور یہ اللہ میاں کی بدا
ہے کہ اللہ تعالیٰ بھیجتے چلے جارہے ہیں آدمیوں کو۔

یہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ بہت سے لوگ آپ کو ملیں گے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر
پیش کریں گے، کیوں؟ نظریات کا موڑ آ گیا۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے، مادیت کا نظریہ یہ ہے،
مثال کے طور پر ایک زمانہ آیا کہ لوگوں سے کہا کہ صاحب یہاں لوگ امیر ہیں اور غریب ہیں۔
اور غریبی نہیں ہونی چاہئے۔ سب برابر ہو جائیں۔ کسی نے سوشلزم کے نام سے، کسی نے مس
محمدی کے نام سے، کسی نے اور کسی نام سے یہ نعرہ لگایا اور یہ خالصتاً مادی غیر اسلامی۔

مگر بہت سے لوگوں کو یہ دیکھا کہ قرآن کریم کی آیات بھی تلاش کر رہے ہیں۔ حدیث
تلاش کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب تداخل نظریات کا موسم آتا ہے تو اپنے عقیدے او
فکری جو ہے اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ ان کی تندرستی باقی نہیں رہتی، اعتدال باقی نہیں رہا اور
کریم کی آیتیں پڑھنا شروع کر دیں اور احادیث پڑھنا شروع کر دیں اور وہ بالکل یاد رکھئے! اس
کوئی باطل چیز ثابت نہیں ہوتی۔ دیکھو! بہت سے لوگ ایسے ہیں، میں نے یہ بات آپ کو مثال
پر اس لئے کہی ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے جو زمانہ اور جو دور پایا تھا۔ وہ دور بھی تداخلِ نظریات
ہے۔ حکمران کس طرح حکومت کرے؟ اسلام کا اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کی رائے سے اور مشور

حاکم کو مقرر کیا جائے۔اس کا نام شورائیت ہے۔اس کے برخلاف قیصر و کسریٰ کا طریقہ کیا ہے؟ باپ مرے، بیٹا بیٹھ جائے، بیٹا مرے پوتا بیٹھ جائے۔وراثت کے اصول پر۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنے زمانے میں یہ دیکھا کہ حضرت امیر معاویہ جو امیر المؤمنین ہیں، انہوں نے یزید کو ولی عہد بنا دیا ہے اور باپ کے بعد بیٹے کا طریقہ رائج ہو گیا۔باپ کے بعد بیٹے کا طریقہ اسلام کے خلاف نہیں ہے، حضرت علی کے بعد حضرت امام حسن ہو گئے۔وہ باپ تھے، یہ بیٹے تھے۔لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا کہ میں کچھ نہیں کہتا مسلمان جس کو چاہیں گے، امیر منتخب کر لیں گے، چنانچہ مسلمانوں نے ان کے بیٹے حضرت امام حسنؓ کو منتخب کر لیا۔شورائیت باقی رہی۔ چاہے بیٹے کو اور چاہے کسی غیر کو۔

جس کا مطلب یہ ہے حضرت امام حسینؓ کا مؤقف یہ ہے کہ یہ تداخل نظریات کا وقت ہے۔ ایک طرف نظریہ ہے قیصر و کسریٰ کا ایک نظریہ ہے اسلام کا۔قیصریت اور کسراویت کے اندر وراثت چلتی ہے۔اسلام کے اصول کے مطابق شورائیت ہے۔شورائیت کا لفظ میں اس لئے بولتا ہوں کہ قرآن کریم نے بھی لفظ شوریٰ استعمال کیا ہے۔جمہوریت کا تو لفظ استعمال کرتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہے۔صرف مجھ ہی کو ڈر نہیں لگتا، علامہ اقبال نے بھی کہا ہے کہ جمہوریت ایک بہت بڑی لعنت ہے، شورائیت اور چیز ہے۔شورائیت میں گدھے، گھوڑے مل کے رائے نہیں دیتے۔شورائیت میں رائے دینے والے کون ہوتے ہیں؟ عابدین۔ذی رائے، جو کم سے کم اسلامی احکام پر عمل بھی کریں اور صاحب بصیرت بھی ہوں۔اب آپ لوگوں کا تو خود ہی کہنا ہے کہ اس ملک میں کتنی آبادی ہے، کتنے فیصد لوگ نماز پڑھتے ہیں یا احکام اسلام کی پابندی کرتے ہیں؟ اور جب آپ یہ کہیں کہ بھئی ہر شخص جو ہے یہ رائے دے گا تو آپ سمجھتے ہیں کہ کبھی صالح قیادت آ سکتی ہے؟ کبھی نہیں آ سکتی، کبھی نہیں آ سکتی۔صالح قیادت کا تو ایک ہی طریقہ ہے رائے دینے والے پہ بھی پابندی، رائے لینے والے پہ بھی پابندی۔جو شخص چاہے امیدوار کھڑا ہو جائے اور جو شخص چاہے رائے دے دے۔آپ طے کریں، کون شخص امیدوار ہو سکتا ہے۔جس کے اعمال ایسے، جس کے اخلاق ایسے، جس کا عقیدہ ایسا، جس کا کردار ایسا، پانچ سات چھ لے لیجئے۔رائے دینے والے کون، عابدین ذی رائے۔یعنی اللہ کے احکام کی عظمت ان کے دل میں ہو اور وہ

صاحب رائے صاحب بصیرت بھی ہو۔ اور اس زمانہ میں رائے دینے والے معاف کیجئے گا، اٹھارہ س
آپ نے رائے دینے کی رکھی ہے۔ اٹھارہ سال میں تو لڑکا جو ہے ہائی اسکول میں پڑھتا ہے۔ ا
اپنے مستقبل ہی کا پتہ نہیں ہے۔ ملک کے مستقبل کا کیا سوچے گا وہ؟ ایک بات۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں کو آپ رائے دینے کا حق دیتے ہیں ہمیں یاد ہے 1954
مشرقی پاکستان جا رہے تھے۔ محمد علی بوگرہ صاحب اس زمانہ میں وزیر اعظم تھے۔ وہ بھی یہاں س
تھے اپنے وطن' گاڑی میں کچھ لوگ سوار تھے۔ ان سے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے جی
ہمارا بادشاہ آیا ہے، اس سے ملنے جا رہے ہیں، بھئی! بادشاہ کون ہے؟ کہنے لگے نواب صاحب
بوگرہ اچھا۔ الیکشن ہونے والے ہیں؟ ہاں، جی ہاں۔ ووٹ کس کو دو گے؟ کہنے لگے جی! ہم تو
پٹواری کو دیں گے ووٹ۔

جن لوگوں کا عالم یہ ہے کہ وہ کہیں، ہم جانتے ہی نہیں کیا چیز ہوتی ہے الیکشن۔ ہم پٹوا
ووٹ دیں گے، کوئی کہے گا، تھانیدار کو ووٹ دیں گے، کوئی کہے گا ڈپٹی صاحب کو ووٹ دیں گے۔
سے صالح قیادت نہیں آ سکتی' لفظ شورائیت میں نے استعمال کیا ہے۔

حضرت امام حسینؓ کا مؤقف یہ تھا ہم شورائیت کی سنت کو ہر قیمت کے اوپر باقی رکھیں
اور ہم باپ کے بعد بیٹے اور بیٹے کے بعد پوتے کا طریقہ جو ملوکیت کا طریقہ ہے ہم اس کو باقی
رکھیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ دین کی حفاظت کے لئے اٹھے ہیں۔ ایک
کی حفاظت کے لئے اٹھے ہیں۔ آپ ایمانداری سے بتائیے یہ حضرت امام حسین کی قدردانی
حضرت امام حسین کا نام لے کر ان کی شہادت کا نام لے کر، آج ہم اور آپ صرف سنت ہی نہ
معلوم ہوا کہ سارے کے سارے اسلام کے اصول بھی توڑتے چلے جا رہے ہیں، فرائض بھی تو
چلے جا رہے ہیں۔ خلاف ورزی بھی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ حضرت امام حسین کی شہادت
سبق حاصل کیا ہے؟

طریقہ لوگوں کا یہی ہے۔ قائداعظم کا نام لیں گے اور نظریہ پاکستان کی مخالفت کریں
علامہ اقبال کا نام لیں گے ناچیں گے، اور گائیں گے۔ ارے بھئی! علامہ اقبال کا تم نام لے ر

علامہ اقبال نے تو یہ کہہ دیا تھا، کہ کسی قوم کی تباہی کا وہ آخری وقت ہے۔جب اس میں ناچ گانا آجائے۔ میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے، شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر لیکن اُسی بیچارہ علامہ اقبال کے جشن کے موقع پر ٹی وی اور ریڈیو پہ کیا رقص وسرود ہو رہا ہے کیا گانا بجانا ہو رہا ہے۔ اقبال کی روح تڑپ رہی ہو گی۔

میرا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے اتنی بڑی عظیم قربانی دی۔ دین کی حفاظت کے لئے۔ یہ سبق تو کم سے کم حاصل ہونا چاہئے۔ ہمیں اور آپ کو۔ نام ہم ان کی شہادت کا اور محبت کا لیتے ہیں اور دین کے گلے پہ چھری پھیر رہے ہیں۔ میرے دوستو! یہ ان کی قدر دانی نہیں ہے۔ یہ ان کی محبت نہیں ہے۔

حضرت امام حسینؓ سے آخر وقت تک یہ کہا گیا کہ آپ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، میں نانا جان کے دین کی حفاظت کروں گا۔ اس سنت کی حفاظت میں حضرت امام حسینؓ نے عاشورہ کے دن اتنی عظیم قربانی دی ہے کہ آپ کے قافلہ میں 72، 73 جان نثار ہیں۔ آپ نے مقابلہ کیا ہے یزید کی فوج کے ساتھ اور مقابلہ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن، خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

حضرت امام حسین نے اپنی جان دے دی، اہل بیت کی جان دے دی، مگر اس سنت کی قیامت تک کے لئے حفاظت کر دی اور انہوں نے خاک وخون میں تڑپ کے قیامت تک کے لئے سبق دے دیا۔ لوگو! اگر دین کی کوئی سنت مٹتی ہوئی نظر آئے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے، خاک وخون میں تڑپ کے جو جام شہادت میں نے نوش کیا ہے، یہ طریقہ دین کی حفاظت کا طریقہ ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ 61ھ کے اندر محرم کی 10/تاریخ کو پیش آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ سے مسلمانوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔ واقعہ کو جس طرح اب تک ہم استعمال کرتے رہے ہیں بہت سی شخصیتوں کو ان کے بہت سے کردار اور اُن کے واقعات کو غلط استعمال کرتے ہیں۔ وہ نہیں کرنا چاہئے۔ دعا کیجئے! ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ اسوۂ حُسینی پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور اللہ تعالیٰ دین کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خطبات احتشام

جمعہ کی تقریر

سورۃ الذاریات

22-9-78

بمقام مرکزی جامع مسجد جیکب لائن کراچی

انتخاب وترتیب: مولانا تنویر الحق تھانوی

عنوان

مسلّم ضابطہ وقانونِ الٰہی ☆ اقوامِ گذشتہ کی ہولناک تباہی

نوٹ:۔ مسلمانانِ پاکستان کی حالتِ زار کو بھی اس تقریر کے تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔

اے اللہ! آج بھی ہم سب کو ہدایتِ تامہ عطا فرما (آمین)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ○ قَالُوْا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ○

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! گذشتہ جمعہ ۲۸ ویں پارے کی یہ آخری سورت سورۂ تحریم کی آخری آیتیں پیش کی گئی تھیں۔ جس پر ۲۸ واں پارہ ختم ہوگیا اور ختم ہونے کے معنٰی یہ ہیں کہ جب سے جمعہ جمعہ آیتوں کی تفسیر اور ترجمہ کا سلسلہ شروع کیا گیا' اُس وقت سے تین پارے ہوئے۔ ۳۰ واں پارہ ۲۹ واں پارہ، ۲۸ واں پارہ اور اسی لئے آج میں نے ۲۷ ویں پارے کی ابتدائی آیتیں آپ کے سامنے پڑھی ہیں۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ۔ ان آیتوں میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ اس سے پہلے کی آیتوں سے چلا آرہا ہے۔ ایک سورت ہے'سورۂ ذاریات۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا۔ یہ ۲۶ ویں پارے کے آخر میں ہے اور ۲۷ ویں پارے میں بھی اس کا حصہ ہے۔ یہ آیتیں اسی سورۃ ذاریات کا حصہ ہیں۔ اس سورۃ میں اللہ تعالٰی نے چار چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ○ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ○ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ○ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ○ عربی میں ہمارے یہاں کہتے ہیں قسم اور جوابِ قسم۔ جوابِ قسم اسے کہتے ہیں قسم کھا کر جو بات کہی جائے وہ جوابِ قسم کہلاتی ہے۔ قسم ہے ربِ کعبہ کی میں نے نہیں مارا۔ قسم ہے ربِ کعبہ کی، یہ قسم ہے مَیں نے نہیں مارا، جوابِ قسم

ہے۔قرآن کریم کی اس سورت میں بھی جواب قسم کیا ہے؟ فرمایا کہ: وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا o فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا o فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا o فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا o اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ o یہ جواب قسم ہے۔قسم کھا کر اللہ تعالیٰ ایک کی نہیں دو کی نہیں چار چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے پیغمبروں کے ذریعہ سے وعدہ کیا ہے وہ وعدہ پورا ہونے والا ہے بالکل یقینی ہے پورا ہی ہونا ہے۔اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں ہے۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ۔اور وہ وعدہ خواہ جزا کا ہو، خواہ سزا کا ہو، اگر اللہ تعالیٰ نے نیکیوں پر ثواب کا وعدہ کیا ہے۔اسے پورا ہونا ہی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے گناہوں پر سزا کا وعدہ فرمایا ہے اس کو وعید کہتے ہیں۔عربی کی زبان میں وعدہ وعید۔وعدہ جزا کا ہے اور سزا کے وعدے کو وعید کہتے ہیں۔حاصل یہ ہے چار چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا وعدہ بھی سچا اس کی وعید بھی سچی۔اور وہ چار چیزیں جن کی قسم تھیں' یہ بات بڑی تفصیلی ہے اور یہ تو ۲۶ ویں پارے کے کہیں آخر میں اگر آئے گی' زندگی رہی تو عرض کریں گے۔لیکن خلاصہ یہ ہے فرمایا کہ چار ہواؤں کی قسم کھائی ہے۔ہواؤں کی قسمیں ہیں۔ایک ہوا گرم بھی ہے، ایک ہوا سرد بھی ہے، ایک ہوا آندھی بھی ہے، ایک بادل کو لانے والی بھی ہے' ایک بادل کو لے جانے والی بھی ہے۔ایک ہوا آہستہ آہستہ ٹھنڈک پہنچانے والی بھی ہے۔ایک ہوا آپ کے درختوں کو اور آپ کے مکانوں کو اجاڑ کر اس کو جنگل بنا دینے والی بھی ہے۔مختلف ہوائیں ہیں۔اللہ تعالیٰ چار ہواؤں کی قسم اس لئے کھا رہے ہیں کہ آگے اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ نے جس کو جزا کا وعدہ کیا وہ بھی سچا۔سزا کا وعدہ کیا وہ بھی سچا۔کیوں؟ اب آگے ہم آپ کو ایک قوم لوط کا عذاب بتاتے ہیں۔پھر قوم فرعون کا عذاب بتاتے ہیں۔قوم نوح کا بتاتے ہیں۔قوم ثمود کا بتاتے ہیں۔قوم عاد کا بتاتے ہیں۔اس سورت میں یہ سب شامل ہیں۔قوم لوط پر دیکھو کس طرح کا عذاب آیا' قوم فرعون پر کس طرح کا عذاب آیا' عاد و ثمود کی قوم پر عذاب کیسے آیا' قوم نوح کے اوپر کیسا عذاب آیا؟ یہ سنو اور سن کر اندازہ لگاؤ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۔اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ سب سچ ہے' ہوگا۔چنانچہ جو آیتیں ۲۷ ویں پارے کے شروع میں ہیں وہ قوم لوط پر جو عذاب آیا ہے' ان آیتوں سے متعلق ہے اور ان سب قوموں پر عذاب آیا ہے۔لیکن ہر ایک کا عذاب الگ الگ ہے۔کسی کو اللہ نے پانی سے غرق کر دیا' کسی کو اللہ نے ہوا

سے برباد کر دیا' کسی پر اللہ تعالیٰ نے پتھر برسائے، کسی کو اللہ نے زمین میں دھنسا دیا' مختلف قسم
عذاب آئے۔ ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ جتنی کافر مشرک قومیں ہیں دنیا میں' ایک جرم تو اُن کا مش
ہے' سب میں ہے' اور وہ ہے کفر۔ قوم لوط بھی کافر، قوم نوح بھی کافر جس پر عذاب آیا' قوم عاد بھی
قوم ثمود بھی کافر۔ لیکن اس کے باوجود ہر قوم کے کچھ الگ الگ جرائم ہیں ہر قوم کی کچھ الگ
برائیاں ہیں۔ جن کی وجہ سے اللہ نے ہر قوم پر الگ الگ عذاب بھیجے۔ سمجھنے کے لئے یوں سمجھئے
زیادہ پیدا ہو جائیں تو ملیریا کی بیماری ہوتی ہے۔ آپ زیادہ کھالیں ہیضہ کی بیماری ہوتی ہے
ٹھنڈک کی وجہ سے نمونیا ہو جاتا ہے' اگر لُو لگ جائے تو جسم کا پانی خشک ہو کے رگر جاتا ہے آدمی' ج
سن اسٹروک (SUN STROKE) کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ جو رومال لپیٹے رہتے ہیں ا
سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ لو لگنے سے بعض اوقات جسم کا پانی ایک دم خشک ہو جاتا ہے۔ فوراً م
ہے آدمی۔ آپ نے اندازہ لگایا امراض الگ الگ ہیں۔ ٹی بی بھی مرض ہے۔ طاعون بھی مرض
ہیضہ بھی مرض ہے۔ نمونیا بھی مرض ہے۔ نتیجہ سب کا ہے موت۔ ہیضہ سے بھی مرتے ہیں، ملیر
بھی مرتے ہیں' سن اسٹروک سے بھی مرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ امراض الگ الگ
بیماریاں الگ الگ ہیں۔ ان کے علاج الگ الگ ہیں۔ ان کی تدبیریں الگ الگ ہیں۔ اگر چ
کا انجام جو ہے وہ سانس کا بند ہونا ہے۔ تمام کافر قوموں کو ایک ایک عذاب میں مبتلا کیا ہے کہ اللہ
ان کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ مگر جیسے جیسے اُن کے جرائم ویسی ویسی سزا، ہر سزا ہر پاداش ج
نوعیت کے اوپر ہے۔ جیسا جرم ویسی سزا۔ انجام سب کا موت۔ قوم عاد بھی ہلاک ہوئی، قوم ثم
ہلاک ہوئی۔ قوم نوح بھی ہلاک ہوئی۔ قوم لوط بھی ہلاک ہوئی۔ لیکن کوئی چنگھاڑ سے ہلاک ہوئی
خنزیر اور سُوّر بن کے ہلاک ہوئی، کوئی طوفان سے ہلاک ہو گئی اور کوئی زمین میں دھنسا کر
ہوئی۔ لیکن ہر جرم کی سزا الگ الگ ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ آپ لوگ اس پر
کریں جالینوس اور افلاطون اور بڑے بڑے حکماء دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ وہ آپ کی جس
بیماریوں کا جائزہ لیں اور یہ بتائیں کہ فلاں درخت کا پھل فلاں کا پتا، فلاں کی چھال فلاں ک
اس کے لئے مفید ہے۔ لیکن ارسطو، افلاطون، جالینوس اس کا علاج نہیں بتا سکتے کہ آپ یہ کہیں

میرے اندر حرص ہے، اس کا کیا علاج ہے؟ میرے اندر مال کی محبت ہے اس کا کیا علاج ہے؟ میرے اندر تکبر کی بیماری ہے اس کا کیا علاج ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو جسم کا علاج ہے روح کا علاج نہیں۔ روح کا علاج جاننا چاہتے ہو تو جاؤ اُس حکیم کے پاس جاؤ جس کو طبیب ایمانی کہتے ہیں۔ جس کو طبیب روحانی کہتے ہیں وہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہیں فرمایا کہ۔

؎ چند خوانی حکمتِ یُونانیاں
چند خوانی حکمتِ یُونانیاں
حکمتِ ایمانیاں راہم بخُواں
صحتِ ایں حس بجُوئید از طبیب
صحتِ آں حس بجُوئید از حبیب

یونانی حکمت تو پڑھ لی ایمانی حکمت بھی تو پڑھو۔ ایمانی حکمت قرآن میں ملے گی۔ بخاری شریف میں ملے گی۔ مسلم شریف میں ملے گی۔ احادیث میں ملے گی۔

ایک کا علاج طبیب کرتا ہے ایک کا علاج حبیب کرتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کرتے ہیں۔ جالینوس اور افلاطون کے بتلائے ہوئے تجربے خاصیتیں' خدا کی قسم کبھی غلط بھی ہو سکتی ہیں۔ طبی تحقیقات' آج کی تحقیق کل کی تحقیق کو باطل قرار دیتی ہے۔ کل کی تحقیق پرسوں کی تحقیق کو باطل قرار دیتی ہے۔ لیکن لکھو کھا سال ہو گئے، دنیا میں انسانوں کو آئے ہوئے اور اللہ نے جب سے رسولوں کا اور صحیفوں کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ جس عمل کی جو خاصیت اللہ تعالٰی نے بتا دی تھی قیامت تک وہ خاصیت کبھی بدلنے والی نہیں ہے۔ کفر کی خاصیت، ایمان کی خاصیت، جھوٹ کی خاصیت، سچ کی خاصیت، نماز کی خاصیت، تمام اعمال کی خاصیت۔ جس کا مطلب یہ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ آپ اس پر غور کریں کہ ہر جرم کی نوعیت الگ ہے، ہر جرم کی سزا الگ ہے۔ قرآن کریم میں ایک بڑی اہم سورت نازل ہوئی۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ باقی اہم نہیں ہیں۔ یہ تعریف کے لئے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں' ایک بڑی اہم سورت اللہ تعالٰی نے نازل فرمائی۔ اس سورت کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے علماء کا کہ آیا وہ مکی ہے، مدنی ہے کہاں نازل ہوئی ہے؟ کسی نے کہا کہ مکے میں نازل ہوئی، مدینے میں

سنائی' بعضوں نے کہا نہیں مدینے ہی میں نازل ہوئی مدینے ہی میں سنائی گئی بعضوں نے کہا کہ نہیں
مکے میں نازل ہوئی نہ مدینے میں نازل ہوئی' دوران سفر میں نازل ہوئی مدینے میں سنائی' لیکن
سب کا اتفاق ہے کہ مدینے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے ایک سورت سنائی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ
ابھی نازل ہوئی۔ خواہ مکے میں اتری ہو، خواہ راستے میں اتری ہو، خواہ مدینے میں اتری ہو اور
سورۂ تطفیف۔ فرمایا کہ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ
كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۔سورۂ تطفیف ہے تطفیف کے معنیٰ لغت میں اٹھا کے
خیانت، کسی چیز میں خیانت، تولنے میں خیانت، پیمائش میں خیانت، اور ہمارے اور آپ کے
میں بظاہر یہی طریقے ہیں لین دین کے۔ دنیا میں انسانوں کو لین دین کی ضرورت فطری ہے۔
ہوتا یہ تھا' آپ کے پاس دو جوڑی جوتے ہیں، ٹوپی نہیں ہے۔ کسی کے پاس دو ٹوپیاں ہیں۔ آپ
کہا کہ بھئی ایک جوڑی جوتا لے لو اور ایک جوڑی ٹوپی دے دو۔ اس نے آپ کو جوتا دے دیا آپ
اس کو ٹوپی دے دی۔ آپ کے پاس ترکاری ہے۔ گندم نہیں ہے۔ آپ نے ترکاری دے دی،
لے لی۔ اس کے پاس گندم نہیں ہے اور ترکاری ہے۔ اس نے گندم آپ کو دے دی۔ جس کو
سلسلہ کہتے ہیں' یہ تھا دنیا میں۔ چیزوں کا تبادلہ چیزوں سے ہوتا تھا۔ اس کے بعد بین الاقوامی
بین الانسانی کہیے انسانوں نے یہ کہا کہ بھئی ایک چیز مقرر کرلو قیمت کے طور پر ادا کریں گے۔ چیز
لین دین کریں گے۔ وہ سونا یا چاندی' اسی لئے مَیں سونا دوں آپ سے کپڑا لوں۔ سونے کو کہیں
ثمن' قیمت۔ اور اس کپڑے کو کہیں گے مبیع یعنی جو چیز میں نے خریدی ہے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ
سونا خریدا ہے۔ یہ نہیں کہیں گے' کیونکہ لین دین کا ایک طریقہ تجویز ہو گیا تو دنیا میں لین دین
کے یا چاندی کے ذریعہ سے ہوگا۔ ہمیں اپنا بچپن اچھے طریقہ پر یاد ہے کہ کوٹھیاں کی کوٹھیاں
کی بھری ہوئی ہیں، کسی میں چنے بھرے ہوئے ہیں۔ امرود بیچنے والا آیا۔ پیسے کہاں ہوتے تھے کس
پاس ہوتے تھے پیسے؟ اس میں سے گیہوں بھر کے لے گئے اس کو جا کے گیہوں دیئے اس نے
دے دیئے۔ فالسہ لینے ہوئے تو وہ فالسہ والے نے فالسہ دے دیئے۔ گندم لے لیا۔ یہ ہم نے
میں دیکھا ہے۔ بہر حال لین دین کے دو طریقے ہیں۔ یا یہ ہے کہ تولو، یا ناپو۔ ایک کا نام ہے

دوسرے کا نام ہے پیمانہ۔ ترازو سے تول کے دو اور یا پیمانہ بناؤ پیمانہ بنا کر لو۔ بعضی چیزیں ایسی ہیں کہ آپ انھیں تول نہیں سکتے۔ مثال کے طور پر اگر میں زمین کی خرید و فروخت آپ سے کروں۔ بھئی میرا یہ ٹکڑا ہے میں اس میں سے آپ کو ایک ہزار گز دینا چاہتا ہوں تو کیا ایک ہزار گز زمین، میں ترازو میں رکھ کے تولوں گا آپ کے لئے؟ کیسے تولوں گا؟ اس کا طریقہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ ایک فیتا لے کر پیمائش کرو اس کی کہ اتنا چوڑا اتنا لمبا۔ دنیا میں دو طریقے ہیں ایک ترازو، دوسرے پیمانہ اور پیمانے کے بھی دو طریقے ہیں ایک پیمانہ ہے برتن کا، دودھ والا آپ کو دودھ دیتا ہے۔ معاف کیجئے! کوئی ترازو سے تول کے نہیں دیتا ہے۔ وہ پاؤ بھر کا جو ہے اُس کا وہ تُلا ہوا پیمانہ۔ آپ سیر بھر چاہتے ہیں چار بھرے اور ڈال دیئے، سیر ہو گیا۔ کپڑا لیا آپ نے، گز سے ناپ لیا، یہ بھی پیمانہ ہے۔ مدینے کے بد بخت تاجروں کے اندر جو زیادہ تر یہود تھے، جب سرکار دو عالم ﷺ مدینے میں تشریف لے گئے تو ہر قوم کی بیماری الگ الگ ہوتی ہے۔ ہر پیشہ والوں کی بیماری الگ الگ ہوتی ہے۔ مشہور ہے درزی، اگر اللہ تعالیٰ اسے دیانت کی توفیق دے تو سبحان اللہ، خیانت کرے گا تو کیا کرے گا کترن چرائے گا لیکن اگر آپ زیور بنانے کے لئے دیں گے تو کترن تو نہیں چرائے گا کترن کا سوال ہی نہیں ہے۔ زیور بنانے والے کے لئے کچھ اور ہے کپڑا سینے والے کے لئے کچھ اور ہے۔ بعضے پیشے ایسے ہیں کہ جس کے اندر اُن کا پیشہ وعدہ خلافی ہے، وہ وعدے پہ کبھی نہیں چلتے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وعدہ خلافی جو ہے یہ گویا کوئی ہم نے جرم نہیں کیا یہ تو ہمارے پیشہ میں اور برادری میں ہوتا ہی چلا آیا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۔ جو وعدہ کرو اُسے پورا کرو، قیامت میں جہاں اور چیزوں کی باز پرس ہوگی وہاں پر یہ وعدے کی بھی باز پرس ہوگی۔ معمولی بات نہیں ہے۔ تو میں نے عرض کیا ہر ایک کی بیماری الگ الگ ہے۔ دولت مندوں کی بیماری الگ ہے۔ غریبوں کی بیماری الگ ہے۔ آزاد قوم کی بیماری الگ ہے۔ غلام قوم کی بیماری الگ ہے۔ بعضی ایسی بھی قومیں ہیں کہ جو آزاد ہیں، آزاد رہیں، ہمیشہ سے آزاد۔ خرابی تو اُن میں بھی آئی مگر ایسی کوئی خرابی نہیں آئی جو کسی غلام قوم میں آتی ہے۔ غلام قوم کی بیماریاں اور ہیں۔ آزاد قوم کی بیماریاں اور ہیں۔ بیماریوں کے اندر بھی عیب کے اندر بھی بعضے عیب عزت والے ہیں، بعضے عیب ذلیل و حقیر ہیں۔ آپ کہیں گے کہ میں کون سی

زبان آپ سے بول رہا ہوں؟ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں
ہیں دنیا میں' فضول خرچی اور بخل۔ کنجوس ہونا بھی تو عیب ہے اور فضول خرچ ہونا بھی عیب ہے
اخلاق نے فضول خرچی کو بھی برا لکھا ہے۔ علماء اخلاق نے کنجوسی کو بھی برا لکھا ہے۔ لیکن حضرت
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کوئی آدمی ان دونوں عیبوں میں سے کوئی نہ کوئی عیب لگانا ض
سمجھتا ہے میرے اوپر۔ تو میں یہ تو پسند کروں گا کہ مجھ پر فضول خرچی کا عیب لگا دے' مگر بخل کا عی
پسند نہیں کروں گا۔ بخل کا عیب لوگوں کی نظروں میں حقارت پیدا کرتا ہے اور فضول خرچی عی
لوگوں کی نظروں میں موجب حقارت نہیں ہے۔ تکبر' عیب ہے اور جس کو چمچہ گیری کہتے ہیں اُس
ترجمہ ہے تواضع' اس کا صحیح ترجمہ ہے پستی۔ تذلل۔ یہ دونوں چیزیں عیب ہیں کسی کے سامنے گ
عیب اور اپنے کو فرعون سمجھنا بھی عیب۔ لیکن ان میں تکبر کا عیب باعث عزت ہے اور تذلل اور
عیب انسان کو حقیر بنا دیتا ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ آزاد قوم میں جتنی خرابیا
ہوتی ہیں، ان میں ذلت کا پہلو نہیں ہوتا اور غلام قوم کے اندر جو خرابیاں آتی ہیں ان میں ذلت ا
ہوتی ہے۔ جس خطے میں اللہ نے سرکار دو عالم ﷺ کو پیدا فرمایا ہے' اس خطہ کا نام خطۂ حجاز ہ
خطے کے بارے میں جب سے دنیا میں انسانوں کے ہاتھ میں تاریخ ہے' یہ لفظ بھی میرے یاد
مطلب یہ ہے کہ جب تاریخ نہیں لکھی جاتی تھی' پریوں کی کہانیاں لکھی جاتی تھیں، جب کا اعتبا
جب سے انسانوں کے ہاتھ میں تاریخ ہے' خطہ چھوٹا سا ہے۔ لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ خطۂ حج
میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف لانے والے تھے' دنیا میں بڑی بڑی قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں قائم
لیکن خطۂ حجاز کبھی کسی غیر قوم کا غلام نہیں رہا۔ خطۂ حجاز ہمیشہ ہمیشہ آزاد رہا ہے۔ نہ یہ یہود کا غلا
نصاریٰ کا غلام رہا، نہ پارسیوں کا غلام رہا، کسی کا نہیں رہا ہمیشہ سے آزاد اور غالباً اس وجہ سے
دو عالم ﷺ جو بنی نوع انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے تشریف لا رہے ہیں
خطہء زمین میں پیدا ہونے والے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے یہی وجہ ہے کہ حجاز کے رہنے والوں
تو تھے مگر وہ عیب تھے جو کسی آزاد قوم میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ عیب نہیں تھے جو کسی غلام قوم
ہوتے ہیں۔ غلام قوم کے اندر پیدا ہوں' ذلت اور پستی، ایمان فروشی، ضمیر فروشی، کنجوسی، بخل، ل

بیچ دینا، عزت و ناموس کو فروخت کر دینا۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ قوم عرب کے اندر یہ تو تھا کہ اپنی لڑکی کو جب لڑکی گھر میں پیدا ہو تو اس کا گلا گھونٹ کر اس کو دفن کر دیں۔ لیکن یہ نہیں تھا کہ کوئی عرب پیسے لے کے اپنی لڑکی کو بیچ دے، یہ نہیں تھا۔ کیوں؟ وہ بھی اِس وجہ سے تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے معاشرے میں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ عورت کے ساتھ کیا سلوک ہے، عورت کے ساتھ ایسا سلوک ہے۔ جیسے آپ کے ڈرائینگ روم کا رکھا ہوا سامان۔ قالین صوفہ سیٹ۔ کسی نے آ کے بولی لگا دی لے جاؤ، یہ تو بکاؤ مال ہے۔ عورت کے ساتھ جب یہ سلوک سوسائٹی میں تھا عرب قوم کی عزت نفس اس کو برداشت نہیں کرتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ بھئی عورت کا گھر میں پیدا ہونا ذلت کی نشانی ہے۔ اس ذلت کو کون گوارا کرے گا لہٰذا ہماری خودداری کا تقاضا، حالانکہ خودداری غلط ہے یہ، لیکن میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ یہ عیب تھا، تکبر کی وجہ سے تھا۔ خود کو بڑا سمجھتے تھے۔ اسی واسطے پوری خطۂ حجاز میں جو قوم آباد ہے، اُس میں بخیل کوئی نہیں ہے، کنجوس کوئی نہیں ہے۔ قرضے لے لے کر چاہے گھر بک جائے آنے والے مہمان کی ضیافت کریں گے۔ مگر بخیل نہیں، کنجوس نہیں، بخل اور کنجوسی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے گالی دی ہو۔ اگر کوئی بخیل ہو تو قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اشعار کہتی تھیں اُس کے بخل کے بارے میں، تو آپ نے اندازہ لگایا کبھی کبھی کسی آزاد قوم کے اندر بھی آزادی کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے بھی عیب پیدا ہوتے ہیں۔ مگر وہ عیب ان عیبوں سے الگ ہوتے ہیں جو کسی غلام قوم میں غلامی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ غلامی کے اندر کیا کیا عیب پیدا ہوتے ہیں؟ جہاں جہاں مسلمان غلام ہیں اور جہاں جہاں ان میں دینی جذبہ اور احساس نہیں ہے۔ آپ دیکھ لیں وہاں پر جا کے۔ عیب آزاد قوم میں بھی ہیں۔ عیب غلام قوم میں بھی ہیں۔ ایک ہے عیب موجب حقارت۔ دوسرے کے عیب موجب حقارت نہیں ہیں۔ لیکن ہیں عیب۔ عرب فضول خرچ تھے بخیل نہیں تھے۔ عزت نفس کا ان کو اتنا خیال تھا اتنا خیال تھا کہ انسانیت سے بھی گزر گئے تھے۔ تو میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ ہر نبی کی امت میں بعض ایسے ایسے جرائم تھے جن کی سزا الگ الگ ہے۔ جن کی پاداش الگ الگ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ مدینے میں پہنچے، اُس سرمایہ دار دولت مند یہود طبقے میں ایک بیماری تھی، چرانے کی۔ تولنے میں چوری، پیمانے میں چوری، جس کو خیانت کہتے ہیں۔ کس طریقہ پر! اگر تولنے میں آیا تو ڈنڈی ماردی،

جھکا دیا اُسے۔ ارے اللہ کے بندے کیا فرق پڑتا ہے زیادہ سے زیادہ تو نے ڈنڈی ماری ہے تولہ دو ہی تولہ کا تو فرق ہوا۔ پیمائش میں کیا کیا؟ زور سے کھینچ کے ناپ دیا۔ لیکن اگر ویسے معمول کے مطابق رکھتا تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک گرہ، دو گرہ کم ہے۔ پیمانے میں اور کیا کرتے تھے۔ باٹ چاہے وہ لوہے کے ہوں آپ کے، جیسے آپ کے ہیں۔ چاہے پتھر ہوں۔ اس میں وہ یہ کرتے تھے کہ بیچ میں اس کے نیچے سوراخ کر دیا۔ دیکھنے والے کو تو پتہ نہیں باٹ رکھ کے تول دیئے۔ اس نے کہا دیکھو یہ ادھ سیر رکھا ہے یہ سیر بھر کا رکھا ہوا ہے۔ اب وہ لینے والا جھانکے اُس میں کہ ارے یار یہ کیا کیا تم نے تو یہ تو نیچے کا خول بنا دیا تم نے؟ اسی طرح پیمانوں میں یہ کرتے تھے کہ مثلاً چاول، دال، آٹا پیمانے سے دے رہے ہیں، وہ ایک جگ بھر کے ڈال دیا سیر بھر۔ لیکن جگ میں جو نیچے جھانک کے دیکھا تو وہ خول بنا ہوا ہے۔ ارے بھئی یہ کیا؟ یہ ان کا طریقہ تھا، تولنے میں بھی بے ایمانی۔ پیمانے میں بے ایمانی۔ پیمائش میں بے ایمانی۔ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لے گئے۔ سبحان اللہ! یہ نبی کا کام ہے حضور اکرم ﷺ جو بھی نصیحت فرما دیتے وہ نصیحت انسانوں کے لئے مفید ہوتی۔ مگر پیغمبروں کی حکیمانہ تعلیم، میں اگر فرض کر لیجئے کہ حکیم ہوں، کراچی میں بیٹھ کے مطب کر رہا ہوں۔ آپ میں سے کوئی صاحب تشریف لائے، میں نے آپ کی نبض دیکھی، بیماری بتائی نسخہ بتایا اور میں نے یہ کہا کہ دیکھنا بھائی! دُریان نہ کھانا۔ مولانا صاحب! دُریان کیا چیز ہے؟ ارے بھئی دریان نہیں جانتے یہ دریان جو ہے یہ اصل میں وہاں برما میں ایک پھل ہوتا ہے۔ ارے صاحب بات تو آپ کراچی میں کر رہے ہیں۔ پھل بتا رہے دریان وہاں کا۔ کیا بے موسم بات کرتے ہیں آپ؟ اور اگر فرض کر لیجئے کہ زمانہ ہو دسمبر، جنوری کا میں یہ کہوں آم نہ کھایئے وہ کہیں مولانا صاحب یہ تو جون، جولائی میں آتا ہے آم۔ آم کا موسم کہاں ہے؟ بے موسم کا پھل بتا رہے ہیں آپ۔ اندازہ لگایئے! سرزمین شرک سے تشریف لے گئے ہیں سرکار دو عالم ﷺ جہاں مشرک آباد ہیں۔ مکے میں تردید شرک کی ہو رہی ہے بت پرستی کی ہو رہی ہے۔ ستارہ پرستی کی ہو رہی ہے۔ جن پرستی کی ہو رہی ہے۔ اب آپ مدینہ میں تشریف لائے، اندازہ لگایئے! سب سے پہلے جو سورۃ نازل ہوئی مدینہ میں قدم رکھتے ہی، فرمایا کہ خدا کو سب سے زیادہ جو چیز ناگوار ہے وہ یہ ہے کہ تم تولنے میں اور پیمائش میں بے ایمانی کرتے ہو۔ یہ عیب مکے میں نہیں تھا۔ یہ عیب مدینے میں تھا۔

مکے کے لوگ یہود نہیں تھے۔ مشرک تھے۔ مدینے کے لوگ یہود تھے۔ یہ تاجر تھے۔ بڑے بڑے دولت مند تھے اور یہی بے ایمانی کرتے تھے۔ یہ سورت آپ نے سنائی اور پھر کیا فرمایا! میں وہ بتانا چاہتا ہوں۔ ایک تولہ دو تولہ فرض کر لیجئے کہ اگر کوئی چرا کے رکھ لیتا ہے۔ تو اچھی بات ہے۔ آپ نصیحت کریں کہ بھائی یہ تولہ دو تولہ جو ہے یہ تم بے ایمانی نہ کرو۔ مگر مجھے بات یاد یہ آتی ہے۔ بیت اللہ میں بیٹھ کے حرم میں، کسی عراقی نے کسی کوفی نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ یہ تو بتایئے میں عراقی ہوں کوفی ہوں یہ بتایئے کہ حرم میں جوں مارنا جائز ہے؟ جوں مارنا، (جاندار چیز ہے۔) جوں مارنا جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ بتانے والے نے کہا ارے ظالم! تو نے امام حسینؓ کا اور خاندان نبی کا خون بہا دیا تو مسئلہ نہیں پوچھا جوں کے مارنے پہ مسئلہ پوچھتا ہے؟ جب نہیں تیرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ خاندان نبی کا خون بہایا جا رہا ہے۔ تو بھئی یہ تو اصل میں تولہ دو تولہ کی بات ہے تو کیا سرکار دو عالم ﷺ اس کام کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے کہ بھئی دیکھو تولہ دو تولہ کی جو بے ایمانی ہے یہ نہ کرو۔ نہیں۔ آپ کس لئے تشریف لائے سورت سنائی اور سورت کے بعد فرمایا۔ فرمایا کہ خَمْسٌ بِخَمْسٍ. خَمْسٌ بِـخَـمْـسٍ ۔ پانچ چیزوں کے بدلے میں پانچ چیزیں ملیں گی۔ آتی ہیں، لازم ہیں، کوئی دنیا میں ان کو روک نہیں سکتا ہے۔ خمس بخمس صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ما خمس بخمس؟ پانچ کے بدلے میں پانچ کیا چیزیں ہیں؟ آپ نے فرمایا سنو! ۔ فرمایا کہ مَـا نَـقَـضَ قَومٌ نِ الْـعَـهْـدَ اِلَّا سَـلَّـطَـهُ اللهُ عَـلَـيْـهِـمُ الْعَدُوَّ ۔ دنیا میں جو قوم عہد کر کر کے پھر جاتی ہے نقض عہد کرتی ہے وعدہ شکنی اور عہد شکنی کرتی ہے اس جرم کی خاصیت یہ ہے کہ ایک دن تمہارے اوپر تمہارا دشمن مسلط ہو کے رہے گا۔ یہ خاصیت عمل بتائی جا رہی ہے۔ یہ خاصیت جرم بتائی جا رہی ہے۔ مَانَقَضَ قَومٌ نِ الْـعَـهْـدَ اِلَّا سَلَّطَهُ اللهُ مسلط عَلَيْهِمُ الْعَدُو جو قوم جو طبقہ جو فرقہ عہد شکنی کا عادی ہو جاتا ہے۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دشمنوں سے زیر کر دیتا ہے۔ دشمنوں کو ان کے اوپر مقرر کر دیتا ہے۔ دشمن بالا دست ہو جاتے ہیں۔ دشمن قابو پا لیتے ہیں۔ اس جرم کی خاصیت یہ ہے۔ اس جرم کی سزا یہ ہے۔ اور فرمایا مَـا حَـكَـمَ قَومٌ بِمَا بِـغَـيْـرِ مَا اَنْزَلَ اللهُ اِلا بَيْنَهُمُ الفَقْر ۔ اور اگر کوئی قوم مل کر (ملکر) کا لفظ ہمیشہ یاد رکھئے گا۔ اللہ تعالیٰ اکّے دُکّے کو معاف کرتے ہیں اور کسی قوم کو نہیں کہا جا سکتا۔ اگر پانچ کروڑ کی، دس کروڑ کی آبادی ہے

اور کہا جائے کہ اس میں ایک آدمی نے جھوٹ بولا ہے، دو جھوٹ بولے ہیں۔ ایک نے زنا کیا دوسرے نے زنا کیا ہے، تیسرے نے وعدہ شکنی کی ہے، چوتھے نے وعدہ شکنی کی ہے۔ اللہ کے یہاں ہے یہ تو انفرادی گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نظریں پھیر لیتے ہیں۔ ایک نے کیا دو نے کیا۔ لیکن ساری تو نفرت کرتی ہے۔ لیکن اگر پوری کی پوری قوم اور پوری قوم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قوم جب یہ کرے تو اس کو کوئی نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ جو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ ہم اور آپ برا نہیں سمجھے بدکاری کرتا ہے ہم اور آپ برا نہیں سمجھتے۔ کسی کا مال لوٹتا ہے ہم اور آپ برا نہیں سمجھتے۔ اللہ تع فرمائیں گے کہ اب یہ ساری کی ساری قوم اس جرم میں شریک ہے۔ یہ ساری قوم اس جرم میں شر ہے۔ فرمایا کہ اگر رشوت لے کر احکام خداوندی کو بدل دیا جائے۔ فتویٰ غلط دے دیا جائے اور یا یہ کہ اللہ کے احکام کے ہوتے ہوئے غیر اسلامی قوانین اور احکام کو جاری کیا جائے۔ دونوں با آ گئیں۔ اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ ان کے خلاف عمل کیا جائے۔ ان کے خلاف فتویٰ جائے اور اس کو کوئی شخص برا نہ سمجھے، سمجھو پوری قوم مجرم ہے۔ پوری قوم شریک ہے اس میں۔ اللہ تعا فرماتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ارشاد ہے' فرمایا اللہ تعالیٰ اُس قوم کے اوپر قح قحط مسلط فرما دیتے ہیں۔ عجیب بات ہے پاکستان بننے سے پہلے بعض ریاستیں ایسی ریاستیں تھیں ک تھیں تو ریاستیں مگر احکام قرآن وسنت کے جاری تھے۔ اس میں حیدر آباد دکن بھی تھا۔ اس می ریاست بھاولپور بھی تھی۔ اس میں بھوپال کی ریاست بھی تھی۔ اور سب سے آگے آگے وہ ریاست تھ یہ ریاست سوات، قلات کی ریاست تھی۔ سب شرعی نظام جاری تھا' بالکل شریعت کے مطابق۔ مجھے یاد ہے' پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک مرتبہ مثال کے طور پر یہ کہا تھا کہ جتنا امن وامان ریاست سوات کے اندر ہے وہ ہندوستان کے کسی خطے میں نہیں دیکھا۔ یہ غیر مسلموں کی شہادت تھی اور ریاست سوات کے لوگ موجود ہوں گے۔ اور جس وقت میں سب سے پہلے ریاست سوات گیا ہوں میں آپ کو اپ تأثر بتاتا ہوں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جس زمانے میں شرعی احکام وہاں پر نافذ تھے۔ پشاور سے روان ہوئے۔ پیچھے پیچھے جگہ جگہ پہاڑ۔ نہ کہیں سبزہ نہ ہریالی۔ کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اچانک لوگوں نے کہا ارے! پہاڑوں کے اوپر درخت نظر آ رہے ہیں۔ ہرے بھرے بالکل سرسبز و شاداب۔ لوگوں

نے کہا کہ ریاست سوات۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! جس سرزمین پر اللہ کا قانون جاری ہے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سرسبز و شاداب نہ بنائیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو خوشحال نہ بنائیں۔ اب تو بہت سے لوگ بیچارے اللہ کو پیارے ہو گئے ہم بھی بیٹھے ہوئے ہیں اسی انتظار کے اندر ہمارے ساتھیوں میں سے بہت سے چلے گئے بیچارے' پاکستان جب بنا' میرے ایک دوست تھے ریلوے میں۔ کہنے لگے کہ جب پہلے سال یا دوسرے سال جب بجٹ بنا اور آمدنی دیکھی گئی۔ تو کہنے لگے کہ ہم حیران تھے ہم نے کہا کہ تمہیں تو اصل میں غلطی ہو گئی ہے اتنی آمدنی تو ہو سکتی نہیں ہے پاکستان تو چھوٹا سا خطہ ہے ایسی آمدنی کیسے ہو سکتی ہے؟ سارے اسٹاف کو ہم نے لگا دیا بھئی سب دیکھو دوبارہ' یہ غلطی ہو گئی ہے اتنی آمدنی نہیں ہو سکتی اور دوبارہ اُسے جانچ کیا۔ انھوں نے کہا صاحب! صحیح ہے، ہم حیران۔ مگر حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ سن ۱۹۴۷ء میں جب لوگ آئے تھے ایک دو صاحب کو چھوڑیئے' سب کے قلوب اللہ کی طرف متوجہ تھے۔ سب کہتے تھے اے اللہ ہم نے گھر چھوڑا، بار چھوڑا سب چیز چھوڑی صرف تیرے دین کے لئے چھوڑی۔ اب ہم تیرے دین کی عظمت اس ملک میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب ہم اللہ کا دین قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا طرزِ عمل یہ تھا اللہ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ ہمارا طرزِ عمل بدلا اللہ کا طرزِ عمل بھی بدل گیا۔ یہ دیوانوں کی باتیں نہیں ہیں۔ حقیقت ہے یہ۔ ایک حکایت مجھے یاد آئی' یہ مثل مشہور ہے کہ چودھویں صدی جب آئے گی تو لوگوں کے دل بدل جائیں گے۔ ۱۳ ویں صدی ختم ہونے والی ہے آخری دن ہے۔ ۱۴ ویں صدی اگلے دن شروع ہونے والی ہے۔ دو مسافر جا رہے تھے۔ ایک مسافر بیچارہ غریب آدمی تھا۔ ایک بنیا تھا جس کی کمر میں سونے کی اشرفیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اب آپ دیکھئے ابھی ۱۳ ویں صدی کا آخری دن ہے اب بھی کتنی نیکی ہے۔ وہ بنیا کہنے لگا، کہنے لگا کہ بھائی تم تو میرے ساتھی اور رفیقِ سفر ہو یار میری کچھ تو مدد کرو۔ کیا مدد چاہتے ہو؟ یار! یہ بوجھ باندھے باندھے تھک گیا' سونے کی اشرفیوں کا۔ یار تھوڑی دور تم باندھ لو۔ آج آپ بتائیے! مَیں اور آپ سب شریک ہیں۔ آج کوئی آدمی کہنے کو تیار ہے کہ یہ بوجھ تھوڑی دیر کے لئے تم باندھ لو۔ نہیں! کوئی نہیں کہتا ہم ۱۴ ویں صدی میں ہیں۔ اب آپ دیکھئے وہ کیا کہتا ہے اس نے کہا بھئی دیکھو تم اگر کہو تو مَیں جوتے تمہارے اٹھا لوں گا۔ لیکن بھئی بات یہ

ہے کہ یہ ذمہ داری کی بات ہے۔ سونے کی اشرفیاں ہیں۔ یہ بوجھ تو تم ہی اٹھاؤ۔ آپ دیکھتے
سب کے دل اچھے ہیں۔ یہ ہمسائی والے کا دل کتنا اچھا ہے کہ دوسرے پہ بدگمانی نہیں کرتا اور اس کا
کتنا اچھا ہے کہ یہ یہ نہیں سوچتا کہ باندھ لو، کہتا ہے نہیں۔ یہ ذمہ داری نہیں' یہ میں اٹھانے کو تیار نہیں
اچھا بھئی۔ رات کو ایک جگہ سو گئے' صبح اٹھے تو ۱۴ ویں صدی شروع ہو چکی تھی۔ دل بدل گئے۔ وہ
نے انکار کیا تھا' اپنے دل میں سوچنے لگا یار! تو بھی بڑا بیوقوف نکلا اگر باندھ لیتا تو کیا تھا ممکن ہے
صورت ایسی ہوتی کہ تیرے ہی پاس رہ جاتی وہ۔ اُدھر بنیئے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یار! یہ تو
کیا بیوقوفی کی تھی یہ تو خیریت ہو گئی کہ اُس نے خود ہی انکار کر دیا۔ اب کیا کیا جائے؟ جس نے انکا
تھا اس نے کہا لالا جی! کل آپ نے مجھ سے جو بات کہی تھی' مجھے بعد میں بڑی ندامت اور شرمند
ہوئی کہ میں نے اپنے رفیق سفر کا حق ادا نہیں کیا۔ آج اگر تم وہ تھیلی دو تو میں باندھنے کو تیار ہوا
لالا جی کہنے لگے کہ جی ہاں بڑی بڑی آپ کی مہربانی اور بہت بہت آپ کا شکریہ لیکن مجھے بھی یہ خیا
پیدا ہوا کہ بلاوجہ میں آپ کے اوپر یہ بوجھ ڈالوں' یہ ٹھیک نہیں ہے یہ۔ دونوں ہنسے اور ہنس کے کیا کہ
ہیں کہنے لگے اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ کچھ تم بدلے، کچھ ہم بدلے۔ کچھ تم بدلے، کچھ ہم بدلے
اصل بات جو ہے وہ یہ' یہی وہ پاکستان ہے جس میں مجھے یاد ہے اچھی طرح پر' میں مدراس جا رہا
بمبئی میں ایک صاحب کہنے لگے ارے صاحب! جتنے میں ہمیں یہاں پر چائے کی پیالی ملتی ہے اُ
میں پاکستان میں پیٹ بھرتا ہے۔ یہی وہ پاکستان تھا' اور کہنے لگے کہ وہاں کی سستائی کے قصے سن کر
کے لوگ ہجرت کر کے جا رہے ہیں۔ میرے دوستو ایمان داری سے بتائیے' اللہ نے ہوا کم کر دی' اللہ
تعالیٰ نے بارش کم کر دی، کیا چیز کم کر دی۔ خدا کی قسم اس کے سوا کچھ نہیں یہ ہمارا ایمان ہے۔ جب سے
ہمارا دل اللہ کی طرف متوجہ تھا اللہ تعالیٰ نے کرم کی بارشیں ہم پہ فرمائیں جب سے ہمارا دل بدلا اللہ
طرزِ عمل بدل گیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر غیر اسلامی اور خدا کے نازل کردہ احکام کے علاوہ اگر
نے دوسرے احکام نازل کیے یا فتویٰ تم نے اس کے خلاف دیا۔ فرمایا خدا کی طرف سے اس عذاب کو
کوئی نہیں ٹال سکتا' ہم اُن کے رہنے والوں پر فقر مسلط کر دیں گے۔ قحط مسلط کر دیں گے۔ خمس بخمس
پانچ چیزوں کے بدلے میں پانچ عذاب آنے والے ہیں اور فرمایا کہ اگر کوئی قوم (اس بات میں ذرا

سا وقت مَیں آپ کا اور لے لوں) ایک بہت بڑے دیندار سلطان ہیں، جب انھوں نے ملک شام فتح کیا، یہ غالباً (سلطان سلیم) ہاں! صلاح الدین ایوبی، جب انھوں نے ملک فتح کیا تو انھوں نے اگلے دن احکام دے دیئے کہ قرآن وسنت کے قوانین فوراً جاری کر دیئے جائیں۔ تو بہت سے لوگ آئے، اور یہ جو ہیں، یہ ہمدردوں کے لباس میں بدخواہ ہوتے ہیں۔ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں بدخواہ ہوتے ہیں۔ سلطان سے کہا کہ حضرت! یہ ملک جو آپ نے حاصل کیا ہے یہاں یہود و نصاریٰ آباد ہیں۔ بڑے پکے سازشی ہیں۔ اگر آپ نے فوراً اسلامی احکام جاری کر دیئے تو اسلامی احکام جو ہیں وہ تو نرم ہیں۔ ملک نکل جائے گا آپ کے ہاتھوں سے۔ تھوڑے دن صبر کر لیجئے۔ آپ اپنا پورا استحکام اور قبضہ مکمل کر لیں۔ ابھی احکام اسلامی جاری نہ کریں کیونکہ وہ بڑے نرم ہیں، قوم بڑی سخت ہے۔ سلطان کا جواب سنیئے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ علاقہ مَیں نے اس لئے فتح کیا تھا کہ جہاں اللہ کے قانون کے سوا اپنا قانون جاری کروں؟ نہیں، میں نے صرف اس لئے یہ فتح کیا تھا کہ یہاں اللہ کا قانون جاری کروں اور کل ہی سے احکام جاری ہوں گے اور اگر اسلام کے احکام سے یہ ملک نکل جاتا ہے تو میرے ٹھینگے سے، نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں پوچھیں گے کہ ملک کیسے نکل گیا؟ مَیں کہوں گا میں نے تو تیرے قانون پر عمل کیا تھا اگر تیرے قانون کی خاصیت ہی یہ ہے کہ ملک نکل جاتا ہے تو میں کیا کروں؟ مجھے اس کی فکر نہیں ہے کہ یہ ملک نکلتا ہے یا نہیں نکلتا ہے میں تو اس کا پابند ہوں کہ یہاں پر احکام اسلام جاری کر دیا جائے۔ (اگلی خط کشیدہ سطور پر ایک اہم معلوماتی تبصرہ بھی تقریر کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔) آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کا ملک کیسے گورکھ دھندوں میں پھنسا ہوا ہے، نظام مصطفےٰ آ رہا ہے، اسلامی نظام آ رہا ہے، پتہ نہیں کدھر سے آ رہا ہے۔ اوپر سے آ رہا ہے اِدھر سے آ رہا ہے اُدھر سے آ رہا ہے، کہاں سے آ رہا ہے؟ اور اللہ کے بندو! آ رہا ہے یا نہیں آ رہا ہے؟ اس ملک کے اندر، مَیں فقہ حنفی کے مطابق یہ بات کہتا ہوں احکام تو بعد میں جاری کرنا، جو قرآن وسنت کے خلاف اس وقت قوانین موجود ہیں اُن میں روزانہ سرزمین پاکستان پر زنا ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد کسی امام کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ چاروں اماموں کی نظر میں تین طلاقوں کے بعد واپسی کا کوئی امکان نہیں، عائلی قوانین کے اندر (۹۰) نوے دن کی مہلت دی گئی

ہے وکیلوں کے ذریعہ سے عدالتیں نوے (۹۰) دن میں ان کو واپس کررہے ہیں اور واپس کر کے
بغیر نکاح کے وہ اپنے شوہر میں ہے بدکاری ہورہی ہے۔ لیکن افسوس ہے کسی کی توجہ اِدھر نہیں کہ
سے کم یہ قانون تو بدل دیں۔ اس میں ہلدی لگے نہ پھٹکری لگے۔ یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ میں
یہ بات اس لئے عرض کررہا تھا کہ ہم اور آپ بھی درحقیقت عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں۔ علامہ اقبال
نے صحیح کہا ہے فرمایا کہ۔ زمیں کو فراغت نہیں زلزلوں سے

زمیں کو فراغت نہیں زلزلوں سے
نمایاں ہیں فطرت کے باریک اشارے

قدرت کی طرف سے اشارے ہورہے ہیں۔ کبھی سیلاب آرہا ہے، کبھی زلزلے آرہے
ہیں، کبھی آپس میں خونریزی ہورہی ہے، یہ وجہ صرف اس لئے ہے کہ ہم نے اللہ کے دین کو چھوڑ رکھا
ہے۔ اس کی وجہ ہے۔ تو میں نے یہ بات اس لئے عرض کی فرمایا کہ اگر ایسا کرو گے تو یہ ہوگا۔ کوئی قوم
اگر کم تولنے کی کم ناپنے کی عادی ہوجائے تو کیا ہوتا ہے! تو فرمایا کہ اس سرزمین سے پیداوار اللہ تعالیٰ
ختم کر دیتے ہیں۔ اس کو قحط میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ فقر اور چیز ہے قحط اور چیز ہے۔ قحط تو یہ ہے کہ
پیداوار ہی نہیں ہے۔ فقر یہ ہے کہ پیداوار ہے غلوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں کسی کے پاس قوت خرید
نہیں ہے۔ خریدیں کیسے؟ مارے مارے پھر رہے ہیں غربت کی وجہ سے کوئی شب گزارے کی
چیزیں لے نہیں سکتا ہے۔ یہ غربت اور افلاس ہے اور قحط یہ ہے کہ پیداوار ہی ختم۔ آپ نے اندازہ لگا
یہ تیسری چیز ہے۔ چوتھی چیز فرمایا کہ کسی قوم کے اندر اگر بدکاری عام ہوجائے۔ بدکاری میں دونوں
چیزیں بیان کی گئی ہیں، حدیث میں دونوں چیزیں بیان کی گئیں۔ ناجائز، مرد کا عورت سے تعلق، مرد کا
مرد سے تعلق۔ کیونکہ میں قوم لوط کے عذاب کا ذکر کررہا تھا اس لئے میں نے اس کی تشریح کردی کہ اگر
یہ بدکاری عام ہوجائے تو فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کے اوپر ہلاکت اور تباہی اور
بربادی کو مسلط فرمادیتے ہیں۔ زلزلہ آیا سب کے سب تباہ وبرباد ہوگئے۔ بہار میں آیا، کوئٹہ میں آیا،
ابھی ایران میں آیا۔ حدیث میں آتا ہے خمس بخمس میں۔ اگر بدکاری عام ہوجائے اور بدکاری کو برا
سمجھنے والے بھی نہ رہیں۔ روکنے والے بھی اگر بدکاری کے نہ رہیں۔ فرمایا اللہ کی طرف سے موت

مسلط کی جاتی ہے اُس پر۔ اس جرم کی یہ پاداش ہے۔ پہلے جرم کی پاداش، دوسرے جرم کی پاداش، تیسرے جرم کی پاداش، چوتھے جرم کی پاداش۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی قوم زکوٰۃ کو روکنے کی عادی ہو جائے سب لوگ زکوٰۃ روک لیں۔ زکوٰۃ نہ دیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عذاب اس پر مسلط کیا جاتا ہے۔ بادلوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم پانی نہ برساؤ۔ اس بستی پہ پانی نہ برساؤ۔ یہ پانی کے قطروں کو ترس جائیں' پانچ فرمایا خمس بخمس' مدینے میں پہنچ کر پہلے آپ نے وہ سورت بیان فرمائی۔ اور پھر آپ نے یہ فرمایا خمس بخمس پانچ چیزوں کے بدلے میں پانچ عذاب ہیں۔ وقت تقریباً ختم ہو رہا ہے ایک آخری بات عرض کر دوں۔ اللہ کے بہت سے عارف بندے ہیں، نیک بندے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو سورت حضور پر نازل فرمائی ہے' آپ نے جا کر مدینہ میں اس کا اعلان فرمایا۔ کیا بس! تولنے ناپنے کی بات ہے؟ نہیں۔ بہت سے پیمانے ایسے ہیں' آج گندم کو آپ تولتے ہیں، کپڑے کو ناپتے ہیں۔ لیکن آج تو آپ کے پاس ایسے ایسے پیمانے موجود ہیں حرارت کو آپ ناپ لیتے ہیں۔ ٹھنڈک کو آپ ناپ لیتے ہیں۔ گرمی کو آپ ناپ لیتے ہیں۔ سردی کو آپ ناپ لیتے ہیں۔ رطوبت کو آپ ناپ لیتے ہیں۔ ہوا کے دباؤ کو آپ ناپ لیتے ہیں۔ آوازوں کو آپ ناپ لیتے ہیں۔ یہ سب میٹر آپ کے پاس موجود ہیں۔ اگر آپ کے پاس یہ سب میٹر موجود ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ کے پاس کوئی ایسا میٹر موجود نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ ہمارے اعمالوں کو تولیں ایسا کوئی میٹر اللہ میاں کے پاس نہیں ہے؟ ہے۔ لہذا علامہ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' فرمایا اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف ناپ تول کی چیزوں میں خیانت نہ کرو' نہیں۔ فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ ایک اصول دیتے ہیں' کیا اصول دیتے ہیں' یہ اصول دیتے ہیں' اگر آپ کے اندر کوئی عیب ہے اور دوسرے میں بھی کوئی عیب ہے۔ دوسرے کے عیب کو آپ اچھالتے ہیں۔ اپنے عیب کو چھپاتے ہیں۔ آپ اپنے لئے انصاف چاہتے ہیں۔ دوسرے کے لئے انصاف دینے کو تیار نہیں۔ کیونکہ مدینے کے لوگ یہی تو کرتے تھے کہ جب وہ خریدتے تھے تو کانٹے کی تول لیتے تھے اور جب وہ بیچتے تھے تو بے ایمانی کر کے بیچتے تھے۔ فرمایا ایمانداری سے بتاؤ اگر تم اپنی عبادتیں اللہ کے سامنے پیش کرو تو اس میں تو تم ڈنڈی مارو اور جب اللہ تعالیٰ سے کہو کہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے تو کہتے ہیں دل کھول کے پورا پورا بدلہ دو۔ یہ میں نے اس لئے کہا

حدیث میں آتا ہے فرمایا کہ اَلصَّلوٰۃُ مِکْیَالٌ نماز بھی ایک میٹر ہے۔اَلصَّلوٰۃُ مِکْیَالٌ مَنْ وَّفٰی لَهٗ
شخص نے پورا پورا حق ادا کیا نماز کا' وُفِّیَ لَهٗ تو اللہ تعالیٰ اس کا حق پورا ادا کریں گے اور فرمایا کہ
طَفَّفَ اور جس نے خیانت کی تو فَقَدْ عَلِمْتُمْ فِیْهِ مَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ اگر تم نے خیانت کی تو یا
اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے کہ جو کم تولنے والے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا اگر تم اللہ سے پورا لینا چاہ
اللہ کی نماز کے اندر ڈنڈی مارنا چاہتے ہو تو پورا بدلہ کاہے کا لیتے ہو۔ایک بہت بڑے عالم ہیں
زمانے میں نصیحت کرنے والے بھی اچھے تھے۔نصیحت سننے والے بھی اچھے تھے۔آج کے تو حا
ناک پہ مکھی نہیں بیٹھنے دیتے اور آج کل کے نصیحت کرنے والوں میں بھی اتنی جرأتِ ایمانی
ہے۔مگر اُس زمانے میں (اللہ اکبر۔) بڑے سے بڑے جابر بادشاہ کے سامنے نصیحت کر لیتے
اجی ہم تو ہم اور آپ تو اپنے کو مرد کہتے ہیں معاف کیجئے! مرد کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں۔عو
نصیحت کر لیتی تھیں۔حضرت خولہ' ایک خاتون ہیں مدینے میں' یہ دوڑی ہوئی آئیں' گھر میں
گئیں۔حضرت عائشہ صدیقہ سرکار دو عالم ﷺ کا سر دھو رہی تھیں، بال دھو رہی تھیں، بے تکلف
گئیں۔مسلمان عورت ہیں۔کیا بات ہے؟ یا رسول اللہ! (ﷺ) یہ بتایئے میرے شوہر نے مجھ
یہ کہہ دیا ہے کہ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّيْ تو میرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کا پیٹ۔طلاق ہ
نہیں؟ طلاق کے احکام جب تک آئے نہیں تھے۔جو طلاق کا طریقہ جاری تھا آپ نے فرمادیا ک
جواب تک طریقہ جاری ہے اُس کی رُو سے تو ہوگئی۔انہوں نے کہا واہ! میں اتنے بچوں کی ماں'
عمر ایسی' مَیں کہاں نکاح کروں گی؟ آپ کہتے ہیں طلاق ہوگئی، طلاق کے تو الفاظ ہی نہیں کہ
نے، حجت کر رہی ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔اُسْکُتِیْ یَا خَوْلَهْ! چُپ ہو جا، تو نہیں
رہی ہے رسول اللہ کا رنگ اس وقت جو ہے چہرے کا' تبدیل ہوگیا ہے۔اس وقت آپ پر وحی اتر
ہے چپ ہو جا۔وہ چپ ہوگئیں۔تھوڑی دیر میں آپ نے فرمایا کہ اَے خولہ! تو بڑی خوش قسمت
اللہ نے تیری سن لی اور اللہ نے قبول کر لیا' طلاق کے احکام نازل فرمائے۔تجھ پر طلاق نہیں ہوئی
فرمایا کہ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ۔یہ سورت
ہوئی حکم دے دیا۔یہ خولہ ہیں' (کیا مقام ہے۔) عمر فاروقؓ امیر المومنین ہیں ریاست بھاولپور

نہیں، بھوپال کے نہیں، چھوٹے سے پاکستان کے نہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کو جبکہ مشرقی پاکستان بھی شامل تھا اگر ایک کیا جائے تو اس سے آٹھ گنی بڑی سلطنت تھی عمر فاروقؓ کی۔ اتنی بڑی سلطنت کے ہیڈ آف دی اسٹیٹ ہیں۔ آج کل کے تو چھوٹے چھوٹے حاکموں کو بھی کسی کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مُلّا کے پاس نہیں جائیں گے، فلم ایکٹر کے پاس تو جائیں گے۔ مُلّا کے پاس نہیں جائیں گے۔ حضرت خولہؓ کا مقام دیکھئے، امیر المومنین سفر میں جارہے ہیں فرمایا کہ یہاں گاؤں میں خولہ کا مکان ہے۔ خدا کی قسم میں خولہ کے پاس جاؤں گا۔ ان سے کہوں گا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے آپ۔ (اللہ اکبر۔) عمر فاروقؓ جن میں پیغمبرانہ صلاحیتیں ہیں۔ حضور نے فرمایا تھا کہ اگر مجھ پر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو میرے بعد عمر فاروق نبی ہوتے۔ گئے۔ اماں جی! (خولہ کی کمر جھک گئی ہے۔) اماں جی: مجھے کچھ نصیحت فرمائیے! عمر فاروق امیر المومنین ہیں۔ پردے کے پیچھے کھڑی ہو کے نصیحت فرما رہی ہیں۔ آج ہم میں سے کوئی ہمت کر سکتا ہے، ایسی نصیحت کرنے کی؟ فرمایا کہ اے عمرؓ! میں تجھے نصیحت کرتی ہوں، تفسیر میں اٹھا کے دیکھ لیجئے جو جو نصیحتیں انھوں نے کی ہیں، اُن میں سے ایک بتا رہا ہوں۔ اے عمر تم چھوٹے سے تھے، ننگے پھرتے تھے۔ آستیں سے ناک پونچھتے تھے۔ تم کو کہتے تھے عُمیر عُمیر۔ عُمیر عُمیر کہتے تھے۔ چھوٹے سے عمر۔ ننھے سے عمر۔ پھر تو جوان ہو گیا تو یُقَالُ اِنَّکَ عُمَر تو پھر تجھے عمر عمر کہا جانے لگا۔ چھوٹا تھا تو تجھے عمیر کہا جاتا تھا۔ بڑا ہو گیا تو تجھے عمر کہا جانے لگا۔ جب سے حکومت ملی ہے یُقَالُ اِنَّکَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اس وقت سے تجھے امیر المومنین کہا جانے لگا۔ اے عمر! میں تجھے نصیحت کرتی ہوں ان لفظوں سے دھوکہ نہ کھانا۔ تم وہی ہو جو چھوٹے سے آستین سے ناک پونچھتے ہوئے پھرا کرتے تھے۔ اے عمر تم ان لفظوں سے دھوکہ نہ کھانا۔ سبحان اللہ کیا نصیحت فرمائی۔ تو میں اس لئے عرض کر رہا تھا عورتیں اس زمانے میں نصیحت کرتی تھیں۔ تو بات جو تھی وہ یہ تھی کہ عرض کر رہا تھا کہ فرمایا ایک اصول دیا ہے کیا اصول ہے؟ وہ اصول یہ ہے کہ جو چیز تمہارے اپنے لئے ناپسند ہو وہ دوسرے کے لئے بھی ناپسند ہو۔ تم اپنا قرضہ قوت وزبردستی سے وصول کرو کوئی دوسرا مطالبہ کرے تم اس کو دینے کو تیار نہ ہو۔ حاصل یہ اللہ کے ساتھ اور خلق خدا کے ساتھ تمہارا برتاؤ ایسا ہونا چاہیے لینے کی ترازو اور دینے کی ترازو اور یہ بلیک مارکیٹ ہے۔ اللہ کے ساتھ بھی ایسا نہ کرو نماز کا حق ادا کرو۔ اللہ

سے پورا حق وصول کرو۔ نماز میں چوری کرو، اللہ سے پورا حق مانگو یہ غلط ہے۔ خلق خدا کے ساتھ جو
برتاؤ کرو ویسا ہی مانگو۔ اگر تم مزدور سے پوری پوری خدمت لیتے ہو تو اجر پورا پورا دو بلکہ کچھ اور ز
دے دو۔ کام اس سے پورا لو تنخواہ اس کی پوری نہ دو۔ یہ وہی بلیک مارکیٹنگ کا قصہ ہے وہ یہی ہے
تمہارے دینے کی ترازو اور ہے لینے کی ترازو اور ہے۔ یہ ساری زندگی کے اوپر حاوی ہے۔ غرض
میں بعد میں عرض کروں گا کہ قوم لوط کے اوپر جو عذاب آیا ہے۔ وہ اصل میں ہر جرم کی سزا الگ
اُن پر جو عذاب آیا اس کی تفصیل عرض کروں گا۔ دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق
فرمائے۔

(تبصرہ از مدیر) یہ وہ زمانہ تھا' جب نام نہاد پاکستان قومی اتحاد کی غنڈہ گردی اور توڑ پھوڑ کی 4
تک مسلسل تحریک چل چکی تھی' جس کے نتیجہ میں 5 رجولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق مرحوم کا مار
لاء لگا اور جس کے باعث ساڑھے گیارہ سال میں سندھ کے رہنے والوں میں وفاق اور پنجاب
نفرت' صوبائی عصبیتوں اور مذہبی فرقہ واریت خصوصاً شیعہ سنّی جھگڑوں کو فروغ ملا۔ وقت کی کمی
باعث تفصیل میں لکھنا ممکن نہیں ہے لیکن اتنی زوردار جاندار ملک گیر تحریک نے مضبوط و منتخب حکوم
اور وزیر اعظم کو نہ صرف ہلا دیا بلکہ پھانسی گھاٹ تک پہنچا دیا مگر ایک بھی مفاد پرست لیڈر اور رہنما
عائلی قوانین سمیت دیگر بہت سے غیر اسلامی امور کے خلاف منہ سے دو لفظ بھی نہ پھوٹے اور
مطالبہ کر بھی دیتے تو پھر بھی بری الذمہ نہ ہوتے جب تک کہ ڈنڈے کے زور پر بہت سی قدیم لعنتو
کا خاتمہ کرنے پر وزیر اعظم اور پوری کیبنٹ کو مجبور نہ کر دیتے جبکہ مولانا مودودی صاحب نے
صاف طور پر اُس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے اچھرہ (لاہور) کی ملاقات میں صا
صاف کہہ دیا کہ نفاذِ اسلام کا تو مسئلہ ہی نہیں ہے قوم صرف آپ کا استعفیٰ چاہتی ہے۔

بس! یہی وہ حقیقت ہے جس کے باعث مولانا احتشام الحق تھانویؒ ایک طویل تجربہ
بعد تادمِ آخر جماعت اسلامی سمیت کسی بھی سیاست میں حصہ لینے والی مذہبی جماعت
لچر پروپیگنڈوں سے متاثر نہیں ہوئے۔ اسی لئے عِند الناس کبھی کبھی بُرے بھی بنے۔ چنانچہ ایسے م
پر مولانا ایک رُباعی۔

اکبرالہٰ آبادی مرحوم کی پڑھا کرتے تھے۔

ساری دنیا آپ کی حامی سہی
ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا
خَلق کے حلقہ میں بدنامی سہی

خطبات احتشام

دین اسلام پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کا نتیجہ اور ثمرہ

سورۃ الفیل

محفوظ کنندہ: مولانا تنویر الحق تھانوی

بمقام مرکزی جامع مسجد جیکب لائن کراچی

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ٥ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ٥ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ٥ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ٥ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ٥

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! سورۂ فیل، ربیع الاوّل کے سب سے پہلے جمعہ میں، آپ کے سامنے میں نے تلاوت کی تھی اور آج ربیع الاوّل کا آخری جمعہ ہے۔ آج بھی میں نے اُسی سورت کی تلاوت کی ہے۔ سب سے پہلے آپکی پیدائش اور ولادت سے پہلے جو، مبارک علامتیں اور نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں، اُنکا تذکرہ کیا گیا تھا جس میں اصحاب فیل کا واقعہ بھی موجود تھا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کی ولادت پاک اور آپکی پیدائش کے حالات کے ساتھ ساتھ کچھ آپ کے بچپن کے حالات بھی بیان کئے گئے۔ پھر اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے اس مقصد پر روشنی ڈالی گئی کہ آپ بحیثیت ہادی، دنیا تشریف لائے۔ اور ہادی کس کے؟ یہ میں عرض کر رہا تھا کہ ایک گمراہی ہوتی ہے، تقاضائے طبیعت کی۔ جو جانوروں میں بھی ہے اور جب تک ہمارے اور آپ کے اندر عقل نہیں آتی اس وقت تک ہمارے اندر بھی ہوتی ہے، جو چیز آنکھوں کو اچھی لگتی ہے اسے لینا چاہتے ہیں، جو ذائقے میں اچھی لگے اسے کھانا چاہتے ہیں۔ اُنہیں اس سے بحث نہیں ہے کہ اس کے کھانے سے کیا نتیجہ ہوگا کیا انجام

ہوگا، انجام پر سوچنے والی چیز ابھی ملی ہی نہیں ہے۔ تو اُس کی ہدایت کیلئے اللہ نے عقل کو ہادی بنایا۔ اور جب عقل دنیا میں ٹھوکریں کھائے۔ تو اس کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کو ہادی، رسول، اور نبی بنا کر بھیجا، اسی لئے میں نے کہا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپکی تشریف آوری کا وہی زمانہ سب سے زیادہ موزوں ہے، جس میں عقل نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے۔ جس زمانے میں عقل نے چاند پر جا کر یہ دکھا دیا ہے کہ یہ ہمارا، معراجِ کمال ہے۔ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے اور عقل کی تمام گمراہیوں کی آپ نے رہبری فرمائی ہے۔ آج آخری جمعہ ہے۔ آج میں وہ چیز عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو اسلام کے نتیجے میں، نتیجے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کورس پڑھ لیا پاس ہو گئے، اب پاس ہونے کے نتیجے میں آپکو کیا ملا؟ کون سی ڈگری ملی؟ کونسی ملازمت ملی؟ اسلام کے نتیجے سے میری مراد یہ ہے کہ اگر ایک قوم ایک ملت اسلام کے اوپر عمل کرتی ہے۔ تو اس کا نتیجہ اور اسکا انجام کس شکل میں اور کس صورت میں ظاہر ہوتا ہے؟ یہ ہے۔ اور یہ ذہن میں اس طریقہ پر آیا کہ جب حضور اکرم ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان فرمایا تو بہت سے لوگ تو اصل میں ہوتے ہیں ''معاند'' معاند کے معنی یہ ہیں کہ آپ چاہے کچھ بھی ہمیں کر کے دکھا دیں ہم تو ماننے والے نہیں، ضدی ہیں، ہٹ دھرم ہیں۔ اور بعضے لوگ ہوتے ہیں طالب حق، کوئی ایسی چیز نظروں کے سامنے آجائے تو دل اور ضمیر اندر سے گواہی دے، یہ اور بات ہے کہ علی الاعلان اسکا اظہار کرتے ہوئے شرمائے۔ اس کی نصیحتیں اسے روکیں۔ لیکن ضمیر کی آواز سچی آواز ہوتی ہے، وہ اندر سے کہتی ہے یہ بات حق ہے۔ امیہ ابن صلت عربی کا بہت بڑا شاعر بھی ہے، کافر علی الاعلان ہے لیکن اس نے جب حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے تو اس نے کہا کہ مجھ سے حلف لے لو، قسم لے لو، یہ دین سچا دین ہے یہ نبی اللہ کے سچے نبی ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ میرا زمانہ عمر کا آخری حصہ ہے۔ اگر میں اس وقت یہ کہوں کہ اسلام میں نے قبول کر لیا ہے تو دنیا کل کو ملامت کرے گی اور یہ کہے گی کہ اس نے ڈر کر اسلام قبول کیا ہے، اس شرم کی وجہ سے میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس کے دو شعر سنیئے! دل کی گواہی کے کہتا ہے کہ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ

جو عربی سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ ولقد علمت کا ولقد جو ہے اسکا ترجمہ ہے قسم ہے،

رب عزت کی میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ ☆ خَیْرٍ مِنْ اَدْیَانِ الْبَرِیَۃِ دِیْناً

میں قسم کھا کر یہ بات کہتا ہوں کہ دین محمد دنیا کے تمام دینوں میں سب سے بہتر ہے، کافر کہہ رہا ہے۔

ولقد علمت بان دین محمد ☆ خیر من ادیان البریۃ دینا

لَوْلاَ الْمَلاَمَۃُ او حِذَارُ مَسَبَّۃٍ۔ کل کو قوم ملامت کرے گی لوگ برا بھلا کہیں گے۔

لَوْ لاَ الْمَلاَمَۃُ او حِذَارُ مَسَبَّۃٍ۔لَوَجَدْتَنِی سَمحاً بِذٰکَ مُبِیْناً۔

اگر یہ مجھے خطرہ نہ ہوتا تو آگے بڑھ کر سب سے پہلے میں اعلان کر دیتا۔ معلوم ہوا، اگر خو غرضی اور مفاد پرستی کا پردہ پڑا ہوا ہو تو محروم، اگر عناد اور ہٹ دھرمی ہو تو محروم۔ اور اگر حق طلبی ہو تو یہو کے اتنے بڑے زبردست عالم ہیں عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہ حضور کو کبھی برتا نہ حضور کو کبھی دیکھا۔ جب آپ مدینہ میں پہنچے تو سب سے پہلے جو نظر پڑی ہے حضور پر، تو حضرت عبداللہ ابن سلا فرماتے ہیں۔ کہ خدا کی قسم یہ چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں یہ اللہ کے سچے نبی ہیں، قبول کر لیا، تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس زمانے میں بہت سے لوگ مختلف قسم کے شبہات، شکوک، سوالا کا اظہار کرتے ہیں، قبیلہ بنو عامر، بنو عامر، وہی قبیلہ ہے جس کو مجنوں کا قبیلہ کہتے ہیں مجنوں کا نام تو قیس۔ قیس عامری مشہور ہے۔ بڑا مشہور قبیلہ ہے۔ بنو عامر کے قبیلے کا ایک بڑا بوڑھا تجربہ کار آدمی آ اور حضور کی خدمت میں آ کر بیٹھ گیا اس نے کہا کہ جی میں مسلمان نہیں ہوں۔ لیکن اگر آپ اجاز دیں، تو میں کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے اسکو سوال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے کہا کہ سب سے پہلے میرا سوال یہ ہے کہ نبیوں اور پیغمبروں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ آپ بھی کہتے ہیں کہ میں نبی اور پیغمبر ہوں۔ تو ہر نبی کی نبوت کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ آپ کی نبوت کی بنیاد کی ہے؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں بتائیے کہ ہم کس طرح یقین کریں کہ فلاں بنیاد جو ہے وہ یہ بتا رہ ہے کہ آپ نبی ہیں اور آپ سچے پیغمبر ہیں۔ تو آپ نے فرمایا دو باتیں فرمائیں۔ فرمایا کہ میری نبوت کی بنیادیں ہیں۔ دو، اَنَا دَعْوَۃُ اِبْرَاھِیْمَ، وَبَشَارَۃُ عِیْسٰیؑ۔ حضرت ابراہیم نے ڈھائی ہزار سال قبل خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جو دعا مانگی تھی کہ ایک ایسا رسول عطا فرما اور بھیج دے فرمایا کہ و

حضرت ابراہیمؑ کی قبول کی ہوئی دعا میں اللہ نے مجھے بھیجا ہے وہ دعا میرے لئے ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جاتے ہوئے یہ بشارت دی فرمایا کہ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ۔ حضرت عیسیٰؑ نے جس رسول کی شہادت دی تھی وہ میں ہوں۔ انا دعوة ابراهيم و شهادة عيسىٰ (سبقت لسانی میں شہادت کہہ گئے۔) وَبَشَارَةُ عِيْسٰىؑ۔ حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور حضرت ابراہیم کی وہ دعا، دونوں۔ اس پر اگر وہ کوئی اعتراض کرتا تو کوئی اور بات آگے چلتی۔ اس نے کہا کہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ ٹھیک ہے۔ واقعی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کی تعمیر فرما رہے ہیں۔ اور دعا مانگ رہے ہیں۔ فرمایا کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝ یہ خصوصی دعا کی، اور حضرت عیسیٰ کی یہ بشارت، سمجھ میں آ گئی۔ ایک سوال اور وہ سوال اپنی الجھن کو دور کرنے کیلئے ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر میری زندگی میں کچھ گناہ تھے اور میں انہیں چھوڑ نہیں سکا تو میں اسکا انتظار کروں کہ جب سب گناہ چھوٹ جائیں گے تب میں نیکی کروں گا، یا گناہ کے ساتھ ساتھ بھی نیکی کروں، یہ پوچھنا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اگر، اور (اگر) کی کیا بات ہے، اس لئے کہ نبی کے علاوہ وہ کونسا آدمی ہے جو یہ کہے گا کہ میں گناہوں سے پاک صاف ہو جاؤں، پھر میں نیکی کروں گا۔ فرمایا کہ یہ شیطان اور ابلیس کا فریب ہے، عمر بیت جائے گی اور گزر جائے گی لیکن کبھی بھی اسکو گناہوں سے پاک ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔ کیوں؟ یہ بالکل ایسی بات ہے کہ جیسے آپ دریا سے یہ کہیں کہ پہلے میں خوب صاف شفاف اور پاک ہو جاؤں پھر میں تیرے اندر آؤں گا۔ تو دریا یہ کہے گا کہ جی حضور جب تک میرے اندر نہیں آتے ہیں تو پاک بھی نہیں ہوتے ہیں باہر کھڑے کھڑے عمر گزار دو گے پاک تو ہو نہیں سکتے۔ یہ واقعہ مولانا جلال الدین رومیؒ نے لکھا ہے۔ ایک شخص نہایت گندہ غلیظ، دجلے اور فرات کے کنارے جا رہا ہے۔ اور کہنے لگا کہ دیکھئے خدا کی شان ہے کہ یہ دریا کتنا صاف شفاف پاکیزہ ہے اور ایک مجھے دیکھئے، گندگی اور غلاظت میرے کپڑوں پہ، میرے بدن پہ سب پہ غلاظت ہے۔ کہاں دریا کہاں میں؟ مولانا جلال الدین رومیؒ نے لکھا ہے کہ دریا سے آواز آئی۔ اگر تو پاک ہونا چاہتا ہے مجھ میں غوطہ لگا۔ اس نے کہا کہ نہیں حضور میں اپنی حیثیت سے واقف ہوں، میں

گندہ ہوں میں آپ میں نہیں آ سکتا۔ تقسیم سے پہلے ایک مرتبہ میں گیا "پونا" بمبئی سے آگے، وہاں
اکثر جلسے سڑک پر، جیسے یہاں کراچی میں ہوتے ہیں تو میں نے ان سے کہا، میں نے کہا یہاں کوئی ایسی
بڑی مسجد وغیرہ نہیں ہے۔ تو انہوں نے ایک بڑی جامع مسجد میں انتظام کیا۔ تو میں نے دیکھا کہ لوگ تو
بہت سے ہیں مگر سب مسجد سے باہر ہیں۔ وہ دیوار پہ کھڑے کھڑے سب جھانک رہے ہیں؟ میں نے
کہا بھئی یہ کیا بات ہے؟ مسجد تو خالی پڑی ہے، سب دیوار سے باہر کھڑے ہوئے جھانک رہے ہیں۔
کیا قصہ ہے؟ کہنے لگے کہ صاحب یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں ہیں؟ کہ مسجد میں آئیں۔
ارے بھئی! اگر تم اس قابل نہیں ہو کہ مسجد میں آؤ تو قابل تو جب ہی بنو گے جب تم مسجد میں آؤ گے دور
رہ کے تو قابلیت نہیں پیدا ہوگی۔ اس نے کہا کہ نہیں میں آپ میں غوطہ نہیں لگاؤں گا۔ مولانا جلال
الدین رومیؒ لکھتے ہیں۔ دریا سے آواز آئی۔ تمام عمر تیری گزر جائے گی تو پاک نہیں ہوگا۔ لیکن اگر تو
میرے اندر غوطہ لگائے تو میں تیری وجہ سے ناپاک نہیں ہوں گا لیکن تو میری وجہ سے پاک ہو جائے گا۔
اس نے غوطہ لگایا۔ جب نکلا تو صاف اور شفاف اور پاکیزہ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑا شیطانی
وسوسہ ہے۔ کیا؟ وہ کہتے ہیں کہ ارے بھئی نماز کیا پڑھیں نماز پڑھتے ہیں وسوسہ آتا ہے۔ خیالات
آتے ہیں ایسی نماز کو تو ہمارا جی نہیں چاہتا۔ پہلے ہم بالکل فرشتہ ہو جائیں پھر نماز پڑھیں گے۔ تو نماز
چھوڑ کے فرشتہ بنیں گے؟ یا نماز کو چھوڑ کے شیطان بنیں گے۔ اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا۔ اِنَّ
الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَات فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی میں کچھ گناہ ہیں۔ پرواہ نہ کرو۔ نیکی کرو
جتنا جتنا تم نیکی کرتے چلے جاؤ گے ان نیکیوں کی بدولت وہ گناہ کے اثرات گھٹتے چلے جائیں گے
سیاہی دور ہوتی چلی جائے گی۔ اور یہی صحیح طریقہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، کہ ہر نیکی تسبیح کا دانہ
ہے۔ ہر گناہ تسبیح کا دانہ ہے۔ آپ ایک گناہ کو ایک گناہ سمجھتے ہیں؟ غلطی پر ہیں۔ ننانوے دانے اور ہیں
اسکے ساتھ۔ نیکی کو آپ ایک دانہ سمجھتے ہیں، نہیں، ننانوے دانے اور ہیں۔ فرمایا اگر تم کوئی نیکی کرو گے
تو یہ ایک نیکی دوسری نیکی کے لئے جگہ پیدا کرے گی۔ اور اگر تم ایک گناہ کرو گے تو یہ گناہ دوسرے گناہ
کے لئے جگہ پیدا کرے گا۔ ایک دانہ آپ نے ادھر کیا دوسرا دانہ آ گیا۔ سلسلہ ہے یہ۔ تو فرمایا کہ جب
تم کوئی نیکی کرو تو دوسری نیکی کی گنجائش اس کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس طریقہ سے گناہوں

سیاہی دھل جاتی ہے۔اور وہ غارہ بن جاتے ہیں۔اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ ۔سرکاردو عالم ﷺ نے جو جواب دیا وہ بڑا ہی مطمئن ہوگیا۔دیکھئے حق اور باطل کے پتہ چلانے کا صحیح اندازہ یہی ہے کہ جواب سن کر آپ یہ محسوس کریں کہ آپ کے اندر کی سیاہی دور ہوگئی۔نور آرہا ہے۔ یہ جو اس زمانے میں لوگ کہتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب آئے ہیں جن کو مرید ہونا ہے وہ مرید ہو جائے۔ایک جم غفیر جارہا ہے۔ایک بھیڑ کی بھیڑ ہے مرید ہورہے ہیں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نہیں تم اپنے حالات زبانی یا تحریری طور پر کسی شیخ کو لکھ کے بھیجو یا زبانی کہو۔اور جب تمہارے سوال کا جواب ایسا مل جائے جس سے تم یہ محسوس کرو کہ واقعی میرے ضمیر کی سیاہی دور ہوگئی تو سمجھ لینا کہ تمہیں ان سے فائدہ ہوگا۔ یہ تمہارے لئے مفید ہوں گے۔اس نے یہ محسوس کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے جو جوابات دیئے ہیں وہ میرے دل کو لگ گئے۔اس نے کہا کہ جی بس آخر میں ایک سوال اور جس کے لئے میں نے موضوع منتخب کیا ہے، وہ یہ آخری سوال ہے۔اس نے یہ کہا کہ آپ یہ بتایئے اگر آپکی تعلیمات پر اسلام پر اگر میں عمل کروں، تو کیا ملے گا؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اَلنَّجَاةُ فِی الْاٰخِرَةِ فرمایا کہ اس دین پر عمل کرنے کا سب سے بڑا نتیجہ جو ہے وہ ہے آخرت کی نجات۔تو قبیلہ بنو عامر کا وہ آدمی کہنے لگا۔ جی یہ تو آپ نے ادھار کی بات کردی۔آپ تو عالمِ آخرت کی بات کررہے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں اس دنیا میں کیا ملے گا؟ اپنے اپنے مذاق کی بات ہے۔سرکاردو عالم ﷺ نے جس انعام کا ذکر کیا ہے۔وہ بہت بڑا انعام ہے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی چند لمحے کی حیثیت رکھتی ہے اور آخرت کی زندگی اصل زندگی ہے۔ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ زندگی اصل آخرت کی زندگی ہے۔لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اصل زندگی دنیا کی زندگی ہے، یہاں کے بارے میں بتایئے۔ایک اور حدیث یاد آگئی ایک صحابیؓ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کو تہجد کے وقت خدمت کرتے ہیں، لوٹا دیدیا، جانماز بچھادی۔اور ہمیشہ اٹھ جاتے ہیں، آپ ان سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ایک دن آپ کا دل خوش ہوا آپ نے فرمایا کہ مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو؟ مطلب یہ ہے (یہ نہیں کہ مجھ سے مانگو) مطلب یہ ہے کہ تم اپنی تمنا کا اظہار کرو میں اللہ سے دعا کروں گا۔بتاؤ کیا مانگتے ہو؟ تو وہ صحابی کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ آج جب آپ نے اپنے منہ سے پوچھ لیا کہ کیا چاہتے ہو فرمایا کہ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ ۔جنت میں آپ کے ساتھ رہنا

نصیب ہو جائے یہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اَوَ غَیْرَ ذٰلِکَ۔ سوچ لے اس کے علاوہ کوئی اور چیز چاہتا ہو، انہوں نے کہا نہیں، کچھ نہیں چاہتا۔ اب آپ بتائیے! یہ بھی تو ایک مذاق ہے۔ مجھے دنیا میں کچھ نہیں چاہئے ہے مجھے تو یہ چاہئے ہے کہ جنت میں سرکار دو عالم ﷺ کا ساتھ نصیب ہو جائے۔ کتنی بڑی دولت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آخرت کی نجات، تو اس نے کہا کہ جی یہ تو آپ نے ادھار کی بات کی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ادھار نہیں ہے۔ یہ کیوں؟ آج کل کے جو سودے اور جو معاملات آپ کرتے ہیں بیس بیس پچیس پچیس سال میں نتائج نکلتے ہیں۔ اور یہاں، دو قیامتیں ہیں ایک قیامت قیامت صغریٰ ہے جو ہر آدمی کی الگ قیامت ہے۔ ستائیسویں شب کو ایک ڈاکٹر صاحب جو بے چارے آیا کرتے تھے ہمیشہ۔ اپنے بستر سے اٹھ کے آئے اور یہیں پر آ کر بیٹھے اور ابھی تقریر شروع بھی نہیں ہوئی کہ یہیں پر لیٹ گئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آنکھیں بند ہوئیں انکی قیامت تو قائم ہو گئی۔ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ۔ جس کا انتقال ہو گیا ہے اس کی قیامت تو آ گئی۔ آپ ادھار کہتے ہیں میں تو کہتا ہوں کہ بہت تھوڑا سا وقفہ ہے آنکھ جھپکنے کے بعد ہی اس کا نتیجہ جو ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن خیر چلئے بہر حال! اس نے یہ کہا کہ مجھے آپ دنیا کی زندگی میں بتائیے کہ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا یہ غور سے سنئے فرمایا کہ اگر آپ ان تعلیمات پر عمل کریں۔ (عمل کریں (۱))۔ عمل کا لفظ پھر میں کہتا ہوں۔ کیونکہ اسلام، کوئی ازم نہیں ہے، کوئی تحریک نہیں ہے۔ ازم اور تحریک میں منصوبہ یہ بنائیے کہ ہم یہاں جانا چاہتے ہیں۔ لیکن عمل میں آپ کو آزادی ہے۔ جی چاہے، ریل کی پٹری اکھاڑیئے، جی چاہے ڈاک خانے کو آگ لگائیے۔ جی چاہے کسی کی گردن کاٹیے، جی چاہے کسی کو قتل کیجئے، کھلی آزادی ہے۔ جس طریقہ سے بھی ممکن ہو اس منزل پہ پہنچ جاؤ۔ (اسلام کہتا ہے) یہ کوئی ازم نہیں ہے یہ کوئی تحریک نہیں ہے، یہ دین ہے۔ یہ اگر عمل کر کے سب لوگ عمل کرتے ہوئے ایک منزل پر پہنچیں تو فرمایا کہ اگر اس دین اسلام پر عمل کیا گیا تو اس کے دو نتیجے ہیں ایک نتیجہ دنیا میں ہے اور دوسرا نتیجہ آخرت میں ہے دنیا میں نتیجہ ہے اَلتَّمَکُّنُ فِی الْاَرْضِ۔ زمین پر، (اقتدار) اسلام کی

نمبر ۱۔ حضرت مولانا نے دوسری مرتبہ یہ جملہ تنبیہ کے انداز میں فرمایا، جس کا مقصد یہ ہے کہ جلسے جلوس، حسین وجمیل نعرے اور لمبی چوڑی باتیں کرنا کافی نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات غیر خالص نیتوں کے باعث عبث اور بے کار رہی ہیں۔

خاصیت یہ ہے کہ صرف منشور میں اسلام لکھنا کافی نہیں ہے۔ اگر کوئی ملت اور کوئی قوم اسلام پر عمل کر کے آتی ہے لازمی طور پر اللہ تعالیٰ اسکو زمین کا اقتدار عطا فرما دیتے ہیں وہ حکمراں بن جاتی ہے۔ فرمایا کہ یہ اس دین کی خاصیت ہے اور یہ ہو کر رہتا ہے اسلام کے ذریعہ، اور آپ اس پر غور کریں۔ جب دنیا میں اسلام آیا تو وہی عرب اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھی بکریاں چرانے والے تھے، گڈریے تھے لیکن آخر مجھے بتایئے؟ خدا کے لئے بتایئے! کہ تئیس (23) سال کے اندر (تئیس سال) کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ ایسے 23 سال تو ملکوں میں اور قوموں کے اندر آتے ہیں گزر جاتے ہیں کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ تئیس (23) ہوئے یا تہتر (73) ہوئے ہیں، یہ بھی پتہ نہیں۔ جب پاکستان میں 23 سال ہوئے اب تو آپ 32-33 میں بیٹھے ہیں۔ جب 23 سال ہوئے تو میں نے بعض لوگوں سے کہا میں نے کہا کہ یہ مدت تو وہ مدت ہے کہ بکریاں چرانے والے چرواہے صاحب اقتدار بن گئے تھے اور اسلام کا نظام قائم ہو گیا تھا۔ آپ نے تو کچھ نہیں کیا۔ ارے مولانا صاحب! آپ کیا کہتے ہیں ابھی تو 23 سال ہی ہوئے ابھی تو یہ چھوٹا سا بے بی ہے، جب جوان ہوگا جب دیکھیں گے۔ تو میں نے کہا کہ اگر یہ 23 سال کے اندر بھی اس کا بچپن ختم نہیں ہوا تو خدا جانے اس پہ جوانی کب آئے گی؟ آئے گی بھی یا نہیں آئے گی؟ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جوانی آئے گی یا نہیں آئے گی لیکن آثار بڑھاپے کے نظر آرہے ہیں۔ بڑھاپے کے آثار، علامہ اقبال کی زبان میں۔ فرمایا کہ

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے۔

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے ☆ شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جب کوئی قوم دنیا میں نئی نئی آتی ہے تو اس کے ہاتھوں میں، تلوار، نیزہ، لڑنے کا سامان ہوتا ہے جنگ کا سامان ہوتا ہے اور جب اس کے اترنے کا وقت آتا ہے تو اس کے بغل میں طبلہ اور سارنگی اور گانے بجانے کا سامان ہوتا ہے۔

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر اُمم کیا ہے ☆ شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

مصر کے ایک عیسائی نے لکھا ہے۔ اس نے کہا کہ میں مسلمان نہیں ہوں، لیکن یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ جیسے آپ امریکہ کی تعریف کریں لیکن آپ یہ کہیں کہ میں امریکن نہیں ہوں، آپ

انگلینڈ کی تعریف کریں اور آپ یہ کہیں کہ میں برطانوی نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا میں
ہوں مسلمان نہیں ہوں۔ لیکن اس نے یہ کہا کہ میری رائے میں اس آسمان کے نیچے زمین کے او
ہی شخصیت سب سے بڑی شخصیت پیدا ہوئی ہے اور وہ محمد عربی ﷺ کی ہے۔ جس نے 23 سال
اندر بکریاں چرانے والوں کو صاحب حکومت بنا دیا۔ سوچئے تھوڑی سی دیر کیلئے کہ جب دنیا میں
آیا ہے تو بکریاں چرانے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے وہ لوگ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر انکو حکمران
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام میں تشریف لے گئے فلسطین کے علاقے میں، مسلمانو
کیا فرمایا کہ كُنْتُم اَقَلَّ النَّاس! تم تعداد میں تھوڑے تھے، اپنی تاریخ پر ذرا نظر ڈالو! كُنْتُم
النَّاس! تم لوگوں کی نظروں میں حقیر تھے، كُنْتُم اَرْذَلَ النَّاس! تم لوگوں کی نظروں میں ذلیل
فَاَعَزَّ كُمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ بِالْاِسْلَامِ۔ تو اللہ نے اسلام کے ذریعہ سے تمہیں عزت عطا فرمادی
عزت تمہیں ملی ہے وہ اسلام کے ذریعہ سے ملی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما
کہ تم بھی کل کے چرانے والے تھے بکریوں کے، رکھوالے تھے، اور آج اللہ نے تم کو صاحب
تاج اور صاحب حکومت تم کو بنا دیا، (وہ عیسائی کہتا ہے) اس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں حیران ہو
بڑا انقلاب دنیا میں آج تک کبھی کسی نے نہیں دیکھا، کہ 23 سال کے اندر اتنا بڑا انقلاب
بکریاں چرانے والوں کو ایک مستقل نظام حکومت دیدیا، ایک مستقل تہذیب دیدی، ایک مستقل
دیدیا، ایک مستقل زبان دیدی، ایک مستقل مذہب دیدیا 23 سال کے عرصے میں اتنا ک
انقلاب ہم نے کبھی نہیں دیکھا تاریخ کے اندر، اس نے کہا کہ میری رائے میں محمد عربی ﷺ سے
دنیا میں کوئی شخصیت نہیں ہے۔ کسی کے شاعر کا شعر ہے فرمایا کہ۔ اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الاَ
اصل شہادت وہ ہے جو دشمن کے منہ سے لے لیں۔ کہتا ہے میں عیسائی ہوں اور یہ شہادت دیتا ہ
میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا کہ اس دین کی خاصیت یہ ہے کہ اگر
کیساتھ اس دین پر عمل کیا جائے تو عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ تَمَكُّن، اقتدار، حکومت، عطا ف
ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہی فتح مکہ کے بعد اسلامی حکومت کی اور خ
اسلامیہ کی نیو اور بنیاد رکھ دی گئی۔ اور بنیاد کا رکھنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورت

فرمائی، جس کام کیلئے آپ کو بھیجا تھا وہ پورا ہوگیا۔ اب آپ واپس تشریف لے آئیں۔ کیا؟ فرمایا کہ اذا جآء نصرُ اللّٰہِ وَالفتحُ ۔ کیونکہ اللہ کی مدد آ چکی، کیونکہ مکہ فتح ہو چکا اِذا جآء نصرُ اللّٰہِ وَالفتحُ ورَاَیتَ النّاسَ یَدخُلُونَ فِی دِینِ اللّٰہِ اَفوَاجاً ۔ اور دین اسلام میں فوج درفوج قوم کا داخلہ بھی ہوگیا۔ لہٰذا اب آپ عالم دنیا کو چھوڑ کر عالم آخرت کے سفر کی تیاری کیجئے! اور تیاری سفر کیا ہے آپ کے لئے؟ کوئی سامان نہیں لینا ہے، سفر کی تیاری یہ ہے، تسبیح تہلیل، استغفار، بس۔ فَسَبِّح بِحَمدِ رَبِّکَ وَاستَغفِرہُ ، اِنَّہٗ کَانَ تَوَّاباً ۔ اس کے بعد قرآن کریم کی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی۔ آیت تو بیشک نازل ہوئی، سورت قرآن کریم کی کوئی نازل نہیں ہوئی یہ آخری سورت ہے قرآن کریم کی۔ جس میں حضور ﷺ کا مقصد بعثت بتا دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسلام پر عمل کرنے کا انعام دنیا میں یہ ملتا ہے۔ کہ اللہ آپ کو صاحب اقتدار بناتا ہے۔ اور آخرت میں اس کا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، نجات عطا فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرماتے ہیں، اب یہ بات واضح ہوگئی کہ مقصد اسلام ان قوموں اور ملتوں کی طرح نہیں ہے جن کو علامہ اقبالؒ نے ایک سوال میں ذکر کیا۔ فرمایا کہ

کاروبارِ خسروی یا راہبی

کاروبارِ خسروی یا راہبی ☆ کیا ہے آخر غایتِ دین نبی؟

کیا ہے آخر غایت دین نبی؟ ذرا بتایئے! کیا بڑی بڑی عظیم سلطنتیں قائم کرنا یہ مقصد ہے؟ یہ تو پہلے بھی تھا۔ آپکے تشریف لانے سے پہلے بھی دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں اور سلطنتیں قائم تھیں۔ اور اگر صرف یہ مقصد ہے کہ آپ قال اللہ اور قال الرسول تبلیغ فرمائیں، تلقین کریں وعظ فرمائیں، تو اس کے لئے تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول اور نبی آ چکے۔ لیکن آپ سوچئے تھوڑی سی دیر کیلئے اس زمانے میں یہ تھا کہ اگر حکومت ہے، تو نبوت کی سرپرستی نہیں ہے اور اگر نبوت کی تعلیمات اور ہدایت ہے تو اس کی حفاظت کیلئے قانون کی قوت اور طاقت موجود نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے۔ حکومت ایک قوت ہے، اور نبوت و رسالت ایک اخلاقی قوت ہے۔ اخلاقی قوت کی حفاظت کیلئے حکومت کی قوت نہیں ہے۔ اور حکومت کو، حکومت کی قوت کو ظلم و ستم سے بچانے کیلئے اخلاق کی قوت کی

سر پرستی نہیں ہے۔ حکومتیں قائم ہوتی ہیں تو چنگیزی اور ہلاکو خان کی حکومتیں بنتی ہیں اور اگر کوئی اخلاقی تعلیم دیتا ہے، تو جب تک حکومت کی سرپرستی کسی اخلاقی تعلیم کی نہ ہو، وہ پھونک مارنے سے اڑ جاتی ہیں۔ یہ بتیس سال ہم نے یہ تماشہ دیکھا ہے۔ ایک آدمی بے چارہ اپنے محلے میں، اپنے گاؤں میں، اپنی بستی میں، اپنے مدرسہ میں، ایک بڑی اچھی فضا پیدا کرتا ہے، بڑا اچھا ماحول پیدا کرتا ہے، عورتوں کو پابند بناتا ہے، پردے کی فضا قائم کرتا ہے، اچانک سیلاب آتا ہے، معلوم ہوا کہ کوئی منسٹر (MINISTER) آرہا ہے، یا کوئی منسٹرانی آرہی ہے، عورتیں بھی تو منسٹر (MINISTER) بنتی ہیں۔ جہاں کوئی منسٹر آیا اور کوئی وزیر عورت آئی۔ معلوم ہوا اتنے دنوں میں آپ نے جو کچھ کیا تھا پانچ منٹ میں سب غارت ہوگیا، سب ختم۔ اسلام اس بات کو مانتا ہے، کہ نیکی کی قوت کی حفاظت کیلئے اگر حکومت کی طاقت نہ ہو تو وہ نیکی بے معنی ہے، بے اثر کوئی اس کا اثر قبول نہیں کرتا ہے۔ اور اگر، حکومت کی قوت موجود ہو، اور اس کے اوپر نبی کی تعلیمات کا سایہ نہ ہو، تو وہ قوت ایک ظالمانہ قوت ہوگی، وہ ظلم اور جور کی قوت ہوگی۔ اس قوت سے بھی مسلمانوں کو فائدہ نہیں اس نیکی سے بھی مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں۔ مشہور ہے، پتہ نہیں۔ اس لئے کہ بہت سی حکایتیں ایسی ہیں اب تو شاید پہلے سے کچھ کم ہوگیا ہے۔ لیکن اس زمانے میں جب کبھی کسی شخص کو کوئی اپنا قصہ سنانا ہوتا تھا تو وہ کسی مولوی صاحب کا نام لے کے سناتا تھا ایک مولوی صاحب تھے، ایک واعظ تھے۔ ایک شیخ صاحب تھے۔ یہ فیشن ہے، قصہ تھا یا نہیں؟ مشہور یہ ہے کہ ایک اسلامی حکومت تھی۔ اور وہ حکومت نئے ہتھیار جمع کر رہی تھی تو کسی مولوی صاحب نے کہا وہاں پر حکمران سے جا کر۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں جہاد کی قوت اور طاقت جمع کر رہا ہوں مولوی صاحب نے کہا ٹھیک ہے آپ کریں لیکن یہ جو آپ نئے نئے آلات ٹینک اور میزائل اور فلاں اور فلاں جو یہ کر رہے ہیں، یہ تو سب بدعت ہے، تو یہ بدعت اختیار کر رہے ہیں آپ؟ تو حکمران نے کہا کہ اچھا اگر یہ بدعت ہے تو میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا چلئے میں نے یہ بھی آپ کا کہنا مان لیا۔ اس کے بعد جب دشمن حملہ کرے گا تو کیا کروں گا؟ ارے! آپ اس کی پروانہ کیجئے، جب دشمن حملہ کرے گا تو ہم کاہے کے لئے ہیں، گلے پھاڑ پھاڑ کے وعظ کہیں گے اور اسے بھگا دیں گے۔ انہوں نے کہا اچھی بات ہے۔ انہوں نے ساری فوج

موقوف کر دی۔ دشمن تو گھات میں بیٹھا ہوا تھا، وہ فوجیں لے کے آ گیا۔ مولوی صاحب کو بلاؤ بھئی! مولوی صاحب آئے کہنے لگے میں جاتا ہوں سرحد پہ۔ وہاں گئے، خوب لاؤڈ اسپیکر لگا کے، گلے پھاڑ پھاڑ کے نصیحتیں کیں۔ خوب خدا کا خوف دلایا۔ خوب انہوں نے قسمیں دلائیں اور کیا کیا دلایا۔ یاد رکھیئے یہ تمام تلقین، نیکی کی وہ تمام باتیں کہ جس کے پیچھے کوئی قوت کی حفاظت نہ ہو، وہ ہوا میں پھونک مارنے سے اڑ جاتی ہیں۔ انکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ سنتے رہے، ہنستے رہے، آگے بڑھتے رہے۔ مولوی صاحب نے دیکھا کہ میرے وعظ کا تو ان پہ کوئی اثر نہیں ہوا، دوڑے ہوئے آئے آ کے اپنے بادشاہ سے کہا اور یہ کہا کہ جی وہ میں نے تو بہت وعظ کہا مگر ان پر تو کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ تو بڑے کمبخت سنگدل کافر ہیں، آپ تو کافر نہیں، آپ تو مسلمان ہیں تو آپ ہی پہ میرا اثر ہو جائے۔ کیا چاہتے ہیں آپ اثر ہو جائے؟ آپ اپنا ملک انہیں دے دیجئے لڑا نہیں کرتے کم سے کم میری بات کا کہیں تو اثر ہو، پتہ نہیں یہ قصہ صحیح ہے یا غلط؟ لیکن یہ حقیقت ہے۔ اگر طاقت تنہا طاقت ہو، اخلاق کی قوت کی حفاظت نہ ہو، اس کی سرپرستی نہ ہو تو وہ ہلاکو خان ہے، چنگیز خان ہے، وہ بہت بڑا پاپی ہے، وہ وہ ظالم ہے۔ کہ جن کے لئے زمین کا چپہ چپہ یہ کہتا ہے کہ یہ ہمارے اوپر بوجھ ہے اور کب یہ روئے زمین سے فنا ہو تا کہ ہمارا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ اور اگر، نیکی کی تلقین فقراء اور مساکین کے ہاتھ میں ہو، اور۔

کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی؟

کوئی پوچھنے والا نہیں، اس کا نتیجہ فروغ نہیں ہوگا، اس کا نتیجہ، جڑیں اس کی کبھی مستحکم نہیں ہو سکتیں۔ دنیا اس بات کو محسوس کر رہی تھی کہ حکومتیں آئیں نیکی کی طاقت نہیں تھی اور اخلاقی نیکی آئی ان کو سرپرستی حکومت کی حاصل نہیں تھی۔ سرکار دو عالم ﷺ وسلم تشریف لائے آپ نے فرمایا، ان دونوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔ ان دونوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ علماء نے لکھا ہے۔ کہ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجاً" میں سرکار دو عالم ﷺ کی شان ورسالت کا ذکر ہے۔ کہ تبلیغ کے ذریعہ سے دین فوج در فوج داخل ہو رہی ہے اسلام کے اندر۔ یہ ہے شان رسالت تبلیغ کے لئے اور فرمایا کہ مکہ، جو عالم کا مرکز ہے وہ آپ کے ہاتھوں فتح ہو رہا ہے فرمایا کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کی حاکمانہ حیثیت ہے ایک ہی وقت میں آپ حاکم وقت بھی ہیں ایک ہی وقت میں آپ رسول اور نبی بھی ہیں۔ آپ کے

ہاتھوں تبلیغ بھی ہوئی ہے، آپ کے ہاتھوں فتح مکہ کے ذریعہ سے اسلامی حکومت کی بنیاد بھی ر
دونوں چیزوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے۔ تو اس لئے حضور اکرم ﷺ کے دین کا مقصد کیا؟ فرما
کاروبار سے خسروی یا راہبی راہب بنانا بھی مقصود نہیں، ہلاکو خان اور چنگیز بنانا بھی مقصود نہیں۔
کاروبارِ خسروی یا راہبی۔ کیا ہے آخر غایتِ دینِ نبی۔ جواب سنیئے یہ ہے وہ مقصد
لئے سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا کہ مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ، یہ مقصد تو حضر
ہوگا کہ ساری قوم کو راہب بنا کے پہاڑ کی گھاٹیوں میں بٹھائیں۔

مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ اور مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ

اور دین اسلام کا مقصد یہ ہے، باطل کی قوتوں سے نبرد آزما ہو کر، ان سے ٹکر لے کر
غالب کریں اور اور اسلام کا پھریرا اور جھنڈا لہرا دیں۔ اسلام کی شوکت کو قیامت تک کے لئے
یہ مقصد دین اسلام کا مقصد ہے۔ یہ دنیا میں اس طرح حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں اللہ ت
نجات عطا فرماتے ہیں تو حاصل یہ نکلا، جو بات سمجھنے کی ہے، ہم اور آپ ایک منزل پہ جانا چا
جہاں ہم کو اسلام ملے اور فرض کر لیجئے بیس میل کی مسافت طے کرنی ہے۔ ہر منزل پہ ہم ا
توڑتے ہوئے جا رہے ہیں، ہر منزل پر، ہر ایک میل پر ایک ایک حکم اسلام کا توڑتے ہو
ہیں آپ! تو بیسویں میل کی منزل کی مسافت جب آپ طے کریں گے تو بیس فیصد اسلام کو تو
ہم اور آپ۔ اب جب منزل پہ پہنچیں گے تو کاہے کے لئے پہنچیں گے؟ اس لئے کہ خود ا
احکام کو خود ہی توڑ چکے جس سے معلوم ہوا اسلام کے غالب آنے کا طریقہ، سوچئے! مسلمان
آنا اور ہے، اسلام کا غالب آنا اور ہے۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ نے دل کی آنکھیں دی ہیں، جن ک
نے دل کی آنکھیں دی ہیں۔ وہ اس فرق کو جانتے ہیں۔ میں نے اپنے دوستوں سے نقل کیا
کانوں نے سنا ہے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ، تبلیغی جماعت کے بانی نظ
اولیاء، دہلی میں بیٹھ کر یہ فرما رہے تھے۔ بھائی یہ دعا نہ کرو کہ مسلمانوں کی حکومت ہو جائے یہ
اسلام کی حکومت قائم ہو جائے۔ کیا فرق ہے؟ یہ دعا نہ کرو کہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو
اسلام کی حکومت قائم ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر احکام کو توڑتے ہوئے آپ چلیں گے

ساتھ دوڑتے ہوئے، منزل پہ پہنچیں گے تو اسلام ٹوٹا پھوٹا ملے گا۔ اسلام نہیں غالب آئے گا، آپ غالب آجائیں گے۔ ہاں بے شک، آپ غالب آجائیں گے اور میں تو لوگوں سے کہا کرتا ہوں سن سینتالیس (47) چھیالیس (46) میں جو کانگریس کے مقابلے میں الیکشن ہوا ہے پوری مسلم قوم کا۔ سو فیصد مسلمان جیتے۔ مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔ اس میں تو کامیابی میں کسی کو کوئی شبہ نہیں اگر سو فیصد اگر مسلمانوں کی کامیابی کا نام اگر اسلام ہے تو تو سن سینتالیس چھیالیس میں اسلام کا پھریرا لہرانا چاہئے تھا خلافت راشدہ قائم ہوجانی چاہئے تھی، اسلامی نظام قائم ہوجانا چاہئے تھا مگر یہ ہو نہیں سکتا تھا کیونکہ جس جماعت نے سیاسی طریقہ پر جوجدو جہد اور کوشش کی تھی مسلمان بحیثیت پارٹی کے کامیاب ہو گئے اسلام غالب نہیں آیا، اسلام غالب نہیں آیا، اور ایسے لوگ بھی غالب آئے۔ ہم کراچی آرہے ہیں ایک صاحب فرمانے لگے کہنے لگے، مولانا صاحب! بے نمازیوں نے پاکستان بنالیا۔ یہ دیکھئے! یعنی ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ اسلام کو غالب لانے کیلئے یا مسلمانوں کی کامیابی کیلئے نماز و ماز بھی ضروری نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان غالب آگئے۔ اسلام غالب ہوگیا آج پارٹیاں غالب ہیں اسلام نیچے اترتا جارہا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ بات صرف یہی ہے یہ آپ کے پاس ایک معیار ہے۔ جو اسلام پر عمل کرتے ہوئے آگے آگے بڑھ رہے ہوں یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کے ہاتھ میں اسلام، انکے ہاتھ پر اسلام پروان ہو اور جو اسلام کو توڑتے ہوئے آگے جارہے ہیں، کسی پہ تہمت لگادی، کسی کے خلاف جھوٹ بول دیا، کہیں آگ لگادی، کہیں اور کسی قسم کی حرکتیں کردیں، وہ بیشک غالب آسکتے ہیں، ان کے ہاتھوں اسلام غالب نہیں آسکتا۔ کیونکہ عمل کا نتیجہ اسلام ہے، صرف منشور بنانے کا نتیجہ اسلام نہیں ہے۔ تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر آپ اس دین پر عمل کریں گے، دنیا میں اس کا نتیجہ اقتدار ہے، آخرت میں اس کا نتیجہ نجات ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

خطبات احتشام "عنوان"

دین حق

کیخلاف

قدیم وجدید دشمنانِ اسلام کی یکساں سازشیں

انبیاء و وارثینِ انبیاء پر خصوصی نوازشیں

اور

تدبیر و تقدیر کا اسلامی فلسفہ

محفوظ کنندہ: مولانا تنویر الحق تھانوی

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیّدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہ صلی اللّٰہ علی خیر خلقہٖ محمد وعلی اٰلہٖ واصحابہ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَمْ یُرِیْدُوْنَ کَیْدًا فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھُمُ الْمَکِیْدُوْنَ. صدق اللّٰہ مولانا العظیم وصدق رسولہٗ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمدللّٰہ رب العالمین. بزرگانِ محترم وبرادران عزیز! سورۂ طور کی جن آیتوں کو پیش کیا جارہا تھا۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے جو اس وقت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے تمہید کے طور پر یہ بات ضرور عرض کردوں کہ بنیادی مضامین اس میں بیان کئے گئے تھے توحید۔ رسالت۔ اور آخرت اس سے پہلی آیتوں میں بھی توحید کے بارے میں بھی اور رسالت کے بارے میں بھی عرض کیا گیا۔ گزشتہ جمعہ نبوت سے متعلق یہ آیت پیش کی گئی تھی کہ اَمْ تَسْئَلُھُمْ اَجْرًا فَھُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ یہ نبی اور یہ پیغمبر جو آپ کو راستہ حق کا دکھارہے

آپ سے کچھ معاوضہ تو نہیں مانگتے' کچھ اجر تو نہیں مانگتے آپ سے' اور ہر نبی اور ہر پیغمبر جب آ کر اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے تو کہتا ہے مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں آپ لوگوں سے کوئی معاوضہ' کوئی بدلہ' کسی قسم کا اجر مانگنے نہیں آیا۔ اسی لئے' کہ حضور اکرم ﷺ' کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہے تبلیغ اور تبلیغ کی اجرت کسی نوعیت کی بھی ہو' (جائز نہیں) تعلیم' علماء نے جائز قرار دیا ہے کہ اگر آپ کسی کو کوئی کتاب پڑھا رہے ہیں کوئی فن پڑھا رہے ہیں چاہے حدیث کا ہو چاہے تفسیر کا ہو' وہ اس کے لئے ہے کہ آپ نے اس کا ایک مقررہ وقت لیا ہے' تعلیم کا معاوضہ جائز ہے تبلیغ کا معاوضہ جائز نہیں' جیسے پند و نصیحت کرنا ہے' وعظ اور تبلیغ کرنا ہے' ان چیزوں کا معاوضہ' بلکہ اُن تمام چیزوں کا معاوضہ اسلام میں جائز نہیں ہے کہ جو خالص طاعت اور اللہ کی عبادت قرار دی گئی ہیں' جیسے نکاح' یہ بھی خالص عبادت ہے' دیکھنے میں بظاہر یہ ایک دنیاوی معاملہ ہے کہ آپ' دونوں کو ازدواجی زندگی میں منسلک کر رہے ہیں مگر یہ خالصتاً عبادت اور طاعت ہے' یہی وجہ ہے اگر اس کی یہ حیثیت نہ ہوتی تو مسجد میں اس کی اجازت نہ ہوتی' چاہے بخاری اور قرآن شریف کی تجارت ہو اگر آپ مسجد میں بیٹھ کر اگر آپ یہ کریں کہ میں یہاں قرآن شریف کے نسخے فروخت کر رہا ہوں اور بخاری شریف کی کتابیں فروخت کر رہا ہوں' جائز نہیں مسجد میں' کیونکہ یہ تجارت ہے۔ چاہے قرآن کی ہو چاہے حدیث کی ہو' لیکن نکاح کی اجازت اس لئے ہے کہ یہ خالص طاعت اور خالص عبادت و بندگی ہے' تو اسلام میں یہ اصول ہے کہ جتنی چیزیں خالصتاً عبادت اور طاعت کی ہیں ان پر اجرت فقہاء نے جائز قرار نہیں دی ہے' سرکارِ دو عالم ﷺ کی پوری زندگی تبلیغ میں گزری ہے اس لئے آپ نے جگہ جگہ فرمادیا کہ میں تم سے کوئی اجر کوئی معاوضہ کوئی بدلہ کسی قسم کا میں عوض نہیں چاہتا۔ آج کی آیت' یہ بھی نبوت و رسالت ہی سے متعلق ہے فرمایا کہ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ (یُرِیدُون) عربی میں ارادے کے معنی جو آپ کے اور ہمارے محاورے میں بولے جاتے ہیں' وہ نہیں ہیں بلکہ کبھی کبھی محبت کے معنی میں یا کبھی کبھی مقصد اور مراد کو بنانے کے معنی میں' یہ لفظ بولا جاتا ہے کہ فرمایا کہ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا صرف ارادہ کرنا نہیں ہے وہاں' جس نے مراد بنالیا' اپنا مقصد زندگی بنالیا جس نے آخرت کو وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ اور ارادت کے معنی محبت کے بھی آتے ہیں ام یریدون کیا یہ معاند اور

یہ مخالف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی داؤ کھیلنا چاہتے ہیں کید عربی میں کید کے معنی آتے ہیں تدبیر مکر کے معنی بھی آتے ہیں تدبیر اور خود تدبیر بھی لفظ عربی کا ہے لیکن ایسی تدبیر کہ جس کے ساتھ آپ کر رہے ہیں جب اس کے علم میں آئے تو اس کو ناراض کر دے اس تدبیر کو کہتے ہیں کید' آپ نے کسی کے پیٹھ پیچھے کسی کے لئے کوئی ایسی تدبیر اختیار کی کہ جب اس کے علم میں یہ بات آئی کہ آپ نے یہ کیا ہے تو وہ بہت ناراض ہوا آپ سے' اس کا مطلب یہ ہے' کوئی چھپی ہوئی' کوئی مخالفانہ تدبیر اگر کی جائے تو اس کو کید بھی کہتے ہیں اُسی کو مکر بھی کہتے ہیں اور جس کا ترجمہ ہم اور آپ کرتے ہیں سازش چال چلنا داؤ کھیلنا یہی اس کا ترجمہ ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عالم عالمِ اسباب ہے یہاں پر تدابیر کے ذریعے سے کام ہوتا ہے اللہ نے یہ نظام ہی ایسا بنایا ہے۔ روزی بے شک اللہ تعالیٰ دیتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے تدبیر کے لئے یہ بتا دیا ہے کہ آپ زمین کھودیں بیج ڈالیں پانی دیں اور اس میں سے جو اناج پیدا ہوا سے کاٹیں اور کاٹ کر پھر آپ اس کو اپنی خوراک اور غذا کے طور پر استعمال کریں۔ نسلِ انسانی کے لئے بھی' نباتات کے لئے بھی حیوانات کے لئے بھی' یہ عالم اسباب کہلاتا ہے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسباب اور مسببات کا ایک بہت بڑا سلسلہ دنیا میں قائم فرمایا ہے' ہر کام یہاں تدبیر سے ہوتا ہے لیکن بعض تدبیریں تو ایسی ہیں کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو برابر کی سطح پر رکھا ہے' آپ اگر نعوذ باللہ! نعوذ باللہ! خدا کو گالیاں دینے والے ہیں تب بھی' فاسق ہیں تب بھی' مشرک ہیں تب بھی' مسلمان ہیں تب بھی' سب کے لئے بعض تدابیر ایسی ہیں کہ جن کے اثرات اور جن کی خاصیتیں انہیں اللہ تعالیٰ نے کوئی امتیاز نہیں برتا ہے سب کے لئے یکساں ہیں' جیسے خمیرۂ گاؤزباں' پھلوں میں سیب' ان کی خاصیتوں کو اللہ تعالیٰ نے مسلم اور غیر مسلم کے لئے محدود نہیں کیا ہے' مسلمان کھائے گا تو تازہ خون پیدا ہوگا خونِ صالح پیدا ہوگا۔ کافر کھائے گا تو خونِ صالح پیدا ہوگا ملحد و زندیق کھائے گا تو خونِ صالح پیدا ہوگا خمیرۂ گاؤزباں کوئی مشرک کھائے گا تو اس کو فائدہ پہنچائے گا مسلمان کھائے گا تو اس کو فائدہ پہنچائے گا' ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی اثرات کے لحاظ سے سب کو برابر کیا ہے اور اعمال اور اخلاق کی خاصیتوں میں بھی' دنیا کی حد تک اللہ تعالیٰ نے سب کو برابر رکھا ہے' اگر کوئی ملحد و زندیق' کافر اور خدا کو گالیاں دینے والا اگر انسانوں کے ساتھ دیانت داری کا سلوک کرتا ہے' آپ سوچیں گے کہ

انسانوں کے ساتھ وہ دیانت داری کیسے کرے گا جب نعوذ باللہ خدا کو ہی گالیاں دیتا ہے بعضے لوگ بڑے دیانتدار ہوتے ہیں' خدا ترسی کی بنأ پر نہیں ہوتے ہیں' بلکہ اُن کا پیشہ' اُن کی دنیاوی منفعت' آپ نے بہت سوں کو دیکھا ہوگا کہ بڑے بڑے بنیئے ہیں اور بڑے بڑے مہاجن ہیں' بغیر کسی تحریر کے' بغیر کسی رسید کے' ہزاروں' لاکھوں روپیہ اُن کے پاس آپ جمع کرادیتے ہیں آپ اُن کے پاس زیور رکھوادیتے ہیں خاندانوں کے خاندانوں کے حساب اُن کے پاس موجود ہوتے ہیں سالہا سال کے حسابات موجود ہوتے ہیں۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ایک پائی کی بھی کوئی خیانت نہیں ہے' اس وجہ سے نہیں کہ اُس کے دل میں آخرت کا خوف ہے' اُن میں سے تو بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جو آخرت کو مانتے ہی نہیں۔ آخرت کے خوف سے نہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کاروبار کا بھید یہ ہے' ایک مرتبہ اگر کسی آدمی کو میرے اوپر اطمینان ہوگیا تو یہ ساری عمر کے لئے میرا گاہک بن گیا اور اگر ایک مرتبہ بھی اس کے دل میں خیانت پیدا ہوگئی میری طرف سے بدگمانی پیدا ہوگئی مَیں چاہے خانہ کعبہ کا غلاف بھی اوڑھ کے آؤں یہ مجھ پر بھروسہ نہیں کرے گا اور یہ واقعی انسان کی نفسیات ہے' سہارن پور میں' میری بالکل ابتدائی تعلیم کا زمانہ تھا تو ایک دفعہ جب سردی کے کپڑے ہم رکھنے لگے تو کسی نے یہ کہا کہ صاحب اس میں فنائیل کی گولیاں آپ رکھیں' ہم نے کہا کہ اچھا بھئی کہاں ملیں گی' اُنہوں نے کہا بازار میں ملیں گی' جامع مسجد کے نیچے ایک صاحب تھے بیچارے بڑے مُتشرّع بڑے دین دار' ہم اُن کے یہاں گئے انہوں نے ہماری وضع قطع سے پہچان لیا کہ یہ دینی مدرسے کے طالب علم ہیں ہم نے کہا کہ ہمیں فنائیل کی گولیاں چاہئیے ہیں' آپ کے یہاں ہیں؟ تو بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتے کہ ہمارے یہاں ہیں یا نہیں ہیں' کہنے لگے کیا کریں گے؟ میں نے کہا کہ بھئی وہ گرم کپڑے' اب موسم سردی کا جاچکا ہے ان کو حفاظت سے رکھنا ہے اس میں گولیاں رکھنے کے لئے چاہئیں' تو وہ بڑے پیار و محبت سے فرمانے لگے کہ دیکھئے آپ طالب علم ہیں میرے پاس گولیاں فنائیل کی ہیں مَیں ابھی دے دیتا ہوں آپ کو' لیکن میں آپ کو ایک ایسا نسخہ نہ بتادوں کہ جس میں آپ کے پیسے بھی خرچ نہ ہوں' میں نے کہا وہ کیا ہے؟ کہنے لگے کہ آپ طالب علم ہیں آپ بلاوجہ پیسے خرچ کریں گے اور یہ گولیاں آتی بھی مہنگی ہیں (اب تو خیر سستی ہوگئیں) یہ آتی بھی مہنگی ہیں آپ ایسا کریں کہ نیم کے درخت کے پتے توڑیں اور پتے توڑ کے اُنہیں سُوکھا لیں اور ان

پتوں کو آپ کپڑوں کی تہ میں بچھا دیں' گولیوں سے زیادہ فائدہ ہوگا آپ کے پیسے بھی خرچ نہیں ہوں گے مَیں' صاحب! حیران۔ یہ میں نے پہلا دکاندار دیکھا ہے کہ جس کے پیشِ نظر میرا فائدہ ہے اپنی دکان کا فائدہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ یہ واقعہ ہوا لیکن اس کا اثر میرے دل پہ یہ ہوا اور ہر انسان کے دل پہ یہ ہوتا ہے بھئی! یہ بہت خیر خواہ' بڑا ہمدرد آدمی ہے' یہ کبھی کوئی بے ایمانی کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے کبھی زیادہ قیمت لینے کا سوال پیدا نہیں جس چیز کی ہمیں ضرورت پڑتی تھی اس کے بعد بس ہم ان کی دکان پر جاتے تھے آنکھیں بند کر کے لے آتے تھے گویا ہم اُن کی دکان کے مستقل گاہک بن گئے' اور حقیقت یہ ہے' مسلم قوم کی ساکھ بھی دنیا میں جب قائم ہوئی ہے' دنیا میں جب قائم ہوئی اُس کی وجہ بھی یہی تھی۔ ایک شخص بکری خریدنے کے لئے گیا اور بکری خرید کے لے آیا وہ وہاں پر اُس وقت ایک بچہ بیٹھا ہوا تھا اس نے وہ بکری کی قیمت اُسے معلوم تھی' اُس نے بیچ دی' باپ آیا تو پوچھا کہ اُس بکری میں ایک عیب تھا' خریدنے والے کو تُو نے وہ بھی بتا دیا تھا یا نہیں؟ اُس نے کہا' نہیں مَیں نے تو نہیں بتایا اُس نے کہا پھر یہ پیسے تو میرے لئے حلال نہیں ہیں' تُو نے دھوکہ دیا ہے خریدنے والے کو' اُسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا ہے' تلاش کر کے' جب وہ مل گیا ہے' تو اس کو بلایا اور بلا کے یہ کہا بھائی! تم یہاں سے بکری خرید کے لائے ہو وہ میرا بچہ بیٹھا ہوا تھا' اُس بچے نے تھوڑی سی غفلت برتی' اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس بکری کے اندر یہ عیب ہے' اب میں آپ کو بتاتا ہوں اس بکری میں عیب صرف یہ ہے کہ یہ بکری جب اس کے سامنے دانہ یا چارہ ڈالا جائے کھاتی کم ہے ضائع زیادہ کرتی ہے یہ اس کی فطرت بن گئی ہے یہ عیب ہے اس عیب کے ہوتے ہوئے اگر آپ اسے خریدنا چاہتے ہوں تو ماشاءاللہ کوئی حرج نہیں' لیکن میرا فرض ہے کہ میں آپ کو بتادوں۔ یہ وہ دیانت داری تھی کہ جس کی وجہ سے لوگ یہ کہتے تھے کہ ارے بھئی مسلمان مسلمان ہوتا ہے اُس میں تو خیانت آ ہی نہیں سکتی اور وہ بددیانت ہو ہی نہیں سکتا تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بنیوں کی دیانت داری یا جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں' اُن کی دیانت داری' وہ دنیاوی مصلحتوں کی بناء پر ہے' اپنی ساکھ قائم کرنے کی بناء پر ہے' تو عرض مَیں یہ کر رہا تھا کہ بعضے اعمال اور افعال ایسے ہیں' دیانت داری' مسلمان برتے گا انسانوں میں اعتبار قائم ہوگا' مشرک برتے گا لوگوں میں اعتماد بڑھے گا' اگر کوئی نصرانی' یہودی اگر کوئی دیانت داری اختیار کرے گا تو اُس کا اعتبار بڑھے گا۔

جھوٹ' مسلمان بولے گا' بداعتمادی پیدا ہوگی آپ یہ نہ سمجھئے کہ صاحب اگر کافر جھوٹ بولے گا تو بداعتمادی ہوگی اور ہم تو مسلمان ہیں ہم جھوٹ بھی بولیں گے تو ہمارا اعتبار رہے گا یہ کبھی نہیں ہوسکتا' ان تمام اعمال کی خاصیتیں اللہ تعالیٰ نے سب کے لئے یکساں رکھی ہیں' عدل اور انصاف' ظلم' عدل کی جو خاصیت ہے اگر کافر اختیار کرے گا تو وہ ظاہر ہوگی مسلمان اختیار کرے گا تو وہ ظاہر ہوگی ظلم کی ایک خاصیت ہے اگر مسلمان اختیار کرے گا تو وہ ظاہر ہوگی اگر کافر اختیار کرے گا تو وہ ظاہر ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اگر مسلمان کوئی عمل کرے اس کی خاصیت اس وجہ سے اللہ تعالیٰ روک دیں کہ یہ ہمارے مذہب کا آدمی ہے' یہ مسلمان ہے' نہیں کبھی نہیں' غالباً شاہ جہاں کے زمانے کا واقعہ ہے ایک بہت بڑے اُس زمانے کے بزرگ تھے گجرات کے علاقے میں حضرت سید آدم بنوری' بہت بڑے معروف و مشہور بزرگ تھے سید آدم اُن کا نام تھا' بڑے اُن کے اثرات تھے' کسی نے یہ چغلی کھائی کہ ان کے اثرات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اب یہ حکومت کے لئے خطرہ بن گئے ہیں' کیا کیا جائے؟ شاہ جہاں ویسے بھی علماء اور مشائخ کا احترام کرتے تھے لیکن اقتدار کا معاملہ بڑا نازک ہے باپ بیٹے کا نہیں کرتا بیٹا باپ کا نہیں کرتا استاد شاگرد کا نہیں کرتا' شاگرد استاد کا نہیں کرتا' شاہ جہاں خوف زدہ ہوئے انہوں نے کہا کہ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک خوان نعمت تیار کریں اُس میں ایک خلعت فاخرہ ہو رقم ہو اور ہماری طرف سے بطور ہدیے کے ان کو پیش کریں اور یہ کہیں کہ بادشاہ کی خواہش یہ ہے کہ آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جائیں' جب حضرت سید آدم بنوری کے پاس وہ تحفہ پہنچا اور یہ الفاظ پہنچے تو فوراً کھٹک گئے' اللہ والوں کی حس بڑی تیز ہوتی ہے' اللہ والے جو ہیں بڑے ذکی الحس ہوتے ہیں فوراً اُس کے قلب کا جو خیال تھا وہ دل پر آ گیا کہ اس کو شاید اس سلطنت میں میرا رہنا پسند نہیں ہے' خلعت فاخرہ واپس کیا اور ارادہ کرلیا ملک چھوڑنے کا' کچھ روز کے بعد خواب دیکھا شاہ جہاں نے' کہ وہ جس چارپائی پر سو رہے ہیں اُس چارپائی کو کسی نے الٹ دیا' یہ نیچے چارپائی اوپر' بڑے پریشان ہوئے' معبرین کو بلایا' تعبیر دینے والوں کو بلایا' ارے بھئی! یہ خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتاؤ' پھر ہر شخص اپنے اپنے مزاج کے مطابق' جیسے کوئی حکیم کو لاتا ہے کوئی ڈاکٹر کو لاتا ہے کوئی کسی عطائی کو لاتا ہے بعضے لوگ دیوانِ حافظ بھی لے آئے کہ صاحب فال بھی کھول کے دیکھو' میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ فال کھولنے کی اجازت ہے' نہیں؛

چاہے قرآن سے ہو چاہے دیوانِ حافظ سے ہو شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے میں ایک واقعہ بتا رہا ہوں۔ لیجئے! دیوانِ حافظ بھی لے آئے اور تعبیر دینے والے بھی آ گئے جب دیوانِ حافظ سے فال کھولی گئی تو یہ شعر نکلا دیوان حافظ کا یہ شعر نکلا کہ جس کا حاصل یہ ہے۔ (معاف کیجئے میں بھول رہا ہوں۔) نوٹ از مرتب: کبھی کبھی لیکن بہت کم ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ بیان کردہ واقعہ کی کیفیت اتنی غالب آ جاتی تھی کہ برسوں کا بارہا مرتبہ کا ازبر شعر حضرت مولانا کے حافظہ سے اتر جاتا تھا' آیت قرآنی ''وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ'' کی حقانیت بھی ثابت ہوتی ہے' واللہ اعلم بالصواب۔ وہ شعر اب میں لکھ رہا ہوں۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را ☆ چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شمع نے پروانے کو جلا کر خاک کر دیا' جس شمع نے پروانے کو جلا کر بالکل خاک کر دیا شمع نے ظلم کیا اُس کا خون کر دیا' لیکن فرمایا کہ اُس خون کا نتیجہ یہ نکلا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ شمع بھی پگھل پگھل کر ختم ہو گئی وہ بھی زیادہ قائم نہ رہ سکی۔ جب یہ شعر نکلا تو فوراً لوگوں نے یہ کہا کہ وہ جس بزرگ کو آپ نے اپنے ملک سے جانے کے لئے کہا تھا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ ساعت' جب آپ نے خواب دیکھا ہے آپ کے ملک کی سرحد کو پار کر کے چلے گئے ہیں اور ان کا جانا جو ہے یہ آپ کے ملک کی زوال کی علامت ہے' اور تعبیر دینے والوں نے بھی تعبیر دی۔ میں نے یہ بات اس لئے کہی' اعمال کی خاصیتیں سب کے لئے برابر ہیں اور جھوٹ کی خاصیت دنیاوی اعتبار سے سب کے لئے برابر' سچ کی خاصیت سب کے لئے برابر عدل کی خاصیت سب کے لئے برابر ظلم کی خاصیت سب کے لئے برابر لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جو ہمارے اوپر ایمان رکھنے والے ہیں اُن کے لئے ہم نے خاص انتظام یہ کیا ہے کہ اُن کے اعمال کا اثر ڈبل کر دیا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی' لیکن جو ایمان سے محروم ہیں ان کے اعمال کا اثر دنیا تک ہے خاصیتیں دنیا تک ظاہر ہوں گی اچھے اعمال کی خاصیتیں دنیا تک ظاہر ہوں گی۔ مثلاً اگر کسی غیر مسلم نے عدل کیا ہے دنیا میں اس کا اجر اُس کو مل گیا آخرت میں عدل جو ہے نیکی میں شمار نہیں ہے کیوں؟ اس لئے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل نیکی نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی لاکھوں روپیہ خرچ کرتا ہے دنیا میں یہ اثر ہے کہ لوگوں کی نظروں میں وہ حاتم طائی مشہور ہو جائے اور بڑا

سخی مشہور ہو جائے یہ خاصیت رکھی ہے لیکن آخرت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس کا شمار نیکی میں نہیں ہے اور میں نے بعض دوستوں کو صرف سمجھانے کے لئے کہا اس لئے کہ متکلمینِ اسلام جن کو متکلم کہتے ہیں علم کلام ایک مستقل فن ہے، متکلمین کا کام یہ ہے کہ وہ مثالوں سے سمجھائیں، مثال اور چیز ہوتی ہے حقیقت اور چیز ہوتی ہے مثلاً حساب میں زیرو، زیرو سے کتنی رقمیں بنتی ہیں اگر دس پر لگا دیجئے تو سو ہو جائے اور لگا دیجئے ہزار ہو جائے اور لگا دیجئے تو رقم بڑھتی چلی جائے لیکن ایک آدمی بغیر کسی (فیگر Figer) کے بنائے ہوئے بغیر کسی ہندسے کے بنائے ہوئے زیرو زیرو۔ زیرو۔ زیرو۔ زیرو۔ زیرو۔ لگا تا چلا جا رہا ہے ایک پائی کی رقم بھی نہیں بنے گی، کیوں؟ اس لئے کہ زیرو کی ویلیو (Value) اُس وقت قائم ہوتی ہے جب کہ اس سے پہلے کوئی ہندسہ ہو اگر کوئی ہندسہ نہیں ہے تو اس کا شمار رقم میں نہیں ہے اسی طرح دنیا میں انسانوں کے نیک اعمال (نیک) اُس وقت سمجھے جائیں گے جبکہ ایمان کا فیگر موجود ہو، اگر ایمان کا فیگر موجود نہیں ہے تو سارے اعمال ایسے ہیں کہ جیسے بغیر ہندسے کے زیرو لگاتے چلے جا رہے ہیں، کوئی اس کی حیثیت نہیں ہے، میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـــًٔـا کافر اپنے اعمال کو دور سے دیکھ کے یہ سمجھے گا کہ جیسے کوئی لہلہاتا ہوا موجیں مارتا ہوا دریا ہے لیکن جب اُس کے قریب جائے گا تو معلوم ہو گا کہ او ہو یہ تو ریت ہی ریت ہے مجھے تو ریت سے دھوکہ ہو گیا یہ تو اصل میں دریا نہیں دور سے دریا نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ریت ہے۔ تو میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا تھا کہ تدابیر، مومن کو بھی کرنی ہیں کافر کو بھی کرنی ہیں لیکن بعض تدابیر ایسی ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں، اُن کی خاصیتیں، اللہ تعالیٰ نے مومن اور مسلمان کے لئے مقدر فرمائی ہیں اور اس کا تعلق اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد سے ہے یعنی اِس کو یوں سمجھئے کہ تمام تدابیر، (کئی دفعہ یہ بات عرض کر چکا ہوں) ریلوے کا ایک نظام ہے، آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک ریل ہے کہ جس میں آٹھ دس بوگیاں لگی ہوئی ہیں کسی ایک انسان کی تو کیا اگر سینکڑوں آدمی بھی لگ جائیں تو اس کو ہلا نہیں سکتے لیکن آپ یہ دیکھتے ہیں کہ گارڈ ایک کھڑا ہوا ہے ایک لکڑی ہے اُس پہ ہرا سا کپڑا ہے، چیتھڑا کہئے کپڑا کیا ہے چیتھڑا، ذرہ سا، ہرا لگا ہوا، وہ یوں کرتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی حرکت کرنے لگتی ہے تیز ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ اتنا بڑا اژدہا تیزی سے چلا جا رہا ہے وہ گارڈ اگر اپنی لال جھنڈی ہلا دیتا ہے فوراً کھڑی ہو جاتی ہے۔ اب یہ زمانہ ایسا نہیں

ہے کہ لوگ ان کی حقیقتوں سے واقف نہ ہوں' ایک زمانہ تھا کہ عرب کے لوگ ٹیلی فون پہ بات کرتے تھے تو حیرت ہوتی تھی اُنہیں' کہا کرتے تھے کہ ''الشیطان یتکلمُ فیه ''اس میں تو شیطان بولتا ہے اب حقیقت ان کی سمجھ میں آ گئی' تو اب آپ ایمان داری سے بتائیے! یہ گارڈ کے ہاتھ میں جو ایک ذرا سی لکڑی اور یہ ذرا سا چیتھڑا بندھا ہوا ہے' کیا اس میں یہ طاقت ہے کہ گاڑی کو چلا دے' کیا اس میں یہ طاقت ہے کہ چلتی ہوئی گاڑی کو روک دے؟ آپ سب کہیں گے کہ نہیں یہ بالکل غلط ہے گاڑی کو روکنے میں یا گاڑی کو چلانے میں ہری جھنڈی لال جھنڈی کے اس کپڑے اور اس لکڑی کو کوئی دخل نہیں ہے چلانے والا انجینئر' چلاتا ہے انجینئر' روکتا ہے صرف اتنی بات ہے کہ ریلوے کے نظام میں لال اور ہری جھنڈی بطور علامت کے اختیار کی گئی ہے' ایک نشانی ہے ایک علامت ہے اور فرض کر لیجئے کہ اگر یہ علامت کل کو ختم ہو جائے وہ صرف ہاتھ ہلا دے یوں ہلا دے تو روک دینا اور یوں ہلا دے تو چلا دینا' کیا ہاتھ نہیں چلائے گا' آپ سمجھ گئے' گاڑی کو چلانے والا چلاتا ہے روکنے والا روکتا ہے' جھنڈی کو کوئی دخل نہیں۔ بس کاش یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں آ جائے کہ دنیا میں جتنی تدبیریں انسان کرتا ہے' اُن تدبیروں کی حیثیت ہری جھنڈی اور لال جھنڈی سے زیادہ نہیں ہے' جو کام دنیا میں ہوتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں آپ کی اس ہری جھنڈی اور لال جھنڈی سے نہیں ہوتے۔ آپ کی تمام تدابیر جو آپ کرتے ہیں ان کی حیثیت لال جھنڈی اور ہری جھنڈی سے زیادہ نہیں ہے لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ پھر صاحب ہم تدبیر نہ کریں' اگر آپ نہیں کریں گے تو ریلوے کے نظام کی خلاف ورزی کریں گے' جرم ہے یہ۔ جس کو چلانا ہے گاڑی تو وہ تو پھر بھی چلا دے گا جس کو روکنا ہے وہ تو پھر بھی روک دے گا مگر اس کو سزا ضرور ملے گی کہ جس نے ریلوے کے نظام کی مخالفت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب دینا چاہتے ہیں تو آسمان سے خوان نازل فرما دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ساری تدبیروں سے ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ جائے تو یہ مجرم ہے' کیوں؟ اس لئے کہ اللہ نے جو نظام تدابیر کا مقرر کر دیا' اس نے اس کے ساتھ بغاوت کی ہے۔ تدبیر ہم کس لئے کرتے ہیں؟ ایک بڑا اچھا سوال کسی نے کیا تھا کہ صاحب جب سارے کام تقدیر سے ہوتے ہیں تو پھر تدبیر ہم کیوں کرتے ہیں؟ جب سارے کام تقدیر سے ہوتے ہیں تو ہم تدبیر کیوں کرتے ہیں؟ تو بہت سے لوگ تو اصل میں اس تقدیر کے بہانے سے اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ گئے' علامہ اقبال مرحوم نے ٹھیک کہا ہے کہ یہ خود کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں' خدا کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔ فرمایا کہ۔

عمل سے غافل ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ ☆ خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ خود فریبی

یہ دھوکہ دینا ہے۔ مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ کام جب سب تقدیر سے ہوتے ہیں تو تدبیر کے لئے کیوں حکم دیا گیا؟ فرمایا اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ (تم تدبیر کرو کام نہ ہو) تاکہ یقین ہوجائے کہ تقدیر کوئی چیز ہے۔ اس لئے حکم دیا ہے۔ اگر ہر تدبیر سے تمہارا کام ہوجایا کرتا تو کبھی تقدیر پہ تمہارا ایمان نہ ہوتا، تدبیر کا حکم اسی لئے دیا۔ بس اگر آپ یہ سمجھ گئے تدابیر بندہ کرتا ہے اثر اُس میں اللہ تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں اور باقی یہ جتنے کل پُرزے ہاتھ آپ کو نظر آتے ہیں (خدا کے لئے) آپ اِن کو مدبّر نہ سمجھیں، آپ ان کو فعّال نہ سمجھیں یہی وجہ ہے کہ ہم اور آپ اپنی تدبیر پہ بھروسہ کرتے ہیں اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد پہ بھروسہ نہیں کرتے۔ اگر یہ بات معلوم ہے کہ خدا کی نصرت اور خدا کی مدد سے ہوتا ہے تو مَیں آپ سے بس اتنی سی بات پوچھوں گا کہ اگر آپ کوئی ایسی تدبیر کریں جو تدبیر خدا اور رسول ﷺ نے بتائی ہے تو اس میں آپ کو خدا کی مدد ملے گی یا ایسی تدبیروں میں خدا کی مدد ملے گی کہ جو خدا اور خدا کے رسول نے نہیں بتائی! موٹی سی بات ہے، اگر آپ میں سے کوئی آدمی نکل کر میدان میں ایسا کام کرے جس کو حکومت بھی چاہتی ہو پولیس تعاون کرے گی آپ کے ساتھ، انتظامیہ تعاون کرے گی آپ کے ساتھ لیکن اگر آپ کوئی ایسا کام کریں کہ جو حکومت نہیں چاہتی ہے تو کوئی تعاون نہیں کرے گی، موٹی سی بات ہے اگر آپ کوئی ایسی تدبیر کریں کہ جس تدبیر کے کرنے کا حکم خدا اور خدا کے رسول نے دیا ہے، ناممکن ہے کہ آپ ایسی تدبیر کریں اور اللہ کی طرف سے اس میں تاثیر اور نصرت حاصل نہ ہوجائے لیکن اگر کوئی تدبیر ایسی کریں جو خدا اور خدا کے رسول کے خلاف ہے، تدبیریں کرتے کرتے تھک جاتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ ایک بڑا اچھا جملہ فرماتے تھے فرماتے تھے کہ اگر بھئی کوئی کام خدا کے حکم مطابق تم کرو اس لئے کرو کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تب تو اللہ کی مدد ہوتی ہے اور اگر تم کوئی ایسا کام کرو جو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تو اللہ تعالیٰ غیر جانب دار ہو کے بیٹھ جاتے ہیں (اچھا کر کے دیکھ لو) بالکل صحیح بات ہے۔ اُنہی تدابیر کو مدد ملتی ہے جو تدابیر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بتائی ہیں خدا نے بتائی ہیں۔ اب سوچی ہوئی تدبیروں سے ہماری مشکلات حل ہوں گی یا نبیوں کی بتائی ہوئی تدبیروں سے ہماری مشکلات حل ہوں گی؟ سوچی ہوئی تدابیر سے حل نہیں ہوں گی

کبھی حل ہوئیں نہیں، اُنہی تدابیر سے ہوں گی جو تدابیر اللہ نے بتائیں رسول نے بتائیں، اس میں مدد ملے گی میں کہا کرتا ہوں کہ ہم لوگ کام اسلام کے لئے کرتے ہیں ایک قدم آگے بڑھتے ہیں ایک اسلام کا حکم توڑتے ہیں پھر دوسرا قدم آگے بڑھاتے ہیں، دوسرا حکم اسلام کا توڑتے ہیں پھر تیسرا قدم آگے بڑھاتے ہیں پھر ایک حکم اسلام کا توڑتے ہیں ارے بھئی! تم تو خدا کے احکام کو توڑتے ہوئے چل رہے ہو نصرت تمہیں ملے گی کیسے؟ اللہ کی مدد کیسے ملے گی تمہیں؟ مدد اُن لوگوں کو ملتی ہے چاہے کمزور ہوں چاہے بے سروسامان ہوں، چاہے تھوڑے ہوں، یہ کہیں کہ اے اللہ! ہمیں نہیں معلوم، کامیابی کیسے ہوگی؟ تُو نے اور تیرے نبی نے یہی طریقہ بتایا ہے جو ہم نے اختیار کرلیا، اب یہ تیرا کام ہے کہ تو ان تدبیروں کو کامیاب بناتا ہے یا نہیں بناتا ہے؟ یہ صحیح طریقہ ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے عرض کی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مثبت اور ایجابی طریقے پر دین کو پیش کرتے رہے لیکن دشمنوں نے منفی طریقے پر ان کا مقابلہ کیا تدبیریں کون سی اختیار کیں، پیغمبروں کو ایذائیں پہنچائیں، پیغمبروں پر تہمتیں لگائیں، پیغمبروں کے مرتبوں کو کم کرنے کی کوشش کی اور ان کو ہلاک کرنے کی کوششیں بھی کی تھیں لیکن یہ سب کی سب رکھی رہ گئیں جس نبی کو اللہ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ ہمیں تو صرف ایک کام کرنا ہے جو اللہ نے بتادیا ہے اُس طریقے پہ چلنا ہے اور کس طرح کامیابی ہوگی اور کس طرح نہیں ہوگی؟ حدیث میں آتا ہے کہ جب سرکارِ دوعالم ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ آپ اپنے رشتہ داروں سے تبلیغ کا کام شروع کریں تو آپ نے پہاڑ پر چڑھ کر اعلان فرمایا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا آواز دی لوگ جمع ہوگئے اور آپ نے اس وقت یہ پیش کیا کہ میں اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں تم کو اسلام کی اور توحید کی دعوت دیتا ہوں تو مشہور یہ ہے کہ ابولہب نے یہ کہا تبًّا لَّكَ سَائِرَ الْاَيَّامِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ نعوذ باللہ تباہی اور بربادی ہو آپ کے لئے کیا آپ نے اسی کام کے لئے ہم کو جمع کیا تھا؟ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۔ اس موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں اگرچہ کم عمر ہوں میرا قد چھوٹا ہے لیکن میں آپ پر ایمان لاتا ہوں آپ کا ساتھ دیتا ہوں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ کوشش کروں گا اسلام کی، تو بعض لوگوں نے مذاق اڑایا اور یہ کہا (یہ لفظ مذاق کے سنیئے) یہ دیکھئے! ذرا ڈیڑھ آدمی ہیں ایک سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آدھے

حضرت علیؓ، فرمایا یہ ڈیڑھ آدمی دیکھئے! یہ نقشہ بنا رہے ہیں ساری دنیا کے اندر دین پھیلانے کا اور اپنی آواز کو پھیلانے کا' لیکن دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ یہ ڈیڑھ آدمیوں سے جو شروع ہوا تھا آپ نے کیا فرمایا اُس وقت فرمایا جب کوئی آثار نہیں تھے تو آپ نے فرمایا لَا یَبْقَیٰ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتِ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ روئے زمین پر کوئی پکا مکان کوئی جھونپڑی باقی نہیں بچے گی انسان کی جہاں اسلام کی آواز نہیں پہنچ جائے گی۔ یہ جب فرمایا جب ڈیڑھ آدمی ہیں لَا یَبْقَیٰ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتِ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ۔ پھر! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کس کس طریقے سے بے ادبی کی گئی بعض لوگوں نے بہو بیٹیوں کے نام مسلمانوں کے استعمال کرنے شروع کئے' غنڈہ گردی۔ اور بعض لوگوں نے حد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بدل دیا۔ آپ کا نام ہے محمد لوگوں نے نام رکھا آپ کا مذمّم' محمد کے معنی وہ جس کی ہر جگہ حمد کی جائے مذمم وہ جس میں ہر بات برائی کی ہو آپ کو مذمم کہا اور مذمم کہہ کے بُری بھلی باتیں کہیں' صحابہ آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! بہو' بیٹیوں کی گالیاں تو ہم سننے کو تیار ہیں مگر رسول اللہ کے نام کی جو توہین ہے وہ ہمیں برداشت نہیں' وہ ہمیں برداشت نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں خوش ہونا چاہیے اللہ نے تمہارے نبی کے نام کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا ہے کہ وہ ایک نیا لفظ بنائیں مذمّم' اُس کو گالیاں دیں وہ گالیاں تو مذمّم کو دیتے ہیں مگر تمہارے نبی کا نام تو محمد ﷺ' محمد کو تو نہیں دے رہے۔ یہ تو اللہ نے اُن کے دل میں ڈالا' پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگی (تہمت) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جہاد میں ساتھ گئی ہیں' عمر اُن کی کم ہے' چونکہ اولاد بھی نہیں ہوئی اور قد و قامت بھی بڑا نہیں ہے جسم بھی ہلکا ہے' آیتِ حجاب اور پردے کی آیت نازل ہو چکی ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے ساتھ ہیں' واپسی پر' کچھ لوگوں کے درمیان یہ جھگڑا ہو گیا ہم مہاجر ہیں ہم انصار ہیں آپ نے اندازہ لگا لیا کہ لشکر میں کچھ منافق شامل ہو گئے ہیں جلد سے جلد واپس پہنچ جائیں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ رات کو آپ ٹھہرتے تھے صبح کو آپ روانہ ہوتے تھے مگر یہ حالات چونکہ تھے اس لئے آپ نے رات کو زیادہ قیام کرنا پسند نہیں کیا حضرت عائشہ صدیقہ اپنی ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے جنگل میں گئی ہوئی تھیں۔ آپ نے کوچ کا حکم دیدیا' جس پہ پردہ پڑا ہوا تھا وہ کجاوہ اٹھا کے اونٹ پر رکھ دیا گیا یہ اندازہ

نہیں ہوا کہ حضرت عائشہؓ اس میں موجود ہیں یا نہیں؟ جب منزل پہ پہنچے تو پتہ چلا کہ حضرت عا
صدیقہؓ اس میں موجود نہیں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ واپس آئیں تو دیکھا کہ لشکر روانہ ہو چکا ہے آ
نے کہا مجھے یہیں پر ٹھہرنا چاہئے کیونکہ آپ کسی نہ کسی کو تلاش کے لئے بھیجیں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ
کہیں بھٹک جاؤں' صفوان بن معطّل پیچھے سے آ رہے تھے' لشکر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بعض آدمی
رکھے جاتے ہیں کہ گری پڑی چیز اٹھا کے لے آئیں صفوان بن معطّل نے حضرت عائشہؓ کو آپ
حجاب کے نازل ہونے سے پہلے دیکھا تھا پہچان گئے انہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا اور کجاوہ اتارا اور
اٹھا کر رکھ دیا اونٹ کے اوپر' نکیل پکڑ کے' لے جا کے لشکر سے ملا دیا بعض لوگوں نے یہ مشہور کیا
نعوذ باللہ' نعوذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہ جو وہاں پر رہ گئی ہیں اس میں "کچھ دال میں کالا ہے" کوئی
ہے کہ جس کی وجہ سے یہ رہ گئیں مطلب یہ ہے کہ نبی کی طرف سے بداعتمادی پیدا ہو جائے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان ہوئے حق تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بر
کے لئے قرآن کریم میں آیتیں نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو تنبیہ کی' ان الفاظ میں تنبیہ کی
"وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ" یہ جو تمہارے منہ سے یہ باتیں نکل رہی تھیں تم ا
معمولی سمجھتے تھے مگر خدا کے نزدیک یہ بہت بڑی باتیں ہیں' وہ تار و پود بکھر گیا' وحی نے برأت ظاہر کی
تو مطلب میرے کہنے کا یہ تھا۔ آخری تدبیر جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کی گئی جس کو کید اور مکر کہا
ہے کہ سب تدبیریں کر کے دیکھ چکے اب انہیں ہلاک کر دیا جائے، ان تدبیروں میں اللہ کی جانب
کیا مدد ہوتی ہے اور یہ تدبیریں کس طریقے سے ناکام ہو جاتی ہیں، سرکار دو عالم ﷺ کے بارے
دارالندوہ میں جمع ہوئے اور یہ کہا کہ ایک ہی طریقہ ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ ان کو سب مل کر ہلاک کر
قبائل کے سردار سب اپنے اپنے ہاتھوں میں تلوار لے کے کھڑے ہوں اور ایک ہی مرتبہ میں سب وار
تا کہ آپس میں قبیلے ایک دوسرے سے نہ لڑیں، یہاں یہ مشورہ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیجا ہے
دو عالم ﷺ کے پاس، آپ نے حضرت علیؓ کو وہاں پر گھر پہ چھوڑا ہے اور اس کے بعد آپ اسی مج
بیچ میں سے، اللہ نے انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور انکے بیچ میں سے آپ نکل گئے ہیں اور حضو
ﷺ کو نہیں دیکھا، یہ وہ ہے جس کو قرآن کریم نے کہا وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُو
اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ، وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ. تم ا

کرتے ہو، ناکام ہوتے ہو، تدبیر اللہ کی کامیاب ہوتی ہے ایک بات اور بتادوں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیچارے بے زبان ہیں، طبیعت میں تیزی ہے لیکن بہت سادہ ہیں، اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو لے کے پہاڑ پہ گئے وہاں حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا او ہو ساری قوم نے کہا دیکھو تو یہ کیسے نبی ہیں اپنے بھائی کو قتل کر دیا یہ کیسے نبی ہیں اپنے بھائی ہارونؑ کو قتل کر دیا انکو پہاڑ پہ لے گئے اب بنی اسرائیل کو اکسا رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف۔ حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور فرشتوں کے ذریعے سے انکی لاش کو اٹھوا کر قوم کے سامنے لائے اور دیکھا کہ انکی لاش آئی ہے اور انکی لاش پر کہیں کوئی قتل کا نشان نہیں، لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی قتل نہیں کیا گیا ہے موت واقع ہوئی ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قارون نے ایک عورت کو بڑی رقم دی اور یہ کہا کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وعظ کہہ رہے ہوں اس وقت تُو وعظ میں جا کر، سب کے سامنے یہ کہنا کہ یہ اپنے کو نبی اور پیغمبر کہتے ہیں اور میرے ساتھ انکے ناجائز تعلقات ہیں، جب تُو یہ جا کر کہے گی، نبوت ختم، وہ لالچ میں تیار ہو گئی، وعظ کی مجلس میں بھی چلی گئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے قلب تبدیل فرما دیا، عین وعظ میں جب پہنچی ہے اور پہنچ کر کہتی ہے کہ بھائیو! میں اس کا اعلان کرتی ہوں کہ مجھے قارون نے بہت بڑی رقم دی ہے تا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتہام لگاؤں اور تہمت لگاؤں لیکن یہ بالکل پاک دامن ہیں، میں جھوٹ نہیں بولونگی اس لئے میں ان پر کوئی الزام نہیں لگاتی ہوں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت وہاں پر فرمائی۔ کہتے ہیں نا، "جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے" تو بس! اَمْ یُرِیْدُوْنَ کَیْدًا فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھُمُ الْمَکِیْدُوْنَ۔ کیا آپ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلنا چاہتے ہیں، مگر آپ کو پتہ نہیں ہے کہ اس پیغمبر کی پشت پر اللہ کی تدبیریں ہیں فالذین کفروا ھم المکیدون۔ یاد رکھیئے! جو لوگ داؤ پیچ کھیلیں گے نبی اور پیغمبر کے ساتھ، آخرت میں انہیں پتہ چلے گا کہ دراصل وہ خود انہی داؤ پیچ میں گرفتار ہو گئے ہیں اس کا نقصان نبی کو کوئی نہیں پہنچا ہے انہی لوگوں کو اس کا نقصان پہنچے گا کہ جو نقصان پہنچانے والے ہیں، "کید" کے معنیٰ ہیں چھپی ہوئی تدبیریں کرنا، سازشیں کرنا، خفیہ طور پر اس قسم کی باتیں کرنا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ اپنے نیک بندوں کی اعانت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان مفسدوں کی اعانت نہیں کرتا، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

خطبات احتشام عنوان

لفظ نجم سے مراد 5 باتیں مع تشریحاتِ پُر لطف

(اور)

کُل انبیائے سابقین سمیت نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم عنِ الخطا' نیز ضلالت وغوایت سے پاک ہونے کے بنیادی عقیدہ

(کے علاوہ)

صاحِب اور صاحَب میں باریک فرق

جمعہ کی تقریر

سورۃ النجم 21-9-79

بمقام جامع مسجد تھانویؒ جیکب لائن کراچی' محفوظ کنندہ: تنویرالحق تھانوی

الحمد للّٰہ نحمدہ' ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھد ہ اللّٰہ فلامضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیّدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی۔

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

قرآن کریم کی اس مشہور سورت کی ابتدائی آیتیں گذشتہ جمعہ سے آپ کی خدمت میں پیش

کی جا رہی تھیں اور میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نجم کی قسم کھائی ہے اور نجم سے مراد یہ بھی ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ ستارے سے مسافروں کو راستہ ملتا ہے۔ ستاروں کے ذریعہ رہبری ہوتی ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کے ذریعہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رہبری عطا فرمائی' اس لئے آپ کو بھی نجم کہا گیا اور اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کو فرمایا ہے کہ یہ ستارے ہیں' اصحابی کالنجوم۔ میرے صحابہ ایسے ہیں جیسے ستارے ہوتے ہیں کہ راہ گیر اور مسافروں کو اُن سے راستہ ملتا ہے' منزل ملتی ہے تو اس لئے حضور اکرم ﷺ کے ذات گرامی اگر مراد ہو تو ترجمہ یہ ہوگا' قسم ہے' ذات گرامی کی' جبکہ آپ نیچے تشریف لائے۔ یعنی اُس وقت کی قسم کھائی جا رہی ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ سفر معراج سے واپس نیچے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ کیفیت اُس کیفیت سے بہت اعلیٰ ہے' جب آپ اوپر تشریف لے جا رہے ہیں' سفر کے دو موٹے موٹے حصے شمار کرنے چاہئیں ایک نیچے سے اوپر کو جانا' ایک اوپر سے نیچے کو آنا۔ بظاہر انسانوں کی نظر میں نیچے سے اوپر کو جانا' یہ کیفیت زیادہ خوبصورت حسین اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ اس پر غور کریں کہ حضور اکرم ﷺ جب نیچے سے اوپر کو تشریف لے جا رہے ہیں تو وہ شرف اور قرب کا وہ مقام ابھی آپ کو حاصل نہیں ہے جو بلندی پر جا کر حاصل ہونے والا ہے اور جب آپ اوپر سے نیچے تشریف لا رہے ہیں تو اُس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ شرف عطا فرمایا ہے کہ جو جاتے وقت آپ کو حاصل نہیں تھا بلکہ اترتے وقت آپ کو حاصل ہو گیا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ انسان کی ظاہری نظروں میں بظاہر چڑھنا' بہتر معلوم ہوتا ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کو قرب کے وہ تمام درجات اُس وقت ملے ہوئے ہیں جبکہ آپ اوپر سے نیچے تشریف لا رہے ہیں۔ یہ کیفیت زیادہ بلند کیفیت ہے۔ اسی لئے' انسان اپنی سطحی نظر میں بعض چیزوں کو عروج قرار دیتا ہے اور بعض چیزوں کو نزول قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم جس کو نزول سمجھ رہے ہو خدا کی نظروں میں وہ عروج ہے اور جس کو تم عروج سمجھ رہے ہو خدا کی نظروں میں وہ عروج نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس سفر کی دونوں کیفیتوں سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ گویا یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور کی ذات مبارک کی قسم کھائی ہے جبکہ آپ قرب الٰہی کے اُس مقام پر ہیں کہ جب آپ عرش الٰہی سے نیچے تشریف لا رہے ہیں۔ والنجم اذا ھوی۔ یہ بھی ممکن

ہے کہ نجم سے مراد ہو قرآن کریم کیونکہ تنجیم کے معنیٰ عربی میں آتے ہیں تھوڑا تھوڑا' آہستہ آہستہ
قرآن کریم تیئس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا ہو کر نازل ہوا ہے۔ نجم سے مراد قرآن ہے تو ترجمہ
ہوگا کہ قسم ہے کلامِ الٰہی کی' قسم ہے قرآن کریم کی' جبکہ وہ نیچے آئے' جبکہ وہ نازل ہو۔ دونوں با
ہو گئیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ نجم سے مراد ہے ستارہ' اور اللہ تعالیٰ ستارے کی قسم کھا کے فرما رہے
کہ قسم ہے ستارے کی جب کہ وہ نیچے آئے یعنی غروب ہو جائے۔ جب ستارہ غروب ہو جائے' اُ
قسم کھانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ ستارہ جب نکلے تو راہ گیر کو روشنی ملتی ہے مسافر کو منزل ملتی
غروب ہو جائے تو کیا ملتا ہے؟ فرمایا کہ کبھی کبھی ستارے کے غروب ہونے سے بھی رہبری ملتی
کیسے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام الزامی جو
کے طور پر اپنی قوم کو سمجھا رہے ہیں' جو ستارہ پرست تھی' ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ ستاروں میں
قمر' سورج' چھوٹا ستارہ ستارہ کہلاتا ہے۔ اُس سے بڑا چاند کہلاتا ہے۔ اُس سے بڑا سورج
ہے۔ فرمایا کہ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰى كَوْكَبًا۔ اندھیرا ہو گیا تو ستارے چمکنے لگنے۔ قَالَ
رَبِّي اُس کی چمک کو دیکھ کر قوم کو یہ بتایا کہ اس کی روشنی میں اتنا کمال ہے اتنا کمال ہے کہ میں اس کو
قرار دیتا ہوں۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُ
الْاٰفِلِيْنَ ۔ ہاں مگر جب غروب ہوا ہے تو عقل کو ہدایت مل گئی۔ ستارہ غروب ہوا تو عقل نے جوا
ضمیر نے اندر سے پکار کے یہ کہا کہ غروب ہونے والی چیز رب نہیں ہو سکتی۔ یہ غروب ہونے ہی
ہدایت ملی۔ تو فرمایا کہ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِي
لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۔ چاند کو دیکھا' تھوڑی دیر میں اس کی روشنی سے متاثر ہوئے او
کہ وہ بھی غروب ہو گیا۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَآ اَكْبَرُ۔ سورج کو دیکھا
کی روشنی' اس کے کمالات کو دیکھا تو کہا واقعی یہ ہے سب سے بڑا رب۔ فَلَمَّا اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْ
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ اور جب وہ غروب ہو گیا اُس کی بھی کوئی کرن اور اُس کی کوئی شعاع
رہی' فرمایا کہ نہیں۔ یہ ستارہ پرستی بھی غلط ہے۔ چاند پرستی بھی غلط ہے۔ سورج پرستی بھی غلط
صرف ایک پرستش ہے اور وہ اللہ پرستی ہے۔ فرمایا کہ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّ

فطر السموات والارض ان تمام چیزوں کی طرف آپ کا ذہن جاتا ہے' ہر کمال کو دیکھ کے آپ دوڑتے ہیں لیکن ابھی تک آپ منبعِ کمال' کمال کے سرچشمہ کو نہیں پہنچے۔ ہمارے خواجہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ' خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ شاعروں میں شاعر بھی بہت بڑے تھے۔ عارفوں میں بہت بڑے عارف باللہ تھے' صوفی تھے۔ فرمایا کہ ایک دفعہ کلکتہ میں مشاعرہ ہوا اور یہ بیچارے عابدانہ اور زاہدانہ شکل وصورت کے آدمی تھے۔ دیکھنے سے بظاہر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کیا شاعر ہوں گے' کیا ادیب ہوں گے' کیا ان کا کلام ہوگا؟ لیکن فرمایا کہ جب انہوں نے اپنی نظم پڑھی ہے تو صرف دو شعر ایسے تھے اتنے عارفانہ دو شعر تھے کہ سارے مشاعرے نے ان کو سر پہ اٹھالیا اور یہ کہا کہ اسی کو بار بار پڑھیئے۔ میں سمجھتا ہوں وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا ترجمہ ہے فرمایا کہ

ع کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے

جی نہیں بھرتا کیوں؟ جہاں کہیں مجھے کمال کی کوئی جھلک نظر آتی ہے ادھر ہی دل دینے کو جی چاہتا ہے۔

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے ☆ کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسیں میرے لئے

کسی کی آنکھ اچھی ہے یہ میرا ہو جائے' کسی کا رنگ اچھا ہے یہ میرا ہو جائے' کسی کے بال اچھے ہیں یہ میرا ہو جائے' کسی کی کوئی چیز اچھی ہے یہ میرا ہو جائے' ہر کمال کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ یہ میرے قبضے میں آجائے یہ میرے قبضے میں آجائے' یہ میرا ہو جائے۔ انسان' بہت پریشان ہے کسی دوسرے عارف نے کہا فرمایا کہ لختے بُرد از دل گذرد ہر کہ زِ پیشم

لختے بُرد از دل گذرد ہر کہ زِ پیشم
من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

یہاں تو طریقہ نہیں ہے ہمارے یہاں یو پی میں یہ طریقہ تھا کہ تربوز بیچتے تھے اُس کی قاشیں بنا کے رکھ لیتے تھے اور اس کی مقدار مقرر تھی کہ یہ ایک آنے کا ہے۔ ایک پیسے کا دو پیسے کا جتنے کا بھی ہے۔ گزرنے والا آتا تھا پیسہ ڈالا قاش اٹھا کے لے گیا پھر آیا کوئی دوسرا' وہ پیسہ ڈالا قاش اٹھا کے لے گیا۔ قاشیں بنی ہوئی رکھی ہیں۔ اب آپ کی سمجھ میں آئے گا۔ عاشق کہتا ہے جس طرح کہ تربوز کی

قاشیں بکتی ہیں سرِ بازار‘ اسی طرح ہم نے بھی اپنے دل کی قاشیں بنا کے خوانچہ لگا رکھا ہے۔ اپنے دل کی قاشیں بنائیں ہیں اور بنا کر خوانچہ لگا رکھا ہے جو حسین آتا ہے اور حسین وہ ایک قاش آتا ہے اٹھا کے لے جاتا ہے۔ دوسرے حسین کو میں نے دوسری قاش دے دی‘ تیسرے حسین کو میں نے تیسری قاش دے دی‘ فرمایا کہ۔

لختے بُرد از دل گذرد ہر کہ زِ پیشم ☆ من قاش فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم

میں اپنے دل کی قاشیں بیچ رہا ہوں انسان اس لئے پریشان ہے کس کو چاہے؟ کس کو دل دے؟ قدم قدم پہ مجھے کمال نظر آتے ہیں اور ہر کمال کی طرف میرا دل کھنچتا ہے۔ اب خواجہ صاحب کا شعر پھر سنئے۔ فرمایا کہ۔

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے ☆ اور کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسیں میرے لئے

یہ تو ہو نہیں سکتا‘ کیا کریں؟ عارف کا مشورہ یہ ہے پریشانی سے نکلو‘ اطمینان کا راستہ اختیار کرو وہ حضرت ابراہیم والا۔ چھوڑو ستارے کو‘ چھوڑو چاند کو‘ چھوڑو سورج کو۔

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے ☆ کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسیں میرے لئے

اب تو ذوقِ حُسن اپنا۔

اب تو ذوق حسن اپنا یوں کہے ہو کر بلند
حسن اوروں کے لئے حسن آفریں میرے لئے

مظاہرِ حُسن کو‘ سب کو چھوڑ دو حسن کے سرچشمے کو پکڑ لو‘ یہ جتنی چیزیں تمہیں مظاہر حسن اور مظاہر کمال کے طور پر نظر آتی ہیں۔ ان کو دل نہ دو منبعِ کمال کو دو اور وہ اللہ ہے۔ فرمایا کہ اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَااَنَامِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

میں نے چاند کی حقیقت بھی دیکھ لی‘ سورج کی حقیقت بھی دیکھ لی‘ ستارے کی حقیقت بھی دیکھ لی۔ لیکن یہ حقیقت کب دیکھی؛ جب غروب ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ستارہ اپنی روشنی سے بھی ہدایت دیتا ہے اگر غروب ہو جائے تو دلوں کو ہدایت دیتا ہے۔ انسانوں کو خبر دیتا ہے‘ میری چمک میری

ذاتی چمک نہیں، میرا نور ذاتی نہیں، اللہ جب دیتا ہے تو میں چمکتا ہوں جب اللہ مجھ سے یہ چمک چھین لیتا ہے تو میں تاریک ہو جاتا ہوں۔ اب آپ کے سمجھ میں یہ آ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے نجم کی قسم کھائی جبکہ وہ غروب ہو جائے۔ حضور کی ذات کی قسم، قرآن کی قسم، ستارے کی قسم اور بغیر تنے کے پیدا ہونے والے درخت کی قسم، جیسے بیر، اس میں تنا نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے، نباتات، یہ بھی آپ کو بتلاتے ہیں اللہ کی شان کی گواہی دیتے ہیں۔ خدا کی قدرت کی گواہی دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، فرمایا کہ آپ مُزارع کسے کہتے ہیں؟ اُسے کہتے ہیں جو زمین کھودے، بیج ڈالے، پانی دے، آپ کہتے ہیں کہ یہ مزارع ہے، عربی میں کہتے ہیں زارع، زراعت سے، زراعت کے معنی آتے ہیں کاشت کرنا اور زارع کے معنٰی ہیں کاشت کرنے والا، اُسی سے مزارع بنا ہے اور چیستاں کے طور پر ایک یہ مثل بھی مشہور تھی پڑھنے کے زمانے کی، اب تک یاد ہے۔ کُلُّ زَارِعٍ کَافِرٌ ہر زارع کافر ہے، یہاں کافر سے کفر کے معنٰی مراد نہیں ہیں۔ اللہ کا باغی نہیں مراد۔ کفر کے معنٰی آتے ہیں چھپانے کے اور کافر اس کو اس لیے کہا گیا کہ ہر کاشت کرنے والا بیج کو مٹی میں چھپاتا ہے۔ کُلُّ زَارِعٍ کَافِرٌ۔ وہ جس کو آپ زارع کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری تعبیر اور تمہارا کلام غلط ہے۔ تم ایمان داری سے یہ بتاؤ کہ جس کو تم زارع کہتے ہو، وہ زارع ہے یا ہم زارع ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ زارع نہیں ہے، زارع اللہ ہے۔ فرمایا کہ ءَ اَنْتُمْ تَـزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ' ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَـحْنُ الـزّٰرِعُوْنَ۔ انسانو! غور کرو سوچو! زراعت اور کاشت تم کرتے ہو یا زراعت اور کاشت ہم کرتے ہیں کیوں؟ تم نے تو صرف اتنا کام کیا ہے کہ زمین کھودی ہے، بیج ڈالا ہے اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اور پانی بھی دے دیا۔ بس! اگر بظاہر دیکھا جائے تو آپ نے بیج ضائع کر دیا اس لئے کہ جب آپ نے بیج کو مٹی میں دبا دیا اوپر سے پانی بھی ڈال دیا آپ نے اس کو ضائع کر دیا، لیکن یہ بتایئے کہ آپ اتنا ہی تو کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو نہیں کر سکتے ہیں۔ زمین کھودی بیج ڈالا، پانی دے دیا لیکن اس بیج کے اندر سے سبز سبز ہرے ہرے پتے پیدا کرنا، کونپل پیدا کرنا، زمین کو پھاڑ کے اوپر لانا یہ آپ کر سکتے ہیں؟ یہ نہیں کر سکتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں زراعت اس کا نام ہے کہ بیج کے اندر سے درخت پیدا کیا جائے وہ آپ نہیں کر سکتے ہیں وہ ہم کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ءَ اَنْتُمْ تَـزْرَعُوْنَهٗ اَمْ

نَحْنُ الزَّارِعُوْن ۔سوچو اور غور کرو حقیقت یہ ہے کہ کاشت تم کرتے ہو یا کاشت ہم کرتے ہیں۔آپ
تو صرف پانی دیتے ہیں' زمین کھودتے ہیں' بیج ڈالتے ہیں۔مگر اس میں سبز پتے پیدا کرنا یہ ہمارا کا
ہے یہ تم نہیں کر سکو گے۔حقیقت ہے یہ۔اور صرف یہی نہیں' تجارت میں بھی۔بظاہر آدمی یہ سمجھتا
کہ میں بہت لائق اور فائق اور بڑا سمجھدار آدمی ہوں۔اس لئے میں تجارت میں بہت کامیاب رہوا
گا۔اور یہ بات یہ خناس بھی انسانوں کے ذہنوں سے نکل چکا ہے۔معاف کیجئے آپ کچھ نہیں کرتے
اس میں آپ کی لیاقت اور قابلیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کے یہاں روزی کی تقسیم کا معی
بالکل الگ ہے۔ایسے ایسے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ روزی دیتا ہے کہ جو بالکل بے دال کے بودم۔
دال کے بودم سمجھے نُو م۔اُلو ہیں یہ۔کراچی میں' نام میں لیتا نہیں' ایک بہت بڑے کروڑ پتی سی
بیچارے دستخط کرنا بھی نہیں جانتے تھے' وہ انتقال فرما گئے کبھی کبھی میرے پاس آیا کرتے تھے ایک
عورت آئی اور آ کر اس نے کہا کہ مولانا صاحب وہ سنا ہے کہ بیوہ عورتوں کی بڑی مدد کرتے ہیں
آپ ایک پرچہ پر لکھ کے دے دیجئے میں بھی چلی جاؤں گی۔میں نے ایک کاغذ اٹھایا اور اس پہ لکھ
دے دیا۔وہ تھوڑی دیر میں آئی کہنے لگی' مولانا صاحب وہ' انہوں نے تو ہمیں نکال دیا وہاں سے۔
کیوں؟ تمہی نے تو کہا تھا کہ پرچہ لکھ کے دے دو۔کہنے لگی جی پتہ نہیں وہ آپ کا پرچہ دیکھا اور پر
دیکھ کے کہا بھاگ جاؤ یہاں سے چلے جاؤ' مولانا صاحب کا پرچہ نہیں ہے۔مولانا صاحب تو وہ
ہوئے چھپے ہوئے کاغذ پہ لکھتے ہیں یہ تو چھپا ہوا نہیں ہے تو آپ چھپے ہوئے پہ بھی لکھ دیں۔میری
میں یہ بات نہیں آئی۔میں نے جو وہ اپنا لیٹر پیڈ تھا چھپا ہوا میں نے اُس کے اُوپر لکھ کے دیا تو آ
کہنے لگی کہ مجھے ڈھائی سو روپیہ دیا ہے' بہت خوش' جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا'
نے کہا یہ کیا بات تھی آپ نے اس کو پہلے واپس کر دیا پھر یہ کہ چھپے ہوئے کاغذ پہ لکھا ہوا ہو جب
گے۔تو ہنسنے لگے۔کہنے لگے میں پڑھا لکھا کب ہوں؟ مجھے کیا خبر ہے؟ میں تو آپ کے چھپے ہوئے
کو دیکھتا ہوں مجھے معلوم ہی نہیں کیا لکھا ہے؟ ارے' کہنے لگے گجراتی میں نہیں جانتا' اردو میں نہیں جا
انگریزی میں نہیں جانتا' ہندی میں نہیں جانتا' تو میں نے کہا کہ آپ تو اتنے بڑے سیٹھ ہیں۔مل
مالک ہیں۔تو آپ بینک کے اندر آپ کس طریقہ سے دستخط کرتے ہیں' تو بہت زور سے ہنسے

لگے میں لکیریں بنا دیتا ہوں لوگ اس کو انگریزی سمجھتے ہیں' گجراتی والے گجراتی سمجھتے ہیں۔ بس اسی کو دستخط کہتے ہیں۔ کہنے لگے جب سے حکومت کو یہ پتا چلا ہے تو انہوں نے ایک آدمی مقرر کر دیا ہے کہ بھئی ان کے دستخطوں کو پہچانا کرو اس لئے کہ میں تو صرف لکیریں بناتا ہوں۔ آپ ایمانداری سے بتائیے تجارت کے ذریعہ سے جو اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ کیا آپ کے ہنر اور قابلیت اور لیاقت کی وجہ سے دیتے ہیں۔ نہیں۔ تجارت کرنے والا کیا کرتا ہے۔ سب سے پہلے ٹھیہ تلاش کرتا ہے' جگہ۔ بھئی جگہ ایسی ہونی چاہیے جہاں لوگوں کا زیادہ گزر ہو' رونق ہو' آنے جانے والے ہوں۔ بیچ بازار ہو' اچھا صاحب ٹھیہ مل گیا ڈیکوریشن بہت اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہئے اور الماریاں ہو اور میز ہو اور کرسی ہو اور یہ ہو اور وہ ہو۔ وہ بھی ہو گیا۔ تیسری چیز یہ کہ اس میں کون سا مال اور کون سا سامان رکھنا چاہئے۔ اعلیٰ درجہ کا سامان آپ نے رکھ دیا' وہ بھی ہو گیا۔ ایمانداری سے بتائیے جگہ آپ نے لے لی' ڈیکوریشن آپ نے کر لیا' مال آپ نے رکھ دیا' بس! تجارت پوری ہو گئی؟ ایمانداری سے بتائیے کہ گزرنے والے انسان کے دل میں یہ خیال ڈالنا کہ وہ آپ کی دوکان سے خریدے اُس کی دوکان سے نہ خریدے' یہ بھی آپ کے اختیار میں ہے؟ یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ ایک ہی لائن میں دس دوکانیں ہیں ایک ہی سامان' لیکن اللہ کی شان رزاقی ہے کہ شام کے وقت جب یہ دس دوکان والے اٹھتے ہیں تو ہر ایک یہ کہتا ہے کہ جی ہماری' ہماری ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے روزی دی اگر اللہ تعالیٰ ایک ہی دوکان والے کی طرف سے دل میں ڈالیں کہ سب لوگ اسی کی دوکان سے خریدیں تو نو آدمی فاقے سے مر جائیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ تقسیم رزق کا معاملہ ہے۔ آپ تو صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ سامان سجا کر بیٹھ جائیں۔ لیکن یاد رکھیئے کہ گزرنے والے کے دل میں یہ خیال ڈالنا کہ وہ آپ کے یہاں سے خریدے اور آپ کے یہاں سے وہ چیز لے یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی لئے ہر منزل پر جب آپ کاشت کریں' بیج ڈال دیں۔ اب ہاتھ اٹھائیں' ہاتھ اٹھا کر اب دعا مانگیں کہ اے اللہ! جو ہمارے کرنے کا کام تھا وہ ہم نے کر دیا اب اس کے اندر پتے پیدا کرنا آپ کا کام ہے۔ وہ آپ کریں' تجارت والا جس وقت سے اپنا سامان لگا کے بیٹھ جائے تو دعا مانگے اور یہ کہے کہ اے اللہ جو میرے کرنے کا کام تھا وہ میں نے کر لیا ہے لیکن گزرنے والوں کے دل میں یہ خیال

ڈالنا کہ وہ میرے یہاں سے خریدیں یہ میرے اختیار میں نہیں' یہ خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ دعا مانگتا ہے کہ اللہ اس کے دل میں ڈالے کہ وہ ہماری یہاں سے لے۔ بے نیازی بھی اسی منزل پہ ملے گی۔

خیر! عرض میں یہ کر رہا تھا کہ اگر نباتات کی قسم کھائی ہے۔ اس سے بھی اللہ کی قدرت اور اللہ کے اختیار کو پہچانا جاتا ہے۔ یہی وہ چار پانچ چیزیں تھیں جن کے بارے میں میں نے یہ کہا تھا کہ اُس سے یہ بھی مراد ہے کہ حضور کی ذات گرامی ہو' اُس سے یہ بھی مراد ہے کہ قرآن کریم مراد ہو۔ اُس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ یہ ستارہ مراد ہو۔ اُس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ایک وہ بیل اور نباتات مراد ہو۔ قسم کھائی۔ فرمایا مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ترجمہ یہ ہے کہ آپ کے صاحِب' صاحَب نہیں صاحَب تو انگریز کو بولتے ہیں۔ کہتے ہیں نہیں تمہارا صاحَب کہاں گیا؟ وہ صاحَب اور چیز ہے۔ یہ صاحِب ہے اور ملا یہیں سے ہے۔ صاحِب کے معنٰی آتے ہیں مالک' آقا۔ صاحِبُ البیت۔ گھر کا مالک۔ صَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَافِیْهِ گھر والا بہتر طریقے پہ جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے۔ صاحب البیت۔ صاحب کے معنٰی آتے ہیں مخدوم' امیر صاحب القوم' قوم کے امیر' قوم کے سردار' قوم کے سربراہ بڑے' یہ معنٰی بھی آتے ہیں۔ اسی لئے صَاحِبُکُمْ یعنی حضور کی امت کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے یا انسانوں کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے صاحب یعنی تمہارے امیر' اسی لئے فرمایا کہ یہ صاحِب جو ہے یہ لقب ہے سرکار دو عالم ﷺ کا۔ صاحب کا لفظ حضور کے اوپر بھی بولا جاتا ہے۔ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْن۔ آپ کے صاحب دیوانے نہیں ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ پر صاحب کا لفظ فرمایا ہے اور مراد حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ خود حضور نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے' میں نے بتایا تھا۔ آپ نے فرمایا اَلَا اِنَّ صَاحِبَکُمْ حَبِیْبُ اللهِ۔ اے مسلمانو سنو! تمہارے صاحب کا لقب ہے حبیبُ اللہ۔ اَلَا اِنَّ صَاحِبَکُمْ حَبِیْبُ اللهِ۔ اصل میں صاحب کے معنٰی آتے ہیں' ساتھ رہنے والا' ساتھ رہنے والے سے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ ذات گرامی حضور کی ایسی ہے کہ بچپن سے لگا کر اب تک تم ساتھ رہے ہو تم نے ہر منزل پر انہیں پرکھا ہے۔ ہر منزل پہ تم نے انہیں آزمایا ہے۔ تم نے بچپن دیکھا' تم نے جوانی دیکھی' تم نے زندگی کا ہر دور دیکھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب کے معنٰی یہ بھی آتے ہیں کہ

تمہارے تجربہ کیے ہوئے ہر وقت تمہارے ساتھ رہے ہوئے' کیونکہ جس آدمی کو آپ نے دیکھا نہ ہو' جس آدمی کو آپ نے پرکھا نہ ہو' اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں سفر میں جاتا تھا تو کسی کو مرید نہیں کرتا تھا لوگ کہتے تھے کہ حضرت مجھے مرید کر لیجئے تو میں عرض کیا کرتا تھا بھائی! میں تو مسافر ہوں' کل میں تمہارے سامنے آیا ہوں تمہیں کیا معلوم کہ مَیں کیسا ہوں؟ تم آؤ' میری خانقاہ میں آ کر قیام کرو' مجھے دیکھو' پرکھو جب دل تمہارا ٹھک جائے تب مجھ سے مرید ہونا کیونکہ لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہے۔ عام طور سے تو لوگ ایسا کرتے ہیں کہ بڑے بڑے پیر اپنے ایجنٹ چھوڑ دیتے ہیں بھئی فلانے پیر صاحب آئے ہیں آج چلیں گے کتنے آدمی چلیں گے' اب اُن سب کو لے جائے' مرید کرا دیا' یہ تو کاروبار ہے۔ حقیقت میں یہ ارشاد نہیں ہے۔ یہ ارادت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی لوگوں کو پتہ نہیں ہے ایک آدمی اپنی جگہ بڑے سے بڑا قطب الاقطاب ہے' بڑے سے بڑا ولی ہے' عارف باللہ ہے۔ لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم کہ آپ کے مزاج کو ان کے مزاج سے مناسبت ہے یہ کیسے معلوم۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کوئی دنیادار ہیں۔ پکے عارف باللہ ہیں۔ لیکن ان تمام شرطوں کے پورا ہونے کے باوجود یاد رکھئے! صرف اُس مرید کو فائدہ پہونچ سکتا ہے اپنے شیخ سے جس مرید کا مزاج اپنے شیخ کے مزاج کے مناسب ہو۔ کبھی کبھی مزاج الگ الگ ہوتے ہیں۔ بعضوں کے مزاج میں غیرت کا غلبہ ہوتا ہے' بعضوں کے مزاج میں شفقت کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ دو باتیں میں نے موٹی موٹی بتائی ہیں۔ فرق تو بہت ہے۔ کبھی کبھی بعضوں کی طبیعت میں غیرت غالب ہے۔ غیرت غالب ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ کوئی بات ایسی اپنے سامنے آ جائے کہ جس میں قرآن و حدیث یا اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہے۔ غیرت گوارا نہیں کرتی' برداشت نہیں کرتی۔ ہٹاؤ' نکالو اِسے' میں اس سے بات نہیں کرتا۔ بعضوں کے مزاج میں غیرت کا غلبہ ہوتا ہے اور جن کے مزاج میں غیرت کا غلبہ ہوگا آپ کے دیکھیں گے کہ ان کے ہاتھ میں ڈنڈا ہوگا۔ فلاں آدمی آیا ہے۔ محسوس ہو گیا ہے کہ یہ شرابی ہے یا محسوس ہو گیا ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی بات خلاف شرع ہے۔ وہیں سے نکالو اسے' خبردار جو یہاں آئے۔ میری غیرتِ دینی گوارا نہیں کرتی کہ اس آدمی کو میں اپنے سے قریب کروں اس سے بات بھی کروں۔ یہ اللہ والوں کا رنگ ہے اور بعضوں کی

طبیعت میں شفقت علی الامت کا غلبہ ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! شفقت علی الامت کے معنی یہ ہیں۔ ہیں تو
پکے دین دار لیکن مزاج ایسا بنا ہے یہ شرابی ہے' بھائی شرابی ہے تو کیا ہوا آنے دو میرے پاس آئے گا تو
اس کی اصلاح ہوگی جب آئے گا ہی نہیں تو اصلاح کیسے ہوگی۔ شرابی ہے' اُسے بھی سینے سے لگا رہے
ہیں' بدکار ہے اُسے بھی سینہ سے لگا رہے ہیں جو آ رہا ہے اسے بھی سینے سے لگا رہے ہیں۔ جس کی
طبیعت میں غیرت کا غلبہ ہے یاد رکھیئے وہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کو دیکھ کر نعوذ باللہ گالیاں دے گا کیوں؟ وہ
کہے گا ارے صاحب یہ کوئی اللہ والے ہیں بھلا بتایئے شرابی سے بھی بات کرتے ہیں' شرابی کو بھی سینے
سے لگاتے ہیں' فلاں بدکار کو بھی اپنی مجلس میں آنے دیتے ہیں اور جس آدمی کی طبیعت میں شفقت
غالب ہوگی وہ یہ کہے گا یہ جنہوں نے ڈنڈا سنبھالا ہے یہ بزرگ نہیں ہیں۔ وہ ان کو برا کہے گا وہ ان کو برا
کہے گا اور حالانکہ دونوں اللہ کے پیارے دونوں اللہ کے برگزیدہ ہیں۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ
علیہ کی جب سوانح حیات لکھی گئی تو مولانا نے خود ایک حدیث کو نقل کیا ہے وہاں پر۔ وہ الفاظ اُس کے
سن لیجئے۔ بڑے پیارے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ اَلْحِدَّةُ تَعْتَرِیْ خِیَارَ اُمَّتِی۔ حدت تو ایسا لفظ ہے کہ
اردو میں بھی آپ بولتے ہیں۔ اس کے مزاج میں حدت بہت ہے۔ یعنی گرمی بہت ہے' غصہ بہت
ہے۔ اَلْحِدَّةُ تَعْتَرِیْ خِیَارَ اُمَّتِی وَمَنْشَاءُ هَا الْغَیْرَةُ عَلَی الدِّیْنِ فرمایا یہ جو مزاج کی تیزی ہے
یہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کو عطا کی جاتی ہے اور اس تیزی کا اصل منشاء دینی غیرت ہے۔ اب آپ
سمجھے یہ ایک رنگ ہے۔ اور دوسرا رنگ' حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے جو
بزرگ تھے۔ میں نے خود دیکھا ہے کبھی اس پر نظر نہیں کہ اس کا لباس کیسا ہے' اس کی شکل کیسی ہے' اس
کی صورت کیسی ہے' اس کے اعمال کیسے ہیں' بھائی اسے بلاؤ۔ اپنے پاس لاؤ' اِسے قریب لاؤ اور یہ
واقعہ ہے میں نے ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ جن کی طبیعتوں کے اندر دینی غیرت کا بھی غلبہ ہے اور
ان کو بھی دیکھا ہے کہ جن کی طبیعت میں شفقت علی الامت کا بھی غلبہ ہے۔ دونوں کو دیکھا ہے مگر
دونوں کے رنگ الگ ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی شخص آیا اور اس نے کہا
کہ جی حضور یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ بزرگوں کے کتنے رنگ ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ بھئی رنگ تو بہت
ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری خانقاہ میں آج کل تین بزرگ آئے ہیں تینوں کے رنگ الگ ہیں۔ کیسے

معلوم ہوئے فرمایا وہ مراقبے میں بیٹھے ہوئے ہیں مسجد کے اندر تم جاؤ! اور تینوں کے ساتھ جا کر یہ عمل کرو کہ زور سے گھونسہ مارو پہلے کے بھی دوسرے کے بھی تیسرے کے بھی۔ یہ گئے اور جا کر انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ایک زور سے انہوں نے گھونسہ مارا۔ وہ جو بزرگ بیٹھے ہوئے تھے مراقبے میں وہ ایک دم چمک کے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی اس کے بدلے میں زور سے گھونسہ مارا۔ گھونسے کا جواب گھونسے سے دیا اور پوچھا کہ کیا میرا قصور تھا کیوں تو نے مارا؟ انہوں نے کہا حضور معاف کر دیجئے صرف آپ کا رنگ دیکھنا چاہتا تھا۔ آگے چلے گئے۔ دوسرے بزرگ کے جا کے جب گھونسہ مارا تو انہوں نے اٹھ کر ہاتھ پکڑ لیا جواب میں گھونسہ نہیں مارا اور فرمایا کہ مجھے کوئی رنج نہیں ہوگا مجھے یہ بتا دے کہ میرا قصور کیا ہے؟ اس کے بدلے میں گھونسہ نہیں مارا فرمایا کہ مجھے معاف کر دیجئے آپ کا بھی رنگ دیکھنا چاہتا تھا۔ تیسرے بزرگ کے پاس پہنچے اس کے بھی گھونسہ مارا وہ اٹھے اور اٹھ کر انہوں نے جلدی سے ہاتھ دبانا شروع کیا اور کہا کہ بھائی میرے بدن میں تو ہڈیاں ہی ہڈیاں ہیں تیرے کہیں چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ میرے بدن میں تو ہڈیاں ہی ہڈیاں ہیں تیرے چوٹ تو نہیں لگ گئی ہاتھ میں۔ یہ بھی اللہ والے ہیں اور جنہوں نے گھونسے کا جواب گھونسے سے دیا وہ بھی اللہ والے ہیں۔ آج کل زیادہ تر لوگ ایسے بزرگوں کی تلاش میں ہیں کہ جو گھونسہ کھائیں اور ہاتھ دبائیں ہمارا۔ کہتے ہیں ایسے اللہ والے چاہئیں۔ میں نے عرض کیا یاد رکھئے کہ جن بزرگوں پر غیرت دینی کا غلبہ ہوتا ہے ان کو ایسے بزرگ سے فائدہ نہیں پہنچتا جن پر شفقت علی الامت کا غلبہ ہوتا ہے۔ مزاج نہیں ملتا۔ جن کے مزاجوں میں شفقت علی الامت کا غلبہ ہوتا ہے ان کو ان مرشدوں سے فائدہ نہیں پہنچتا جن پر دینی غیرت کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر کوئی شیخ لوگوں کو یہ بات بتاتا نہیں ہے تو وہ خیانت کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا اعلان نہیں کرتا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک صاحب تشریف لائے ان کے یہاں قیام کیا اور کافی عرصے تک مولانا کے پاس ٹھہرے رہے۔ دیانت داری کا تقاضا سنئے۔ مولانا نے فرمایا آپ کی طلب میں کوئی کمی نہیں آپ کے اخلاص میں کوئی کمی نہیں آپ کی صلاحیتوں میں کوئی کمی نہیں۔ لیکن یہ بڑی بددیانتی ہوگی اگر میں آپ کو یہ نہ بتاؤں کہ مجھ سے آپ کو فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ میرے پاس سے کسی اور شیخ کے پاس چلے جائیں وہاں آپ کو فائدہ ہوگا۔ مجھ سے فائدہ

نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا حضرت کیوں؟ فرمایا کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے میں نے اندازہ لگالیا
سے میرا مزاج نہیں ملتا ہے آپ کی طلب میں کوئی کمی نہیں ہے' آپ کی طلب مکمل ہے۔ لیکن
ذات سے آپ کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر یہ بات میں ظاہر نہ کروں اور بیس سال بھی اگر آپ
پاس گزاریں اور آپ کو فائدہ نہ پہنچے تو یہ بہت بڑی خیانت ہوگی۔ اس لئے میں آج ہی کی
بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھ سے آپ کو فائدہ نہیں ہوگا۔ مزاج نہیں ملتا ہے۔ اب آپ سمجھ گئے
طبیعت میں غیرت کا غلبہ ہوتا ہے ان کو شفقت والوں سے فائدہ نہیں ہوتا۔ جن کی طبیعت میں
کا غلبہ ہوتا ہے اُن کو غیرت والوں سے فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر میں ہوں۔ کسی فا
فاجر کو اگر میں نے گلے لگایا ہے محبت و پیار سے بٹھایا ہے' جن کی طبیعت یہ ہے کہ کسی گنہگار سے
نہ ملایا جائے۔ وہ دیکھے گا مجھ پر اعتراض کرے گا۔ اس کا دل مجھ سے نہیں ملے گا اور وہ آدمی
طبیعت میں غیرت کا غلبہ ہے وہ دیکھے گا تو اعتراض کرے گا لیکن جس کی طبیعت میں شفقت کا
وہ سب یہ کہیں گے ارے صاحب بات یہ ہے اگر ہم تندرست ہوتے تو پھر ہسپتال میں کا
جو آدمی تندرست ہوتا ہے۔ اس کو تو ضرورت نہیں پڑتی ہے کسی ڈاکٹر کی' کسی حکیم کی' بیمار
کے پاس آئے اور اُس کے خلاف ہو جائے اللہ ناراض ہو جاتا ہے۔ ایک بہت بڑا فاسق و
تھا' اس کے دل میں معلوم نہیں کیا خیال آیا کہ چلو بھئی توبہ کرو۔ اُس نے ایک اللہ والے
خانقاہ میں گیا اور جا کر کہا حضرت! (اُس کو سب جانتے تھے کہ یہ اوّل درجہ کا بدمعاش ہے۔
مجھے معاف کر دیں' میں توبہ کرنے آیا ہوں۔ انہوں نے اُسے وہاں سے اٹھایا اور اٹھا کے کہا
جا یہاں سے۔ وہ چلا گیا اور دل میں اس کے یہ خیال آیا کہ میاں کہاں پھنس گئے تھے جا کے
خیال آ گیا تھا جو میں چلا گیا بیزار ہو گیا۔ ادھر ان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا
یہ ہوا ہم نے اپنے ایک بچھڑے ہوئے بندے کو تمہارے پاس بھیجا تھا تم نے اُسے
ٹھکرا دیا۔ بڑے پریشان ہو گئے۔ اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کسی طرح اسے بلا کے لاؤ ا
گئے اس نے کہا میاں جاؤ ہوا کھاؤ پتا نہیں کون سا وقت تھا جو میں آ گیا تھا اب میں آتا بھی
بڑے پریشان' اللہ تعالیٰ اس بات پر مجھ سے ناراض ہیں کہ میں نے اسے اپنے پاس سے

دیا' رونے لگے اور فرمایا کہ ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے میرے پاس۔ اس لئے کہ وہ جب میرے پاس آیا تھا تو آخر اس کے دل میں کچھ تو اللہ کے ساتھ رابطے کا جذبہ تھا کچھ تو تھا۔ خانقاہ میں لوگوں سے کہا کہ تم اس سے کچھ نہ کہو اس کے پاس سے گزر جاؤ اور جب تم اس کے پاس سے گزرو تو ذکر الٰہی کرو۔ لا الہ الا اللہ' لا الہ الا اللہ۔ زور سے آواز سے ذکر کرتے ہوئے اس کے پاس سے گزر جاؤ۔ جب یہ لوگ اُس کے پاس سے گزرے اُس کا دل پھر نرم ہو گیا اور خدا کی شان دیکھئے کہ وہ جو ذکر کرتے ہوئے جارہے تھے یہ آدمی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ وہ لوگ ذکر کرتے ہوئے خانقاہ میں آئے تو وہ آدمی بھی خانقاہ میں آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ جس آدمی کو نکال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں۔ اس کو کسی طریقے سے بلاؤ۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ والوں کے رنگ الگ الگ ہوتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ الگ تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ الگ تھا۔ اولیاء اللہ کا اور بہت سے مرشدوں کے رنگ اسی طریقے سے الگ ہوتے ہیں اور جو لوگ ان رنگوں کو جانتے نہیں ہیں وہ بے ادبی کرتے ہیں' گستاخی کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ خیر تو میں نے عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ کو صاحِب اس لئے کہا گیا کہ آپ سب لوگوں نے ان کے ساتھ رہ کے ان کو پرکھا ہے۔ ان کو دیکھا ہے' بچپن دیکھا' جوانی دیکھی' تجارت کا زمانہ دیکھا۔ سب کچھ دیکھا۔ پردے کے پیچھے بیٹھ کے نہیں۔ سب کے سامنے کھلی کتاب۔ ایک بات' دوسری بات یہ بھی بتائی کہ آپ کی ذات گرامی کو صاحب اس لئے بھی کہا گیا جو آدمی آپ کے ساتھ رہے گا' جو آدمی آپ کی رفاقت اختیار کرے گا اس کا رنگ بدل جائے گا' اصلاح کا طریقہ ایک ہی ہے جو جتنا قریب ہو گا سرکارِ دو عالم ﷺ سے جتنا آپ کے ساتھ رہا ہو گا اُتنا ہی اس کا اونچا مقام رہے گا۔ صحابہ میں درجے ہیں۔ کس اعتبار سے درجے ہیں؟ کس صحابی کو حضور کے ساتھ زیادہ رہنے کا موقع ملا' کس صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت کا شرف حاصل ہوا؟ صحبت شرف ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوری امت کے اندر جو شرف حاصل ہے۔ وہ تمام خلفاء راشدین میں تمام صحابہ میں پوری امت میں کسی کو حاصل نہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ خلافت راشدہ کے چار خلفاء میں بھی درجے ہیں۔ خلافت راشدہ کا دور اوّل دور ثانی سے بہتر ہے۔ دور اوّل شیخین' ابوبکرؓ و

عمرؓ۔ یہ عثمانؓ و علیؓ سے بہتر ہے۔ خلافت راشدہ کا دور اوّل دور ثانی سے بہتر ہے اور خلافت راشدہ کے
دور اوّل میں پہلے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ سے افضل ہیں۔ تو آپ نے اندازہ لگایا کہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہیں سب سے پہلے ایمان لائے او
ساتھ رہے سرکار دو عالم ﷺ کے۔ صحبت کا شرف ملا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے صحبت سے زند
بدلتی ہے۔ کتاب سے نہیں بدلتی۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں قرآن کریم عطا فرما دیتے ا
سرکار دو عالم کی ذات گرامی عطا نہ فرماتے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ دنیا کے اندر آیا مسلمان ہوتے بھی یا
ہوتے یا مسلمانوں کا یہ عمل اور کردار ہوتا بھی یا نہ ہوتا۔ کیوں؟ تنہا کتابوں سے کوئی دین چلا نہیں کر
تنہا کتابوں سے کوئی تعلیم چلا نہیں کرتی۔ اسی لئے آپ نے دیکھا چار کتابیں آئیں، چاروں کے سا
چار شخصیتیں آئیں۔ توریت کے ساتھ حضرت موسیٰؑ تشریف لائے، انجیل کے ساتھ حضرت عی
تشریف لائے، زبور کے ساتھ حضرت داؤدؑ تشریف لائے، قرآن کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ
وسلم تشریف لائے۔ مجھے دنیا کے فلسفیوں کی شہادت دینے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ لیکن بعض لوگو
مزاج ہوتا ہے وہ انھیں سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں ایک بہت بڑی شخصیت گزری ۔
بہت بڑے فلسفی بھی ہیں۔ شاعر بھی ہیں۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور یہ شاعر بھی ہیں، صوفی بھی ہیں،
وصورت بھی صوفیانہ۔ کلکتے میں ان کا قیام تھا۔ ایک زمانہ میں یہ بحری جہاز میں سفر کر کے آ رہے
ہندوستان۔ فرانس سے، یا انگلستان سے آ رہے ہیں۔ اسی جہاز میں حضرت مولانا سید سلیمان صا
ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف رکھتے ہیں۔ فرمانے لگے جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگ
سفر کر رہے ہیں تو میں بھی ان کے پاس ملنے گیا بہت سے نوجوان ان سے سوالات کر رہے تھے۔ فر
ایک نوجوان نے سوال کیا اور بہت اچھا جواب ملا۔ ایک نوجوان نے یہ سوال کیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ
میں رہتے ہیں اور ابھی کلکتے میں کچھ روشن خیال لوگوں نے ایک نیا مذہب نکالا ہے جس کا نا
"برہموں سماج" اور برہموں سماج وہ مذہب تھا جس میں اسلام سے بغاوت، عیسائیت سے بغ
ہندو سے بغاوت اور بدھ ازم سے بغاوت ہر ایک سے بغاوت کر کے انہوں نے کہا بھئی ا
مولویوں نے خراب کیا ہے، عیسائیت کو پادریوں نے خراب کیا ہے اور ہندو ازم کو جو ہے یہ انہو

برہموں نے خراب کیا ہے۔لہٰذا ایک نیا مذہب بنایا جائے اور اس میں اسلام سے عیسائیت سے یہودیت سے اور بدھ ازم سے مختلف جگہوں کی چیزیں جمع کی جائیں۔اس کا نام رکھا برہموں سماج۔وہ مذہب کلکتے میں بنا۔بن گیا۔فرمایا کہ نوجوان نے یہ سوال کیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کلکتے میں رہتے ہیں۔اس کی وجہ بتایئے کہ برہموں سماج بنانے والوں نے اپنی پسند کا ایک مذہب بنایا تھا۔سارے مذہبوں سے بیزار ہو کر بنایا تھا۔تو یہ مذہب چلا کیوں نہیں؟ جتنے لوگوں نے بنایا تھا اُتنے ہی پہ ختم ہو رہا۔اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر اسلام میں کیڑے تھے،عیسائیت میں کیڑے تھے،بدھ ازم میں کیڑے تھے تو وہ تو چلنا چاہئے تھا۔فرمایا کہ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے جو جواب دیا وہ بڑا حکیمانہ جواب دیا۔اس نے کہا کہ میاں صاحب زادے برہموں سماج والوں نے تمام مذاہب سے اچھے اچھے اصول جمع کر کے ایک مذہب تو انہوں نے بنالیا لیکن اس مذہب کی کوئی عملی شخصیت پیغمبر کی شکل میں نہیں ہے۔اس نے کہا کہ تعلیمات تو بہتر سے بہتر جمع کر لیں مگر اس کی عملی تصویر پیغمبر کی شکل میں کوئی بھی نہیں ہے اور اس نے کہا جس مذہب کی عملی شکل بصورت نبی اور بصورتِ پیغمبر نہ ہو وہ تعلیمات دنیا میں کبھی نہیں چلا کرتیں۔سید صاحب فرمانے لگے مجھے اس کے اس جواب سے بڑی خوشی ہوئی حقیقت یہ ہے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیمات آپ جمع کر کے بیٹھ جائیں لیکن اگر اس کی عملی شکل موجود نہیں ہے عملی تصویر اگر آپ کے پاس موجود نہیں ہے تو وہ تعلیمات کبھی نہیں چلیں گی۔اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحِب کا لقب دیا گیا ہے۔مطلب یہ ہے تنہا کتاب کافی نہیں ہے۔ان کے پاس رہو،ان کی صحبت میں رہو۔ان کے دین کو دیکھو اور جس طریقہ سے یہ عمل کرتے ہوں۔اس طریقہ پہ عمل کرو تب دین اسلام ہے۔اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے صحیح کہا ہے۔

کہ نہ کتابوں سے (کیا؟) نہ زر سے پیدا ☆ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

صرف کتابوں سے نہیں ہوتا اور آج تک یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔علم کتابی کے بہت سے عالم ہم نے دیکھے اپنے زمانے میں بھی دیکھے۔تاریخ میں بھی پڑھے۔جنہوں نے تنہا علم کتابی حاصل کیا یہ میرا عقیدہ ہے۔آپ مانیں یا نہ مانیں۔جنہوں نے تنہا علمِ کتابی حاصل کیا اور کسی اللہ والے کی صحبت اختیار نہیں کی،اُس کے علم سے نقصان پہنچا ہے۔اسلام کو بھی مسلمانوں کو بھی،اور جن اللہ والوں نے علم

پڑھا اور علم کے ساتھ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی اُن کے تھوڑے سے علم سے بہت فائدہ پہنچا ہے
تاریخ اٹھا کے دیکھئے۔ ملّا مبارک ناگوری اوہو! اکبر کا زمانہ ہے۔ کیا کیا فتنے نکلے ہیں، اکبر نام ا
ہے، دین الٰہی ایجاد ہوا ہے۔ سلام کے طریقے بدل گئے۔ جواب کا طریقہ بدل گیا۔ سلام اللہ اکبر
بھئی یہ سلام کیوں؟ اکبر بادشاہ کا نام تو آ گیا نا، اور جواب جل جلالہٗ السلام علیکم وعلیکم السلام سب ختم
اکبر کے زمانہ میں دین الٰہی ایجاد ہوا ہے اور ملا مبارک ناگوری ایک بہت بڑا علم کتابی کا عالم ت
آگرے میں اس کی یونیورسٹی ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ یہ اتنا بڑا عالم تھا
دو یا تین واسطوں سے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا شاگرد تھا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ اُس سے مسلمانو
دین کو نقصان پہنچا ہے۔ اُن کے ایک شاگرد ہیں ملّا عبدالقادر بدایونی۔ اُس زمانے میں یہ جرأت
تھی کہ کوئی شخص اکبر کے خلاف اظہار رائے کرے انہوں نے ایک تاریخ لکھی اپنے گھر میں لکھ
وہیں مر گئے۔ ان کے بعد وہ تاریخ چھپی ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی شاگرد ہیں ملا مبارک نا
کے۔ جب اپنے استاد کا ذکر کیا ہے۔ آپ بھی سن لیں اُن کو کن الفاظ میں اپنے استاد کو یاد کیا

فرمایا کہ

تو اے مرد سخن پیشہ ز بہر چند مستی دوں۔ تُو اے مرد سخن پیشہ!

تیرا پیشہ اور تیرا کام باتیں بنانا ہے۔

تو اے مرد سخن پیشہ ز بہر چند مستی دوں
زدین حق بماندستی بہ نیروے سخن دانی

صرف قوتِ زبان کے ذریعہ تُو نے حق کو باطل اور باطل کو حق کر دکھایا ہے۔

تو اے مرد سخن پیشہ ز بہر چند مستی دوں ☆ زدین حق بماندستی بہ نیروے سخن دانی

بڑے درد کے ساتھ کہا ملا عبدالقادر نے اپنے استاذ کے لئے۔

چہ سُستی دیدی از سنت کہ رفتی سُوئے بے دیناں۔ سنت رسول میں تجھے کیا کھوٹ نظر آیا
ظالموں کی طرف چلا گیا۔

چہ سُستی دیدی از سنت کہ رفتی سُوئے بے دیناں ☆ اور چہ تقصیر آمد از قرآں کہ گردی گرد

تجھے قرآن میں کیا عیب نظر آیا جو تُو نے رکابی کو اپنا مذہب بنالیا۔

یہ استاد کا ذکر کیا ہے۔ ایسے اللہ والے کہ جنہوں نے علم کتابی کا ایک حرف نہیں پڑھا اور بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کا کوئی بڑے سے بڑا عالم ایسا نہ تھا کہ جنہوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو حاجی امداداللہ علم کتابی کے عالم نہیں تھے۔ عرب کو بھی فائدہ پہنچا، عجم کو بھی فائدہ پہنچا۔ حاصل یہ نکلا' تنہا کتاب سے کچھ نہیں ملتا ہے۔ بے ادبی نہیں ہے بزرگوں کا قول ہے اگر میں نقل کردوں فرمایا ع

در کنز و ہدایہ نہ تواں یافت خدارا

کنز اور ہدایہ فقہ کی کتابیں ہیں۔ فرمایا کہ کنز اور ہدایہ میں تمہیں خدا نہیں ملے گا۔ خدا ملے گا کہاں؟ اللہ والوں کے پاس ملے گا۔ حضور کا لقب ہے صاحِب۔ جو جتنا صحبت اختیار کرے گا اُتنا فیض یاب ہوگا اور آج تک جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرنے والے ہیں۔ جو جتنا جتنا ان کے قریب ہوگا اُتنا ہی اُتنا ان کو ہدایت ملے گی اور اتنا ہی ان کو فائدہ ہوگا۔ فرمایا مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوىٰ۔ آپ کے نبی اور پیغمبرؑ نہ بھٹکے اور نہ گمراہ ہوئے۔ ضَلَالت اور غَوایَت دو لفظ ہیں۔ وقت نہیں ہے کہ میں اس کی تشریح کروں لیکن ایک ہے عقیدہ درست ہو' چلنے میں غلطی ہوگئی۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عقیدہ کے اعتبار سے بال برابر بھی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ بال برابر بھی۔ لیکن راہ چلنے میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی کفر نہیں کر سکتے۔ کبھی شرک نہیں کر سکتے۔ کبھی گناہ کبیرہ نہیں کر سکتے۔ لیکن رائے اور فکر کی غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن فوری طور پر اللہ کی طرف سے متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک خیال آپ نے قائم کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً تنبیہ ہوگئی کہ یہ صحیح نہیں' یہ صحیح ہے۔ نہ گناہ کبیرہ ممکن ہے، نہ کفر ممکن ہے۔ نہ شرک ممکن ہے۔ ہاں! آپ نے یوں سوچا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا' یہ نہیں' یہ سوچیئے۔ حضرت عبداللہ ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا ہیں۔ حضور کے پاس ایسے وقت میں چلے آئے جبکہ آپ نصرانی سرداروں کو اسلام کی تلقین فرما رہے تھے اور آ کے کہا کہ مجھے بھی کچھ قرآن یاد کرادیجئے آپ کو یہ بات ناگوار گزری کہ بھئی یہ کسی اور وقت میں بھی یہ اپنا مطالبہ کر سکتے تھے اسی وقت آ گئے' کہا کچھ نہیں' صرف دل پر آپ کے یہ خیال ہوا کہ ایسا اس وقت نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے فوراً متنبہ فرمایا۔ فرمایا کہ یہ لوگ جو آپ کا وقت بیٹھے ہوئے ضائع کر رہے ہیں اِن کے دل میں کوئی ایمان قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ عبداللہ ابن ام مکتومؓ جو ہیں یہ مخلص ہیں اُن کو پڑھایئے۔ فرمایا کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی اَوْیَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی۔ ضلالت کے معنٰی آتے ہیں راستے سے ہٹا ہوا کوئی قدم ہو غوایت کے معنٰی آتے ہیں عقیدے کی خرابی۔ حق تعالیٰ قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلط راستہ اختیار کر سکتے ہیں اور غلط عمل اختیار کر سکتے ہیں اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے میں کوئی خامی اور خرابی ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں عیب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پاک کیا ہے۔ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَوٰی۔ ہاں اگر کوئی ایسی بات ہو آپ نے یہ خیال کیا اللہ تعالیٰ نے فوراً آپ کو متنبہ فرما دیا تو میں نے عرض کیا وہ اصل میں ایک فکری لغزش ہوتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے (اہلسنت و الجماعت) کا عقیدہ ہے نہ گناہ کبیرہ سرزد ہو سکتا ہے، نہ کفر سرزد ہو سکتا ہے، نہ شرک سرزد ہو سکتا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبات احتشام　عنوان

عابد و معبود کی تشریح ☆ عابدِ مطلوب کی توضیح

عابدوں کا حال غلاموں کی مثال

جمعہ کی تقریر

سورۃ الذاریات 2-3-79

بمقام جامع مسجد تھانویؒ جیکب لائن کراچی، محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتو کل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھد ہ اللّٰہ فلامضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیّدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! ربیع الاوّل کے چار جمعوں سے پہلے سورۂ ذاریات کی آیتیں آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی تھیں۔ ان آیتوں میں اِس آیت کے بارے میں چند باتیں مَیں پیش کر چکا تھا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ حق تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد

فرمایا کہ جب کسی کا عناد اور کسی کی ضد اور ہٹ دھرمی ظاہر ہو جائے تو پھر آپ اُن کا پیچھا نہ کریں اور ان کی طرف سے توجہ ہٹالیں لیکن پھر بھی تذکیر اور تبلیغ کا کام جاری رکھیں۔ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ O اس سے تذکیر سے بہر حال فائدہ ہوتا ہے اور یہ ایک منصبی کام ہے جو آپ کے سپرد کیا گیا ہے اس کو تو بہر صورت انجام دینا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ O وجہ اُس کی یہ ہے کہ جن اور انسان دونوں کی پیدائش کا مقصد ہے اللہ کی عبادت عبادت کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ان مخلوقات کو پیدا فرمایا ہے۔ عبادت کے لیے میں نے کافی تفصیل کے ساتھ یہ بات آپ کی خدمت میں پیش کی تھی کہ ہر اطاعت کا نام عبادت نہیں ہم اور آپ اپنے ماں باپ کے کہنے کی اطاعت کرتے ہیں عبادت نہیں کرتے بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرتی ہے عبادت نہیں کرتی شاگرد اپنے استاد کی اطاعت کرتا ہے عبادت نہیں کرتا یہاں تک کہ ایک امتی اپنے نبی اور پیغمبر کی اطاعت کرتا ہے اپنے نبی کی عبادت نہیں کرتا سرکار دو عالم ﷺ کا جب وصال ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ حضور پردہ فرمائیں اور یہ کسی نے ویسے ہی بات اڑادی ہے مجھے یقین نہیں آتا ہے اور کیفیت آپ پر اتنی غالب آئی کہ تلوار نکال کے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور کی وفات ہوگئی ہے میں اس تلوار سے اُس کی گردن اڑادوں گا۔ لوگ دم بخود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ حجرۂ مبارکہ میں گئے اور جا کر آپ نے سرکار دو عالم ﷺ کے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی اور فرمایا کہ طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا اللہ نے آپ کو حیات بھی طیب عطا فرمائی اور موت بھی طیب عطا فرمائی اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے نبی اور میرے رسول پر دو موتیں جمع نہیں فرمائیں گے إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ O قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ اس سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آئے اور تشریف لے گئے۔ لوگوں نے ذکر کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سمجھایئے وہ تلوار نکالے ہوئے بیٹھے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ چلو مسجد میں چلو سب لوگ مسجد میں جمع ہو جاؤ میں جا کر وہاں خطبہ دوں گا۔ آپ نے منبر پہ چڑھ کے باتیں تو اور بھی کہی ہیں لیکن جو بات مجھ سے متعلق اس وقت وہ یہ ہے آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے مسلمانو!۔ إِن كُنتُمْ تَعْبُدُونَ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آج تک تم محمد کی عبادت کرتے تھے ا

معبود محمد تھے تو آج اُن معبود کا وصال ہو گیا' معبود بھی ختم عبادت بھی ختم' ہر چیز ختم اب کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اِنْ کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مُحَمَّداً فَاِنَّ مُحَمَّداً قَدْمَاتَ (صلی اللہ علیہ وسلم) وَاِنْ کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اللہَ اور اگر عبادت تم اللہ کی کرتے تھے اور رسول اللہ عبادت کا راستہ بتانے کے لئے تشریف لائے تھے تو فَاِنَّ اللہَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ لَا یَزَال تو اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اُس کی عبادت بھی ہمیشہ کے لیے ہے اور وہ راستہ جو رسول اللہ نے بتایا ہے اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عمل کرنا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس بات کو واضح کر دیا گیا کہ اصل میں معبود ہے اللہ' طریقہ عبادت کا بتایا ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ۔

احمد تُو عاشقی بہ مشیخت تُرا چہ کار ☆ دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

آپ تو راستہ اور طریقہ بتانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ آپ نے بتا دیا کہ اللہ کی بندگی کا طریقہ کیا ہے' گائے کو سجدہ کرنا نہیں ہے' سورج کو سجدہ کرنا نہیں ہے' پہاڑوں کو سجدہ کرنا نہیں ہے۔ اللہ کی بندگی کا طریقہ وہ ہے کہ جو طریقہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ اللہ معبود ہے اور حضور مُطاعِ جن کی اطاعت کی جائے۔ اس سلسلے میں میں نے عبادت کے معنیٰ بتائے تھے، اور عبادت کے معنیٰ بتانے کے وقت میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس معنیٰ سے یہ مفہوم نکلتا ہے' ''عبادت عبادت ہی نہیں کہلاتی جب تک کہ عبادت اللہ کی نہ ہو''۔ اگر کوئی بادشاہ کی عبادت کرے سورج کی کرے' ستاروں کی کرے' پہاڑوں کی کرے' سانپ کی کرے' وہ عبادت نہیں۔ عبادت کے لیے ضروری ہے کہ پستی اختیار کرو اتنی پستی اختیار کرو کہ اس کے بعد پستی کا کوئی درجہ باقی نہ رہے اور وہ پستی جو آخری پستی ہے وہ جب ہے جبکہ سر جیسی چیز کو زمین میں ڈال دو۔ اس کے بعد کوئی پستی کا درجہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف جھکنے کا نام عبادت نہیں ہے۔ صرف لفظوں سے کہنے کا نام عبادت نہیں ہے' جب تک کہ یہ مظاہرہ نہ کیا جائے کہ آپ! سر جیسی عظمت والی چیز کو اتنی پستی میں لے جائیں کہ اس کے بعد پستی کا کوئی درجہ باقی نہ رہے۔

لیکن کس کے سامنے؟ گائے کے سامنے نہیں' پتھر کے سامنے نہیں' سانپ کے سامنے نہیں' سورج کے سامنے نہیں' اُس ہستی کے سامنے کہ جس کی عظمت اتنی بڑی عظمت ہو کہ اس کے بعد عظمت کا کوئی تصور نہ ہو تو معلوم ہوا کہ جب تک سر جیسی چیز کو اللہ کے لیے انسان زمین میں نہیں رکھ دیتا ہے۔

اُس وقت تک عبادت کا مفہوم اور عبادت کے معنی ہی نہیں پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے جس مذہب کے اندر سجدے کی عبادت نہیں' اللہ کو سجدے کی عبادت' (نہیں ہے) اُس مذہب کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ ہمارے مذہب میں بھی عبادت ہے۔ ہر عمل عبادت ہے' مجازاً عبادت ہے۔ مثلاً روزہ' اُس میں کوئی ذلت نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا فاقہ ہے۔ آپ ملائکہ اور فرشتوں کی طرح پر نہ کھاتے ہیں' نہ پیتے ہیں' نہ آپ کو کوئی ازدواجی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ تو مقام اور درجہ فرشتوں کا ہے' تو اس میں تو کوئی ذلت کی بات نہیں ہے۔ مگر روزے کو عبادت اس لیے کہتے ہیں کہ اصل میں اطاعت اور تعمیل حکم کو بھی عبادت کہہ دیا جاتا ہے مجازاً۔ زکوٰۃ' مفہوم عبادت کا نہیں ہے اس میں۔ کیونکہ آپ زکوٰۃ دیتے ہیں کسی کو۔ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى (الحدیث) اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ آپ کی تو بڑی عزت ہے' بڑی سر بلندی ہے آپ کی' کہ آپ کسی کو پیسہ دے رہے ہیں۔ اس میں تو کوئی ذلت نہیں ہے۔ اس میں تو کوئی پستی نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے جہاد ہے اور اسلام کے بہت سے احکام ہیں۔ معلوم ہوا کہ عبادت کا مفہوم صرف نماز میں ہے اور نماز میں بھی' صرف سجدے میں۔ ساری نماز کا خلاصہ ہے وہ چند منٹ چند لمحے جب سر آپ کا زمین میں رکھا ہوا ہے وہ چند لمحے جو ہیں اصل میں روح نماز کی وہ ہے اور میں نے اس سے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ اسلام نے اس سجدے کی بڑی حفاظت کی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک آدمی بڑا بیمار ہے اور کمزوری کی وجہ سے گھر سے چل کر مسجد تک آئے تو پھر کھڑے ہو کے نماز نہیں پڑھ سکتا جتنی قوت تھی وہ چلنے میں خرچ ہوگئی اور اگر وہ گھر پر پڑھے تو پھر وہ کھڑے ہو کے بھی پڑھ سکتا ہے۔ تو فقہاء نے فرمایا کہ ایسے آدمی کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ جو تھوڑی سی قوت ہے' وہ گھر سے چل کے آنے میں مسجد تک آنے میں خرچ کرے اور یہاں بیٹھ کے پڑھے یا وہ گھر پر کھڑے ہو کے پڑھنے میں صرف کرے؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اصل میں عبادت کی روح ہے سجدہ۔ اور سجدہ کامل درجہ کا سجدہ وہ ہے کہ جب پہلے سر اتنا اونچا لے جائے جتنا اونچے لے جایا جا سکتا ہے اور پھر اتنا اونچا لے جا کر اللہ کے قدموں میں ڈالے وہ کامل درجہ کا سجدہ کہلاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے جو آپ نے سجدہ کرلیا ہے وہ تو آدھا سجدہ ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ایسا آدمی اپنے گھر پہ پڑھے مگر کھڑے ہو کے پڑھے سجدہ پورا کرے۔ تو میں نے یہ بات عرض کی کہ جس مذہب کے اندر سجدے کی عبادت نہیں ہے اس مذہب کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ کہے کہ

میری ذمہ داری نہیں ہے۔ آقا نے کہا کہ بھئی یہ کیسا غلام ہے یہ تو بڑا ہی کوئی معلوم ہوتا ہے قانون دان قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے یہ تو۔ اُنہوں نے کہا اچھا بھئی ابھی تو اور آگے جانا ہے پتہ نہیں اور کیا کیا چیزیں گریں گی؟ لاؤ وہ تمہارا پرچہ کہاں ہے جس میں میں نے خدمات لکھی ہیں چلو! یہ بھی لکھ دیتا ہوں اور آپ سب پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ جب آدمی قانونی عبارت لکھنے کے لیے بیٹھتا ہے نا تو سر چکرا جاتا ہے۔ قانونی عبارت لکھنا بہت مشکل ہے اب جب وہ لکھنے کے لیے بیٹھا تو کیا لکھے؟ اگر لکھے دوشالے کا تو دوشالہ تو خیر گیا، ختم ہی ہو گیا۔ اگر یہ لکھے کہ بھئی ٹوپی گر جائے تو اٹھا لینا تو اس کا مطلب یہ ہے رومال گرے گا تو نہیں اٹھائے گا۔ کیا لکھے؟ اُس نے یہ لکھ دیا کہ آئندہ سے اگر کوئی چیز دوران سفر پیچھے گر جائے تو اس کو اٹھانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ اب اگلی منزل پہ جو پہنچے تو پہنچتے ہی اُس نے ایک تھیلا لا کے رکھا۔ اُس نے کہا یہ کیا ہے؟ کہنے لگا حضور! یہ گھوڑے کی لید ہے۔ گھوڑے کی لید کا ہے کے لیے ہے؟ اس نے کہا حضور پیچھے کچھ گرا نہیں آپ نے لکھا یہ ہے کہ جو کچھ پیچھے گرے اس کو اٹھا کے لانا تمہاری ذمہ داری۔ سوائے لید کے کچھ گرا ہی نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک غلام وہ ہے کہ جس کی غلامی سے آقا کہتا ہے میری توبہ بھلی۔ مجھے ایسا غلام نہیں چاہیے۔ ایک غلام یہ ہے۔ دوسرا غلام وہ ہے کام چور، کام خدمت کچھ نہ ہو اور رعایتیں اور تنخواہ مجھے سب کچھ مل جائے۔ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا سردی کا زمانہ ہے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے کہا کہ جاؤ ذرا جا کے باہر دیکھو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے موسم سے کچھ ایسا پتہ چلتا ہے کہ بارش ہو رہی ہے۔ دیکھ کے آؤ۔ تو وہ کہنے لگا کہ جی حضور مجھے کاہے کو اٹھاتے ہیں لحاف میں سے، مجھے تو یہاں لیٹے ہی لیٹے معلوم ہو گیا کہ بارش ہو رہی ہے، بھئی کیسے معلوم ہو گیا؟ اُس نے کہا حضور باہر سے ایک بلی آئی تھی میں نے جو اس کی کمر پہ ہاتھ پھیرا تو اس پہ پانی کے اثرات تھے وہ بادشاہ بیچارہ، وہ آقا جو تھا وہ جل بجھ کے رہ گیا، بھن کے رہ گیا۔ اس نے کہا کہ اچھا یہ چراغ جل رہا ہے اٹھ کے کم سے کم اس کی لو کو کم کر دو یا گُل کر دو اسے اس کے بغیر تو نیند نہیں آئے گی تو کہنے لگا کہ یہ جو چراغ گل کروا رہے ہیں آپ! اسی لئے کروا رہے ہیں کہ اس کی روشنی آپ کی آنکھوں کو ناگوار گزرتی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تو میں اس کا طریقہ بتاتا ہوں لحاف میں منہ ڈھک کے سو جائیے۔ (اٹھنا نہیں ہے کام کچھ نہیں کرنا ہے) اُنہوں نے کہا اچھا بھئی تمہاری خدمت کا پتہ چل گیا ہے اب ہم سو رہے ہیں تم

کم سے کم جا کے دروازے کے کواڑ تو بند کر کے آؤ کبھی رات کو کوئی چور آ جائے چوری کر کے لے جائے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ جی دیکھئے اتنے کام تو میں نے کئے ہیں ایک کام آپ کر لیجئے' یہ بھی ایک غلام ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے بندو! تم میری غلامی اختیار کرو' کون سی غلامی وہ پرچے والی؟ یہ غلامی کا م چور؟ نہیں۔ ایک اور غلامی ہے۔ ایک آقا اپنے نوکر سے یہ کہتا ہے قالین پہ بیٹھا ہوا ہے۔ فرش فروش بچھے ہوئے ہیں۔ چاندنیاں بچھی ہوئی ہیں اور اپنے غلام سے کہتا ہے کہ جاؤ۔ دہکتی ہوئی انگیٹھیاں اور اس میں کوئلے ڈال کے لے کے آؤ۔ وہ کھڑے ہو کے یہ کہتا ہے کہ حضور میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تو تیار ہوں لیکن یہ میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ جہاں سفید چاندنیاں بچھی ہوئی ہیں' جہاں قالین بچھے ہوئے ہیں' وہاں پر انگیٹھی کا کیا کام ہے۔ جب تک اس کی حکمت میری سمجھ میں نہ آ جائے اس وقت تک حضور میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ اندازہ لگایئے کوئی دنیا کا چھوٹا موٹا آقا' معمولی درجے کا کوئی امیر' اپنے کسی غلام کی اس گستاخی کو برداشت کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ وہ یہ کہے گا کہ تجھے کس نے یہ قوت دی ہے کہ تو چون و چرا کرے۔ تیرا کام تعمیل حکم ہے۔

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ بڑے عارف باللہ تھے اُن کا ایک شعر یاد آیا۔ فرمایا کہ ع

گِل راچہ مجال است کہ پُرسد زِ کلال

گِل مٹی کو کہتے ہیں' کلال' کمہار کو کہتے ہیں۔

کمہار' جب برتن بناتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک وہ چوکا سا ہے اور اُس کو گھماتا ہے اور ہاتھ سے آبخورا بنا دیا اور آبخورا بنا کے پھر اُسے مٹی میں تبدیل کر دیا' پھر اس کو لگتا ہے اب کے پلیٹ بنا دی اور پھر اسے مٹی میں تبدیل کر دیا' اب کے اس نے گلاس بنا دیا پھر مٹی میں تبدیل کر دیا۔

بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ع گِل راچہ مجال است کہ پُرسد زِ کلال

مٹی کی کیا مجال ہے کہ جو کمہار سے پوچھے کہ تُو نے مجھے پلیٹ کیوں بنایا تھا مٹی میں کیوں تبدیل کر دیا؟

گِل راچہ مجال است کہ پُرسد زِ کلال ☆ از بہرِ چہ سازی و چرا می شکنی

کیوں مجھے تو نے برتن بنایا تھا اور کیوں تو نے مجھے مٹی میں تبدیل کر دیا؟ میرے دوستو! اگر مٹی کی مجال نہیں ہے کہ وہ کمہار سے پوچھ سکے تو دنیا میں وہ کون سا آدمی ہے جس کی یہ مجال ہے کہ اللہ

کم سے کم جا کے دروازے کے کواڑ تو بند کر کے آؤ کبھی رات کو کوئی چور آ جائے چوری کر کے لے جائے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ جی دیکھئے اتنے کام تو میں نے کئے ہیں ایک کام آپ کر لیجئے' یہ بھی ایک غلام ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے بندو! تم میری غلامی اختیار کرو' کون سی غلامی وہ پرچے والی؟ یہ غلامی کام چور؟ نہیں۔ ایک اور غلامی ہے۔ ایک آقا اپنے نوکر سے یہ کہتا ہے قالین پہ بیٹھا ہوا ہے۔ فرش فروش بچھے ہوئے ہیں۔ چاندنیاں بچھی ہوئی ہیں اور اپنے غلام سے کہتا ہے کہ جاؤ۔ دہکتی ہوئی انگیٹھیاں اور اس میں کوئلے ڈال کے لے کے آؤ۔ وہ کھڑے ہو کے یہ کہتا ہے کہ حضور میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تو تیار ہوں لیکن یہ میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ جہاں سفید چاندنیاں بچھی ہوئی ہیں' جہاں قالین بچھے ہوئے ہیں' وہاں پر انگیٹھی کا کیا کام ہے۔ جب تک اس کی حکمت میری سمجھ میں نہ آ جائے اس وقت تک حضور میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ آپ اندازہ لگایئے کوئی دنیا کا چھوٹا موٹا آقا' معمولی درجے کا کوئی امیر' اپنے کسی غلام کی اس گستاخی کو برداشت کر سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ وہ یہ کہے گا کہ تجھے کس نے یہ قوت دی ہے کہ تو چون و چرا کرے۔ تیرا کام تعمیل حکم ہے۔ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ بڑے عارف باللہ تھے اُن کا ایک شعر یاد آیا۔ فرمایا کہ ع

گِل راچہ مجال است کہ پُرسد زِ کلال

گِل مٹی کو کہتے ہیں' کلال' کمہار کو کہتے ہیں۔

کمہار' جب برتن بناتا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک وہ چوکا سا ہے اور اُس کو گھماتا ہے اور ہاتھ سے آبخورا بنا دیا اور آبخورا بنا کے پھر اُسے مٹی میں تبدیل کر دیا' پھر اس کو لگاتا ہے اب کے پلیٹ بنا دی اور پھر اسے مٹی میں تبدیل کر دیا' اب کے اس نے گلاس بنا دیا پھر مٹی میں تبدیل کر دیا۔

بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ع گِل راچہ مجال است کہ پُرسد زِ کلال

مٹی کی کیا مجال ہے کہ جو کمہار سے پوچھے کہ تُو نے مجھے پلیٹ کیوں بنایا تھا مٹی میں کیوں تبدیل کر دیا؟۔

گِل راچہ مجال است کہ پُرسد زِ کلال ☆ از بہرِ چہ سازی وچرا می شِکنی

کیوں مجھے تو نے برتن بنایا تھا اور کیوں تو نے مجھے مٹی میں تبدیل کر دیا؟ میرے دوستو! اگر مٹی کی مجال نہیں ہے کہ وہ کمہار سے پوچھ سکے تو دنیا میں وہ کون سا آدمی ہے جس کی یہ مجال ہے کہ اللہ

سے اور اپنے رسول سے یہ کہے کہ صاحب یہ کیوں ہے اور یہ کیوں نہیں ہے؟ چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ یہ جب تک میری سمجھ میں نہ آ جائے۔ اور (آپ لوگوں کی سمجھ) میں آپ کی توہین نہیں کرتا ہوں' ہر کام جس میں آپ مصروف ہیں اُس میں آپ امام ہیں اور جس کام سے آپ کو سابقہ نہیں ہے۔ معاف کیجئے اس کی الف بے سے واقف نہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے' اگر' کوئی انڈسٹری لگانے والا' کسی مولوی صاحب کو لے جائے اور لے جا کر یہ کہے کہ مولوی صاحب ذرا یہ تو بتایئے کہ یہ جو چمنی (یعنی دھواں باہر نکالنے کا پائپ) ہے' یہ میں کہاں لگاؤں' انجن کہاں لگاؤں' اور پانی کی ٹنکی کہاں رکھوں؟ آپ ایمانداری سے بتایئے مولوی صاحب اگر دیانتدار ہوں گے تو یہی کہیں گے کہ بیٹا یہ کسی انجینئر سے پوچھو میں نے تو اس کی الف بے بھی نہیں پڑھی ہے۔ میں نے تو اس کی الف بے بھی نہیں پڑھی' جس کا جو کام ہے اس میں وہ ماہر ہے' میں تفسیر میں دیکھ رہا تھا قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ جو دو عورتوں کی شہادت' جو ایک مرد کی شہادت کے قائم مقام بنائی گئی ہے تا کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے۔ فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى تو فقہاء نے لکھا ہے مفسرین نے لکھا ہے یہ نہ سمجھنا کہ اس کی یادداشت کمزور ہے' نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ جو معاملات اس کی دلچسپی کے معاملات ہیں اس میں اس کی یادداشت اتنی قوت والی اور اتنی مضبوط ہے کہ میری اور آپ کی بھی نہیں ہے۔ صاحب حیرت کی بات ہے' بہت سی عورتیں آپ کو بتائیں گی' فلاناں لڑکا جب پیدا ہوا ہے رجب کی فلانی تاریخ تھی۔ دھوپ نکل رہی تھی بارش ہو رہی تھی' فلاں بچہ جب پیدا ہوا ہے تو جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا' فلاں جب یہ ہوا ہے۔ فلاں یہ جو گھریلو اور عائلی معاملات کے بارے میں اُن کی یادداشت اتنی قوی اتنی مضبوط ہے کہ میری اور آپ کی نہیں ہے۔ وہ اُن کی قدرتی دلچسپی کا معاملہ ہے۔ اب رہا یہ جن قرض کے لین دین اور بہت سے معاملات ہیں ان میں ان کو (یعنی عورتوں کو) اتنی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اُن کا مشغلہ نہیں ہے۔ جب ان کا مشغلہ نہیں ہے تو اس میں ان کی یادداشت اتنی مضبوط نہیں ہے۔ جب اتنی مضبوط نہیں ہے تو اس میں فرمایا کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے قائم مقام کر دی۔ یہ بتا ہے کہ اُن کا ذاکرہ قوتِ ذاکرہ جو ہے اُن کی وہ ان کے اپنے معاملات میں مضبوط ہے اور جو معاملات ان سے متعلق نہیں ہیں' اس میں کمزور ہے۔ بہت اچھا فیصلہ کیا۔ تو اسی طریقے پر جن معاملات میں آپ صبح سے شام تک لے کے مصروف رہتے ہیں ان میں آپ بہترین قسم کے امام ہیں اور کوئی جگہ

نہیں ہے میں نے تو کم سے کم آج تک زندگی میں نہیں دیکھا۔ معمولی سی بات ہے آپ حجامت بنواتے ہیں حجام سے ماشاء اللہ کیسی سعادت مندی کے ساتھ اس کے سامنے سر ڈال کے بیٹھ جاتے ہیں وہ اِدھر کرتا ہے آپ اِدھر کر لیتے ہیں وہ اُدھر کرتا ہے آپ اُدھر کر لیتے ہیں وہ جھکاتا ہے آپ جھکا لیتے ہیں۔ وہ اوپر کرتا ہے آپ اوپر کر لیتے ہیں ایک دفعہ بھی آپ نے احتجاج نہیں کیا کہ یہ کیا کرتا ہے۔ کیوں؟ آپ کو اعتماد ہے کہ جو کام یہ کر رہا ہے اس کام کے تقاضے میں یہ تبدیلی اور یہ اِدھر اُدھر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انجینئر چیف انجینئر اگر کوئی علاج کراتا ہے جا کے تو میں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہاں پر جا کے یہ کہتا ہو ڈاکٹروں سے دیکھو! میں چیف انجینئر ہوں جب تم کوئی نسخہ تجویز کرو تو مشورہ مجھ سے بھی کر لینا میں کوئی جاہل نہیں ہوں میں بھی چیف انجینئر ہوں ارے نہیں صاحب! آپ چیف انجینئر ہی نہیں ہیں آپ سارے ملک کے مالک ہیں۔ سوال یہ ہے کہ نسخے میں آپ کا دخل کیا ہے؟ اور جس وقت کہ کوئی برج بن رہا ہو کوئی پل بن رہا ہو یہ کام انجینئر کا ہے چیف انجینئر کا ہے۔ اگر کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر ڈاکٹر جمعہ اگر ڈاکٹر جمعہ یہ کہے کہ تمہیں معلوم ہے میں باہر کے ملکوں میں بھی بلایا جاتا ہوں تو کم سے کم برج کے معاملے میں مشورے کے لیے بھی تو مجھے بلا لینا۔ انہوں نے کہا صاحب! آپ کا کیا تعلق ہے اس سے! میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کبھی ڈاکٹر اور انجینئر میں کبھی جھگڑا ہوا ہو کبھی نہیں۔ ڈاکٹر انجینئر کے کام میں مداخلت نہیں کرتا۔ انجینئر ڈاکٹر کے کام میں مداخلت نہیں کرتا۔ جب آپ یہ سمجھ گئے تو کسی کا یہ کہنا اجی جب تک ہماری سمجھ میں نہ آ جائے اور سمجھ میں جو بات آتی ہے الٹی آتی ہے۔ کیونکہ سمجھ کبھی کبھی بیمار بھی ہوتی ہے۔ ایک معمولی سی بات آپ کو بتاتا ہوں یہ جو کہا جاتا ہے نا کہ بھئی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ نہیں پہننا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ نہیں پہننا منع کیا جاتا ہے۔ حدیث میں ممانعت ہے تو ایک صاحب بڑے پڑھے لکھے تعلیم یافتہ فرمانے لگے کہنے لگے مولانا صاحب اور یہ جو آپ موزہ پہنے ہوئے ہیں اس سے تو سارے ٹخنے آپ کے ڈھکے ہوئے ہیں۔ لیجئے یہ اجتہاد کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ جو ڈھیلا پاجامہ پہننے کو منع کیا گیا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ٹخنے نہ ڈھکیں۔ حالانکہ اصل وجہ یہ نہیں ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ڈھیلا پاجامہ پہننا متکبروں کی نشانی ہے۔ ورنہ اگر جراب (یعنی موزوں) کے ذریعہ سے اگر کسی کے ٹخنے ڈھکیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بھی ڈھیلا پاجامہ پہننا جو ہے یہ فرعونوں

کی اور متکبروں کی نشانیوں میں قرار دیا گیا ہے۔ پھر بھی خلاف سنت ہے یہ۔ آپ نے حکمت نکالی تو یہ نکالی۔ تو آپ نے دیکھا' غلامی کی ایک قسم یہ ہے کہ جی پہلے سمجھ میں آ جائے پھر کروں گا' یہ غلام بھی قبول نہیں۔ پہلا غلام' دوسرا غلام' تیسرا غلام اور بھی ہو سکتے ہیں ایسے۔ لیکن وہ غلامی جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہ کون سی غلامی ہے؟ وہ یہ ہے۔ ایک شخص نے اپنا غلام کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا وہ اپنے آقا کے یہاں پہنچا آقا نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے (نمبر ایک) تم لباس کیسا پہنتے ہو' (نمبر دو) تمہارے کھانے اور پینے اور سونے کے معمولات کیا ہیں (نمبر تین) تمہارا شوق اور تمہاری دلچسپیاں کیا ہیں؟ (نمبر چار) یہ سب چیزیں بتا دو تا کہ تمہارے ساتھ ویسے ہی معاملہ کیا جائے۔ نام بتاؤ' لباس بتاؤ' کھانا پینا بتاؤ اور لباس بتاؤ یہ سب بتاؤ۔ اُس کا جواب سنئے' جواب دیتا ہے کہ حضور میں آپ کے گھر میں آقا بن کر نہیں آیا ہوں جو میں اپنا نام تجویز کروں' اپنا کھانا تجویز کروں' اپنا لباس تجویز کروں' میں غلام بن کر آیا ہوں' جس لفظ سے آپ مجھے پکاریں گے وہ میرا نام ہے' جو کھانے کو دیں گے وہ میرا کھانا ہے' جو میرے بدن پہ ڈالیں گے وہ میرا لباس ہے۔ جس طرح مجھے معمول بتائیں گے وہ میرا معمول ہے۔ تجویز کرنا آقا کا کام ہے' تعمیل کرنا غلام کا کام ہے۔ آپ حکم دیجئے میں تعمیل کروں گا۔ یہ قسم ہے غلام کی۔ اس سے یہ بھی سمجھ لیجئے ہم نام رکھنے میں بھی آزاد نہیں ہیں۔ نام وہ رکھئے جس میں توحید کی روح جھلکے' بہت سے جاہلوں کے نام رکھ لیتے ہیں۔ بہت سے مشرکانہ قسم کے نام رکھ لیتے ہیں۔ اگر یہ سب اسلام میں روا ہوتے تو صدیق اکبر کا نام عبدالکعبہ تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے نام تبدیل کر کے آپ کا نام عبداللہ کیوں رکھا؟ معلوم ہوا کہ ناموں میں بھی ہم آزاد نہیں ہیں۔ بچوں کے نام وہ رکھو کہ جس نام میں اسلامیت' توحید کی روح جھلک رہی ہو۔ معلوم ہو کہ یہ کسی مسلمان کا نام ہے اور ایسا کوئی نام رکھنا کہ جس نام سے یہی پتہ نہ چلے کہ یہ مسلمان ہے یا غیر مسلم ہے تو اُس نے یہ کہا' کھاؤں گا وہ جس کی آپ اجازت دیں گے' پہنوں گا وہ جس کی آپ اجازت دیں گے' کام وہ کروں گا جس کا آپ حکم دیں گے تجویز کرنا آقا کا کام ہے' تعمیل حکم بندے کا کام ہے۔ میں تعمیلِ حکم کے لئے آپ کے گھر میں آیا ہوں۔ تجویز کے لیے نہیں آیا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! تم میری غلامی اختیار کرو یہ قسم ہے غلامی کی۔ غلامی کی یہ قسم ہے۔ ہم اور آپ کیا کرتے ہیں؟ ہم اور آپ یہ کرتے ہیں کہ ایک شعبہ میں غلامی' دوسرے میں خود آقا بنے بیٹھے ہیں۔ کسی شعبہ میں غلام

ہیں' کسی شعبہ میں ہم خود آقا بنے بیٹھے ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص تھا' اُس زمانے میں جسم کے اوپر نشان بنانے کا' پھول بنانے کا' نام لکھنے کا' گودنے کا بہت رواج تھا۔ تو ایک شخص نے اپنا شوق ظاہر کیا کہ میرے دل میں یہ شوق ہے کہ میری کمر کے اوپر شیر کی تصویر بنائی جائے تو گودنے والے نے کہا کہ جی بہت اچھا! مسالہ بھی زیادہ لگے گا' ٹائم بھی زیادہ لگے گا' مزدوری بھی زیادہ ہوگی۔ ہمیں کیا ہے' بنا دیں گے۔ طے ہوگیا۔ کرتہ اتارا کرتہ اتار کے بیٹھ گئے۔ اب وہ جس سے گودا جاتا ہے نا وہ تو ایک قسم کی سوئی ہوتی ہے۔ گودنے والے نے جو سوئی رکھی اور وہ چبھی تو زور سے چلایا اور چلا کے کہنے لگا یار کیا کرتا ہے؟ انہوں نے کہا بھئی شیر بنا رہا ہوں' انہوں نے کہا بھئی شیر تو بنا رہا ہے مگر شیر کا کون سا حصہ بنا رہا ہے؟ اس نے کہا میں شیر کی دم بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا یار! دم بنانے میں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ آخر بلا دُم کا بھی تو شیر ہوتا ہے' بلا دُم کا شیر بنا دے۔ یہ ہمارے اور آپ کے ذہنوں کے اوپر یہ صادق آتا ہے۔ بلا دم کا شیر بنا دے انہوں نے کہا اچھا جی۔ میرا کام تو ہلکا ہوگیا' پھر سوئی رکھی اور چلایا اس نے کہا اب کیا بناتا ہے؟ اس نے کہا جی سر بنا رہا ہوں اوہو! یہ تو سر بنانے میں بھی بڑی تکلیف ہے یار بلا سر کے بھی تو شیر ہوتا ہے۔ یار! سر نہ بنا شیر بنا دے' ٹانگیں نہ بنا شیر بنا دے' پیٹ نہ بنا شیر بنا دے' اُس نے زور سے اپنے ہتھیار پھینکے اوزار' اور پھینک کے کیا کہتا ہے' کہتا ہے کہ ع

شیرِ بے گوش و سر و اشکم کہ دید

بھئی ایسا شیر جس کے نہ پیٹ ہو' نہ کان ہوں' نہ آنکھ ہو' نہ دم ہو اور نہ ٹانگیں ہوں نہ کچھ ہو' ایسا شیر کسی نے دیکھا ہے۔

شیر بے گوش و سر و اشکم کہ دید
ایں چنیں شیرے خدا ہم ناآفرید

ایسا شیر تو اللہ نے بھی نہیں پیدا کیا دنیا میں' میں تیری کمر پہ کہاں سے بنا دوں؟ آج ہمارا معاشرہ یہی ہے' مسلمان سے نماز کے لیے (کہیے) ارے صاحب! سارا اسلام کیا نماز میں ہی ہے؟ پھر؟ مطلب یہ ہے کہ بلا دم کا شیر چاہئے' اچھا صاحب! سارا اسلام تو نماز میں نہیں ہے۔ اچھا صاحب! زکوٰۃ' انہوں نے کہا سارا اسلام زکوٰۃ میں ہی ہے' پاجامہ ذرا ٹخنوں سے اوپر کر لیجئے!

ارے صاحب سارا اسلام ٹخنوں میں ہے؟ داڑھی رکھ لیجئے! سارا اسلام داڑھی میں
ہوا ہے؟ آپ ایک ایک اسلام کا جزو آپ لیجئے اور اس کا نام لے لے کے کہئے آج کا نوجوان
کہ کیا سارا اسلام اسی میں ہے، رکھا ہوا ہے تو ہم ہار کے جواب یہ دیتے ہیں۔ اچھا بھئی ہم
اسلام اس میں نہیں رکھا ہوا ہے۔ اب مہربانی کر کے انگلی رکھ کے آپ بتائیے کہ اسلام کا
ہے؟ ان چیزوں میں تو ہے نہیں۔ آپ بتا دیجئے کاہے میں رکھا ہے؟ جس سے یہ بات معلو
درحقیقت آج ہم نے اور آپ نے اس طریقہ سے اسلام کے ساتھ برتاؤ کیا ہے۔ ہاتھ اُ
دیا ہے، دم اس کی کاٹ دی ہے، سر اس کا کاٹ دیا ہے، تمام اعضاء اُس کے کاٹ دیئے ہیں
سمجھتے ہیں کہ شاید ہم اور آپ جو ہیں ہم اور آپ اسلام کو لا رہے ہیں اور اسلام کے ہم لوگ
ہیں وہ شیدائی اور عاشق بنے ہوئے ہیں تو میرے دوستو اب آپ سمجھ لیجئے عبد کے معنی
عبادت کے معنی ہیں غلامی اختیار کرنا۔ کون سی غلامی اختیار کرنا؟ ایک معمولی سی بات سے
بات تک۔ ہر چیز کے اوپر عمل کرنا یہ ہے اصل میں اسلام اور کسی بات کو یہ سمجھ کے چھوڑ د
میں یہ معمولی بات ہے۔ میرے دوستو! اس کا حق نہ مجھے حاصل ہے نہ آپ کو حاصل
حاصل ہوگا۔ کسی کو اس کا حق حاصل نہیں۔ کسی برائی کو یہ سمجھ کے کرنا کہ یہ معمولی درجے کی
سزا دینے والے کو حاصل ہے کہ سزا دیتے وقت وہ یہ کہے کہ یہ بات معمولی درجے کی
تھوڑی دیتا ہوں۔ لیکن کیا یہ حق مجرم کو دیا گیا ہے کہ یہ فیصلہ کرے کہ یہ، یہ جو جرم کیا ہے
نہیں۔ اسی طرح کسی نیکی کا فیصلہ کرنا، انعام دینے والے کو حق ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے
بڑی نیکی کی ہے اس کا انعام بڑا ہے۔ اس کا انعام چھوٹا ہے۔ ہمیں اور آپ کو یہ حق حاصل
ہم کسی نیکی کو معمولی سمجھیں اور معمولی سمجھ کر اُس کو ترک کر دیں۔ حاصل یہ اسلام کے تما
وہ پیارے ہیں۔ ان سارے اجزاء سے مل کر اسلام بنتا ہے۔ ہم اور آپ اگر اس کے
اور طرز اختیار کریں تو معلوم ہوا کہ ہم بھی اُسی غلام کی طرح ہیں جو چالاکیوں کے ساتھ
کو اور اس کے شعبوں کو چھوڑتا چلا جا رہا ہے۔ میں نے آپ کو بتایا چار قسم غلاموں کی
قسم جو ہے غلامی کی اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں "ایسے غلام بن جاؤ"۔ ساری زندگی اللہ کے
جب ساری زندگی اللہ کے حوالے کر دو۔ تو اب یہ بات اچھی لگتی ہے۔ اگر کوئی تمہیں صد

وانا الیہ راجعون۔ بالکل اس کے یہی معنی ہیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے ہم تو سب غلام ہیں اللہ کے، ہم سب غلام ہیں اللہ کے۔ تجویز کرنے کا حق اللہ کو ہے ہمیں نہیں ہے۔ ہمارا کام تعمیل حکم ہے۔ انا للہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم سب کے سب غلام ہیں اللہ کے، ہم سب کے سب ملکیت ہیں اللہ کی۔ جو اللہ کرتا ہے ہمیں اس کی تعمیل کرنی چاہئے وانا الیہ راجعون اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّالِیَعْبُدُوْن O ہم نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ انسان اللہ کی غلامی اختیار کرے اور یہ غلامی اختیار کرنا انسانوں کے لیے خاص طور پر آسان اور سہل ہے کیوں؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں انسان کو انسان کہا ہے یہ ایسا ہے جیسے کسی کو غیرت دلائی ہے۔ یہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت سبحان اللہ، جانوروں کا ذکر دیا ہے پھر انسان کا ذکر کر دیا۔ فرمایا کہ: وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحاً O فَالْمُورِیٰتِ قَدْحاً O فَالْمُغِیْرَاتِ صُبْحاً O فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعاً O فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعاً O اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ O اے حضرت انسان! جب انسان کہہ کے اللہ تعالیٰ پکارتے ہیں تو جن لوگوں کو شعور ہے، اُن کی گردن نیچے جھک جاتی ہے، شرم سے جھک جاتی ہے۔ کیوں؟ انسان کے معنی ہیں اے وہ مخلوق! جس کی فطرت میں ہم نے یہ صلاحیت رکھی تھی کہ وہ اپنے آقا کو اور اپنے محسن کو پہچانے۔ اُنس کی صلاحیت ہم نے رکھی تھی گھوڑا ہماری اطاعت نہ کرے، ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ یہ صلاحیت تو ہم نے اس میں نہیں رکھی۔ اونٹ نہ کرے، یہ صلاحیت تو ہم نے اُس میں نہیں رکھی۔ ہاتھی نہ کرے یہ صلاحیت تو ہم نے اس میں نہیں رکھی۔ لیکن ایک مخلوق ہے جس کا نام ہم نے رکھا ہے انسان۔ فرمایا کہ: ع وَمَاسُمِّیَ الْاِنْسَانُ اِلَّالِاُنْسِہٖ "اُنس" کی وجہ سے انسان کا نام انسان ہوا ہے

وَمَاسُمِّیَ الْاِنْسَانُ اِلَّالِاُنْسِہٖ ☆ وَمَاالْقَلْبُ اِلَّااَنَّہٗ یَتَقَلَّبُ

قلب کو قلب اس لیے کہتے ہیں کہ ہر وقت اس میں انقلاب برپا رہتا ہے اور انسان کو انسان اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے مالک کو اپنے محسن کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ہم نے جن اور انس کو پیدا کیا ہے۔ اس لیے کہتا کہ اپنے محسن حقیقی اور مربی کو پہچانیں اور وہ رویہ اختیار کریں جو غلام نمبر چار اختیار کرتا ہے۔ کہتا ہے نام میرا وہ جو آپ بتائیں، غذا میری وہ جو آپ تجویز کریں، لباس میرا وہ جو آپ تجویز کریں۔ شوق میرا وہ جس کی آپ اجازت دیں۔ معمولات میرے وہ جس کو

آپ مقرر کریں یہ غلامی وہ غلامی ہے جس کا قرآن کریم ہم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ یہ غلامی اختیار کرنا چاہئے۔ یہ اس کا حاصل تھا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبات احتشام عنوان

مسجد اقصیٰ سے عرش الٰہی تک

واقعۂ معراج

فلسفۂ قسم اور بعض احکام میں

اللہ و رسول کی ذات مستثنیٰ ہونے کی تفصیل

جمعہ کی تقریر

سورۃ الاسراء 76-7-23

بمقام جامع مسجد تھانویؒ جیکب لائن کراچی، محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

الحمد للّٰہ نحمدہ، ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیّدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ O

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز۔ واقعۂ معراج کے سلسلے میں، گذشتہ جمعہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ نے مسجد اقصیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی۔ اور اُس نماز کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو میں نے

عرض کیا تھا کہ علماء نے لکھا ہے کہ یہ نماز نفل تھی کیونکہ ابھی تک اسلام میں نماز کا فریضہ نہیں دیا گیا۔ جب آپ سفرِ معراج سے واپس تشریف لائیں گے تو نماز کی فرضیّت آپ کو ملے گی تو فرض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب رہی یہ بات کہ جب یہ نماز نفل تھی تو پھر جماعت کے ساتھ کیسے ہوئی؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جماعت حق ہے فرض نماز کا واجب کا بھی ہے۔ اور اسی سلسلے میں ایک مسئلہ رمضان کے وتر کا بھی میں نے بیان کر دیا تھا کہ وتر کی نماز صرف رمضان میں جماعت کے ساتھ ہوتی ہے وہ بھی اُن لوگوں کے لیے ہے کہ جنہوں نے فرض نماز جماعت سے ادا کئے ہوں اور اگر کسی نے فرض نماز الگ الگ ادا کی اور یہ سب آدمی مل کر وتر کی جماعت کریں تو وتر کی جماعت پھر جائز نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں جماعت حق ہے فرض کا، وہاں تو آپ نے اُسے چھوڑ دیا اور واجب نماز کا حق نہیں ہے کہ وہ جماعت سے ادا ہو وہاں آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھ لی۔ اس لیے علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر کسی کے فرض جماعت کے ساتھ رمضان میں رہ گئے ہوں تو وہ اُن لوگوں کے ساتھ مل کر وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتا ہے کہ جنہوں نے اسی مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کی ہو۔ اُن کے ساتھ مل کے پڑھ لے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اگرچہ فرض نماز جماعت سے نہیں پڑھی تھی۔ مگر یہ کہ فرض نماز جماعت سے ادا ہوئی ہے اور وہی ادا کرنے والے جو ہیں وہ وتر کی جماعت اب کر رہے ہیں لہٰذا یہ جس کے فرض جماعت سے رہ گئے تھے اُن کے ساتھ مل کے ادا کر لے۔ خیر! تو بات یہ تھی کہ یہ نماز نفل ہے اور پھر جماعت کے ساتھ کیسے ہوئی؟ بلکہ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ اذان دینے والے نے اذان دی۔ یعنی اعلان کیا۔ پھر تکبیر کہنے والے نے اقامت کہی اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے نماز پڑھائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا گیا ہے جیسا کہ فرض نمازوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کسی نماز کے لیے فرض کے علاوہ اعلان جائز نہیں ہے صرف فرض نمازوں کے لیے اذان ہے۔ اور اسی طریقے سے اقامت بھی فرض جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور ہمارا یہ خیال ہے کہ اس ساری بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بے شک یہ نماز نفل ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ اذان کے ساتھ اقامت کے ساتھ ادا فرمائی ہے۔ لیکن بعض احکام اور مسائل ایسے ہیں کہ جو خصوصیت ہے

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض چیزیں آپ کے لیے مخصوص ہیں اُمت کے لیے اُس کی اجازت نہیں ہے۔

ایسے بہت سے احکام آپ کو ملیں گے۔ مثال کے طور پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح چار سے زائد ہوئے لیکن یہ آپ کی پیغمبرانہ خصوصیت ہے اُمت کو اجازت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ قرآن کریم نے یہ بھی کہا کہ آپ ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس چاہے جائیں چاہے نہ جائیں آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ کوئی ذمہ داری نہیں مگر یہ حکم اُمت کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ کی ایک ہے یا ایک سے زائد بیوی ہے۔ تو آپ پر مؤاخذہ ہوگا اگر آپ اُس کا حق ادا نہ کریں گے اور آپ اُس کے ساتھ عدل اور انصاف نہیں کریں گے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن کریم میں تصریح ہے کہ آپ چاہے ان کے پاس جائیں چاہے نہ جائیں آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن پھر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عدل اور انصاف قائم فرمایا کہ ہم اور آپ ضابطے میں اور قانون میں پابند ہونے کے باوجود ادا نہیں کر سکتے' یہاں تک کہ جب آپ کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا بخار تھا آپ کو' اور آپ بعض دوسری ازواج مطہرات کے گھر میں ہیں اور آپ یہ پوچھ رہے ہیں کہ آج کونسا دن ہے؟ پھر آپ نے یہی سوال کیا اگلے دن بھی یہی سوال کیا۔ بعض ازواج مطہرات کو یہ خیال ہوا کہ آپ شاید تکلیف کی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جانا چاہتے ہیں اُن سے آپ کو اُنس زیادہ ہے اور پوچھ اس لیے رہے ہیں کہ معلوم نہیں کس دن میری باری ہے اور کس دن مجھے جانا چاہیے۔ کسی بیوی کا حق تلف نہ ہو جائے۔ ازواج مطہرات جب اس بات کو سمجھ گئیں تو انہوں نے سب نے حاضر ہو کر کہا کہ اے اللہ کے نبی! اگر آپ کا دل چاہتا ہے کہ علالت و بیماری میں آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس قیام فرمائیں اور آرام کریں تو ہم میں کسی کو کوئی گلہ اور شکوہ نہیں ہم خوشی سے اجازت دیتی ہیں۔ لیکن اللہ کی طرف سے تو پہلے سے یہ بتایا گیا کہ آپ پابند نہیں ہیں آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا بعض احکام ایسے ہیں حکم ہے ہمیں اور آپ کو' لیکن وہ حکم دینے والے پر نہیں ہے۔ بعض اوقات وہ حکم اُس نبی اور پیغمبر پر نہیں ہے کہ جس کے ذریعے اور واسطے سے دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے دین میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم

موّحد ہیں اور ایک مُوحد کو اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ غیر اللہ کی قسم کھانا اسلام کے اندر توحید کے خلاف ہے۔ ذات خداوندی کی قسم کھاؤ یا صفت خداوندی کی قسم کھاؤ۔ ذات خداوندی' جیسے واللہ' باللہ' تاللہ۔ اللہ کی ذات کی قسم اور صفت خداوندی یہ ہے کہ خدا کے کلام کی قسم قرآن کریم کی قسم یہ کلام کلامِ خداوندی ہے یہ خدا کی صفت ہے یہ۔ جس کا مطلب یہ ہے یا ذات خداوندی کی یا صفت خداوندی کی قسم کھاؤ اور یہ دونوں قسم اللہ ہی کی قسم ہیں۔ باپ کی قسم بیٹے کی قسم ماں کی قسم بتوں کی قسم اور اسی طریقے سے بعض چیزوں کی قسمیں کھانے کی اسلام نے اجازت نہیں دی یہ صرف قسم کھانا حق ہے اللہ کا اور وجہ اُس کی حکمت اُس کی یہ بیان کی ہے۔ فرمایا کہ آدمی جو قسم کھاتا ہے' آپ نے کبھی غور کیا کہ کیوں کھاتا ہے؟ قسم اس لیے کھاتا ہے کہ شاید یہ میری بات کا یقین نہ کرے تو قسم کھا کے کہوتا کہ یقین کر لے۔ قسم کا فلسفہ یہ ہے بیان کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میرا مخاطب صاف دل کا آدمی نہیں میری بات کو اہمیت نہیں دے گا مانے گا نہیں وہ اتنی موٹی اور اتنی بڑی قسم کھا کر یہ بات کہتا ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کو یقین آ جائے یہ ہے قسم کا مقصد۔ اسی لیے ایک عربی جاننے والے بدّو نے کیا عارفانہ بات کہی۔ بدّو پڑھا لکھا نہیں ہوتا لیکن فہم سمجھ صلاحیت یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے اللہ تعالیٰ عطا فرما دے واقعہ لکھا ہے کہ امام اصمعی بڑے اونچے درجے کے صاحب علم بھی ہیں اور اللہ والے بھی ہیں فرمایا کہ کہیں پیدل سفر پہ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں کچھ لوگوں نے اُنہیں پکڑ لیا امام اصمعی کو۔ اور امام اصمعی سے یہ کہا کہ تم اپنی تلاشی دو تمہارے پاس کیا ہے؟ جیبوں میں دیکھا سامان میں دیکھا' انہوں نے کہا آخر بتاؤ تو بات کیا ہے؟ اُن لوگوں نے کہا کہ جی ہم قُطّاعِ طریق ہیں' ہم رہ زن ہیں' ہمارا کام ہے گزرنے والوں پر ڈاکہ ڈالنا۔ اسی لیے ہم آپ کے سامان کی تلاشی لے رہے ہیں کہ جو آپ کے پاس ہوگا ہم چھین لیں گے۔ امام اصمعی نے کہا کہ ارے ظالمو! یہ تم کیا کرتے ہو؟ (توبہ توبہ) یہ تو بہت برا کام ہے انہوں نے کہا کہ برا ہو یا اچھا ہو لیکن بات یہ ہے کہ ہمارا رزق اللہ نے اسی طرح اُتارا ہے' ہمارا رزق اسی پر موقوف ہے کہ ہم گزرنے والے کو پکڑ لیں اور اس کے سامان کی تلاشی لے کے اُس کے سامان کو چھین لیں ہمارا رزق اللہ نے اسی طرح اُتارا ہے۔ امام اصمعی نے کہا ارے! ایک تو تم گناہ کرتے ہو اور دوسرے خدا پر بہتان لگاتے ہو۔

تمہیں کس نے بتا دیا کہ تمہارا رزق اللہ نے اس طریقہ پر اُتارا ہے۔

تو اُن چوروں نے کہا کہ اچھا پھر ہمارا رزق کیسے اُتارا ہے؟ آپ بتایئے۔ فرمایا کہ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُوْنَ۔ قرآن کریم کی آیت پڑھی تمہارا رزق آسمانوں میں ہے اور اللہ بہ قدر اُس کے حصے کے اور اُس کے نصیب کے مطابق اللہ تعالیٰ آسمان سے اتارتے ہیں، تو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تو آج تک یہ بات نہیں معلوم تھی ہم تو سمجھتے تھے کہ اسی طرح اللہ نے ہمارا رزق اُتارا ہے۔ یہ لکھا ہے کہ امام اَصمعی کے ہاتھ پر سب نے توبہ کی اور سب کے سب تائب ہو کر اللہ والے بن کر امام اَصمعی سے جُدا ہو گئے۔ امام اَصمعی ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی دوڑا ہوا آ رہا ہے اور آ کر امام سے لپٹ گیا امام نے کہا کہ بھئی تم کون ہو؟ اُس نے کہا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں جن چوروں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی تھی، اُن میں سے ایک میں بھی ہوں، میں بھی آج حج بیت اللہ کے لیے آیا ہوں آپ کو جو میں نے دیکھا تو میں آپ سے لپٹ گیا اور یہ کہا کہ وہ جو آپ نے خدا کا کلام سنایا تھا، جس کی وجہ سے ہماری زندگیاں بدل گئیں تھیں خدا کے لیے اگر کچھ یاد ہو تھوڑا سا اور سنا دیجئے۔ امام فرماتے ہیں کہ میں نے یہ آیت پڑھی فرمایا کہ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ زمینوں اور آسمانوں کے رب کی قسم، یہ خدا کا کلام ہے۔ جس کو اللہ نے خود قسم کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں کے رب کی قسم فَوَرَبِّ السَّمَآءِ فرماتے ہیں کہ وہ بدّو کہنے لگا کہ کیا دنیا میں ایسا کوئی بد بخت انسان تھا جو خدا کی بات کا یقین نہ کرتا جو خدا کو قسم کھانی پڑی۔ قسم تو کھاتے ہی اس لیے ہیں کہ کوئی مخاطب میری بات کا یقین نہیں کرے گا کیا دنیا میں آدم کی اولاد میں ایسا بھی کوئی بد بخت انسان تھا جو خدا کی بات کا یقین نہ کرتا، جو خدا کو قسم کھا کر یہ بات کہنی پڑی۔ معلوم ہوا بدّو نے صحیح سمجھا ہے قسم کھاتے ہیں یقین دلانے کے لیے۔ اسی لیے قسم کھائی جاتی ہے اُس ذات کی جس کی عظمت جس کی بڑائی جس کا احترام انتہائی ہو۔ ذلیل چیز کی قسم نہیں کھائی جاتی۔ آپ لوگ بھی آنکھوں کی قسم کھاتے ہیں سر کی قسم کھاتے ہیں، آپ لوگ بھی کہیں بیٹے کی قسم کھاتے ہیں، باپ کی قسم کھاتے ہیں، ماں کی قسم کھاتے ہیں مگر کبھی کسی کو نہیں دیکھا ہو گا کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ میرے جوتے کی قسم پاؤں کی قسم اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قسم کا جو مطلب ہے وہ فوت ہو جاتا ہے قسم

میں عظمت والی چیز کا ذکر کیا جاتا ہے کسی ذلیل چیز کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی اسلام کہتا ہے وہ عظمت کا مقام جو قسم کے اندر دیا جاتا ہے وہ اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کو حاصل نہیں ہے لہٰذا عظمت کا وہ مقام محفوظ رکھنے کے لیے قسم کھاؤ تو صرف اللہ کی کھاؤ یا صفتِ خداوندی کی، غیر اللہ کی قسم کی اجازت نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عظمت کا اور بڑائی کا یہ مقام اگر تم نے غیر اللہ کو دیا۔ توحید کے خلاف ہے یہ۔ یہ ایک قسم کا شرک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے غیر اللہ کو وہ مقام دیا ہے جو مقام اللہ کا مقام اور اللہ کی عظمت اور بڑائی کا مقام ہے، سمجھ میں آ گئی بات۔ اسلام کا یہ حکم ہے۔ لیکن اگر آپ میں سے کوئی ذہین آدمی (تیز) یہ کہے کہ صاحب! اللہ میاں نے ہمیں خود تو منع کیا ہے لیکن قرآن میں اپنے کلام میں خود اللہ نے غیر اللہ کی خوب قسمیں کھائی ہیں۔ فرمایا کہ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝ قسم ہے سورج کی، قسم ہے چاند کی، قسم ہے دن کی، قسم ہے رات کی اور کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی قسمیں کھائیں کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے بلدِ حرام کی، مکے کی قسم کھائی طور سینا کی قسم کھائی انجیل کی قسم کھائی زیتون کی قسم کھائی فرمایا کہ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ یہ چاروں قسمیں ہیں قسم ہے انجیل کی اور قسم ہے زیتون کی قسم ہے طور سینا کی اور قسم ہے بلدِ حرام کی اور چار قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ان چاروں کی قسمیں کھا کر ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حسین سے حسین تقویم اور ڈھانچے میں پیدا کیا ہے کوئی شخص اگر یہ اعتراض کرے کہ صاحب! خدا نے ہمیں منع کیا ہے دینِ اسلام کے اندر، کہ غیر اللہ کی قسمیں نہ کھاؤ مگر خدا خود تو قسمیں کھا رہا ہے۔ سورج کی کھائی چاند کی کھائی ہم کھائیں تو منع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سمجھے نہیں، حکم دینے والا آپ کو حکم دے رہا ہے یہ حکم خود حکم دینے والے پر نہ چلاؤ، یہ خود حکم دینے والے کے لیے نہیں ہے آپ کہیں گے کہ صاحب یہ کیا بات ہوئی آپ نے حکم دیا اور آپ کے لیے نہیں ہے نہیں! مگر یہ بھی کوئی ایسا باریک فلسفہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے اس لیے منع کیا ہے کہ عظمتِ خداوندی کا وہ مقام غیر اللہ کو نہ دیا جائے ورنہ اس راستے سے شرک آ جائے گا اور انسان شرک میں مبتلا ہو جائیں گے، اس بیماری کا خطرہ تھا۔ حکمت یہی ہے۔ جس کا

مطلب یہ ہے کہ ہم اور آپ اگر یہ بے احتیاطی کریں گے تو بیمار ہونے کا اندیشہ ہے کہ شرک میں نہ مبتلا ہو جائیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ خود غیر اللہ کی قسمیں کھائے تو کیا یہ خطرہ ہے کہ خدا بھی شرک میں نہ مبتلا ہو جائے؟ اللہ کے لیے تو یہ خطرہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ خود کہیں اس بیماری کے اندر گرفتار نہ ہو جائے خود کہیں شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم انسانوں کے لیے ہے خالق کے لیے نہیں ہے اللہ کے لیے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار مقامات پر فجر کی قسم کھائی عصر کی قسم کھائی دن کی قسم کھائی رات کی قسم کھائی اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کی بھی قسمیں کھائیں ہیں جس کا مطلب یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ غیر اللہ کی قسم کھاتے ہیں تو وہاں صرف مفہوم کو ادا کرنا مقصود ہے یہ خطرہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کہیں خود شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں' ایک بات۔ بعض احکام ایسے بھی ہیں کہ وہ احکام دیئے گئے اسلام کے اندر مگر حضور کے لیے نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر خود حضور ہی نے منع فرمایا' فرمایا کہ دیکھو! دو باتوں کا خیال رکھو۔ ایک تو یہ کہ سامنے بٹھا کر کسی کے منہ پر کسی کی تعریف نہ کی جائے یہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیم ہے آپ کی ہدایت ہے آپ کا ارشاد ہے منہ پر کسی کی تعریف نہ کرو اور یہ بھی ارشاد ہے کہ تم خود بھی اپنی تعریف منہ پر نہ سنو بلکہ اگر تمہاری کوئی تعریف کرنے کے لیے بیٹھے اور تعریف کر رہا ہو تو حدیث میں آتا ہے کہ مٹی لے کر اُس کے منہ میں ڈال دو جس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے روک دو کہ تم یہ نہ کہو' بند کرو۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ یہ دونوں کے دونوں احکام دیئے ہوئے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حکم یہ اس لیے دیا منہ پر تعریف کرنے کو اس لیے منع فرمایا کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہاء خوددار پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی خودی کو بہت بلند کیا ہے اُس کا مرتبہ بہت اونچا ہے اور یہ بات انسان کو ذلیل کر دیتی ہے کہ کسی کو سامنے بٹھا کے منہ پہ اُس کی خوب تعریف کی جائے' بھانڈوں کی طرح پر کی جائے اسلام کو یہ پسند نہیں ہے۔ اور اسلام نے مومن کو کتنا خوددار بنایا ہے اور خودداری کی کتنی حفاظت کی ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگایئے' نماز سے زیادہ بڑھ کر تو کوئی عبادت اسلام میں نہیں ہے حکم یہ ہے کہ اگر آپ کسی قافلے کے ساتھ سفر کر رہے ہیں ایک جگہ پہنچے نماز کا وقت ہو گیا پانی نہیں ہے اس وقت ہم نماز کس طریقے پر ادا

کریں؟ ظاہر ہے کہ حکم یہ ہے کہ جب پانی نہ ہو تو تیمم کرلیں' لیکن پتہ چلا کہ قافلے میں ایک آدمی ہے جس کا نام عبدالکریم ہے اس کے پاس پانی ہے' شریعتِ اسلامیہ کیا کہتی ہے؟ ہمارے پاس تو پانی نہیں ہے ہم یہ سمجھ کر تیمم کرلیں کہ ہمارے پاس پانی نہیں ہے یا قافلے والے کے پاس جائیں جا کے یہ کہیں کہ بھائی! نماز کے لیے ایک لوٹا دے دو' ایک لوٹا پانی کا دے دو ہمیں' اب اگر وہ انکار کردے تو پھر تم سمجھو کہ تمہارے پاس پانی نہیں ہے' شریعت اسلامیہ کے قربان جایئے کہ شریعت نے یہ کہا اگر تمہیں یہ اندازہ ہو کہ تمہارے سوال کرنے سے بھیک مانگنے سے نماز کے لیے وہ پانی دے دیگا ظن غالب یہ ہو کہ دے دے گا تو تو بے شک ابھی تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارے پاس پانی نہیں ہے سوال کرکے دیکھو۔ اور فرمایا کہ اگر ظن غالب یہ ہے حالات یہ بتلاتے ہیں کہ یہ آدمی اتنا کنجوس اور اتنا بخیل ہے چاہے نماز کے لیے ہو اور چاہے کسی کام کے لیے لیکن یہ آدمی پانی نہیں دے گا تو شریعت اسلامیہ کہتی ہے ہر مومن کو اپنی خودداری کی حفاظت کرنی چاہیے سوال کرکے خود کو ذلیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تم یہ سمجھو کہ تمہارے پاس پانی نہیں ہے اور تیمم کرکے نماز ادا کرو تمہاری نماز ادا ہو جائے گی' اندازہ لگایا کہ مومن کی خودداری کو ایسے موقع پر جبکہ نماز کے لیے پانی کی ضرورت ہے تو اسلام نے کتنی حفاظت کی ہے لہٰذا اسلام نہیں چاہتا' آپ کسی کو سامنے بٹھائیں اور بٹھا کر ممدوح بنائیں اور ممدوح بنا کے'' آپ خوب ایسے آپ ویسے آپ ڈبل پیسے۔'' یہ کریں یہ مومن کا کام نہیں منع فرمایا اور یہ بات کہ تم اپنی تعریف نہ سنو' یہ اس لیے کہ اگر تم اپنی تعریف خود سنو گے تمہارا نفس موٹا ہوگا تمہاری روحانیت خراب ہو جائے گی' تمہارا ضمیر بگڑ جائے گا' اسی لیے کہ قدرتی طور پر انسان کو اپنی تعریف اپنے بارے میں جو خیالات اور کلمات کہے گئے ہیں وہ انسان کو خود بہت اچھے لگتے ہیں' مولانا جلال الدین رومی نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ جانور جو ہے وہ تو منہ کے راستے سے موٹا ہوتا ہے اور حضرت انسان جو ہیں وہ منہ کے راستے سے موٹے نہیں ہوتے کان کے راستے سے موٹے ہوتے ہیں' فرمایا کہ۔ جانور فربہ شود از ناں ونوش

جانور فربہ شود از ناں ونوش ☆☆ آدمی فربہ شود از راہِ گوش

خوب تعریف سُنتا ہے موٹا ہوتا ہے پُھولتا ہے اور کوئی انسان اس آسمان کے نیچے اور زمین کے

اوپر ایسا نہیں ہے جو یہ کہہ دے کہ میں اگر تعریف سُنوں گا تو مجھ پہ کوئی اثر نہیں ہوگا' کوئی انسان ایسا نہیں ہے۔ چاہے وہ ولی ہو قطب ہو غوث ہو ابدال ہو فطرت وہی ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر ولایت قطبیت اور غوثیت کا مقام کس کو حاصل ہے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا' مجھ پر نبوت ختم ہو چکی لیکن اگر مجھ پر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو میرے بعد عمر نبی ہوتے۔ اندازہ لگائیے کہ عمر فاروق کی وہ صلاحیتیں کتنی اعلیٰ اور کتنی اونچی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں اور بنی نوع انسان میں وہ صلاحیت کسی کے پاس موجود نہیں ہے لیکن خود حضرت عمر فاروق کا واقعہ کیا پیش آیا' لکھا ہے کہ ایک دن کندھے پہ مَشک رکھے ہوئے' بازار میں لوگوں کو پانی پلا رہے ہیں' بعض خادم اور غلام آئے اور کہا کہ امیر المؤمنین ہمیں اس خدمت کا موقع دیجئے' ہم لوگوں کو پانی پلائیں گے۔ امیر المؤمنین نے کہا کہ نہیں' میں نے خدمت کے لیے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا ورنہ ضرور دی دیتا تمہیں' میں نے یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا' قیصرِ روم کی طرف سے سفیر آیا تھا اور میرے پاس بیٹھ کر اُس نے میری اتنی تعریف کی ہے اتنی تعریف کی ہے میں نے دیکھا کہ میری روحانیت خراب ہوگئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے اندر کبر کا جذبہ پیدا ہو گیا بڑائی کا جذبہ پیدا ہو گیا' کوئی شخص یہ نہ سمجھے' ہر کام جو انسان میں نخوت اور غرور پیدا کر سکتا ہے اُس نے ضرور پیدا ہوتا ہے لیکن یہ اپنی اپنی ہوشیاری اور بیداری ہے کہ اُسی وقت اُس کی اصلاح کرے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ' جن کے اشعار آپ رمضان میں بھی سُنا کرتے ہیں فرمانے لگے' کہ لکھنؤ میں ہم نے سب سے پہلے کار خریدی اور اُس زمانے میں ہزاروں لاکھوں کے اندر کسی ایک کے پاس گاڑی ہوتی تھی' اور یہ گویا ایک بہت بڑے آدمی ہونے کی نشانی تھی۔ اس زمانے کی طرح یہ بات اتنی عام نہیں تھی اُس وقت۔ تو فرمایا کہ کار بھی مل گئی اور کار پہ بیٹھے ہوئے ہم چلے جا رہے تھے تو خیال یہ ہوا کہ اب تو ہم بہت بڑے آدمی ہو گئے' اللہ والے بھی ہیں خلیفہ بھی ہیں فرمایا کہ قدرتی بات ہے کہ دل میں یہ خیال ہوا کہ کار کے مالک بھی ہو گئے کار پہ بیٹھ کے بھی جا رہے ہیں اب دیکھو کتنے بڑے آدمی ہو گئے تو فرمایا کہ میں نے اُسی وقت اپنی نخوت کی اصلاح کی' اُسی وقت میں نے اپنا جائزہ لیا اور فرمایا کہ میں نے یہ دو شعر اُسی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے کہے' جس سے

میرے نخوت کی اصلاح ہوگئی' وہ شعر یہ ہیں آپ کو میں شریک کروں اُس کے اندر فرمایا کہ ؎

عیش ہے عزت ہے موٹر کار ہے

عیش ہے عزت ہے موٹر کار ہے ☆ اور اِس دنیا میں کیا درکار ہے

اُس جہاں کی نعمتیں بھی ہو عطا ☆ اے خدا تیری بڑی سرکار ہے

فرمایا کہ میں نے یہ دیکھا میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور میں نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی وہ نخوت اور کبر کا جو جذبہ تھا وہ نکل گیا' حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ قیصرِ روم کی طرف سے جو سفیر آیا تھا اُس نے میری اتنی تعریف کی' مَیں نے دیکھا کہ میری روحانیت میلی ہوگئی میں نے جو یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ مَیں اپنی اُس نخوت کو دور کرنے کے لیے اپنے نفس کی اصلاح کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے' یہ خلقِ خدا کی خدمت کے لیے نہیں کیا اور میں نے سوچا جب تک مَیں اپنے نفس کو پامال نہیں کروں گا وہ خرابی جو پیدا ہوگئی ہے وہ دُور نہیں ہوگی تو میرے دوستو! اگر عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ میرے منہ پہ میری تعریف کی اور خرابی پیدا ہوگئی کون ہے انسان؟ جو دنیا میں کہے جی! ہمارے اندر کوئی خرابی نہیں ہوئی پیدا کوئی نہیں سکتا۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی یہ حکم اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ منہ پر تعریف نہ کرو یہ حکم بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ تم اپنی تعریف منہ پہ نہ سنو لیکن حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے چچا ہیں آپؓ نے کہا اے اللہ کے رسول میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی تعریف کروں' آپ کے کمالات بیان کروں آپ کی خوبیوں کا تذکرہ کروں آپ مجھے اجازت دیجئے۔ اب کون' آپ لوگوں کا ذہن ادھر جائے گا کہ رسول اللہ نے تو منع کیا۔ نہ تعریف کرو نہ تعریف سنو۔ جواب کیا آتا ہے؟ حضرت عباسؓ اجازت مانگتے ہیں حضور اکرم ﷺ سے' ہم آپ کی منقبت اور آپ کی تعریف آپ کے سامنے بیان کریں گے۔ آپ اجازت مرحمت فرمائیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے اجازت دی کہ جو آپ کا جی چاہتا ہے آپ کہیں اللہ آپ کی زبان کی حفاظت کرے اور سالم رکھے۔ آپ تعریف کرنا چاہتے ہیں اجازت ہے' کریں اور حدیث میں وہ اشعار موجود ہیں کہ حضرت عباسؓ نے حضور کی شان میں بیٹھ کے یہ باتیں کہیں فرمایا کہ ؎ مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَ فِي

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَ فِي ☆ مُسْتَوْدَعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

حضرت عباسؓ حضور کی تعریف فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو کیا مقام عطا فرمایا ہے اور فرمایا کہ حضرت نوح پر جو اللہ نے سلامتی دی طوفان سے بچایا فرمایا کہ حضرت نوح کا بچنا جو ہے یہ آپ کے صدقے اور آپ کے طفیل میں ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت نوحؑ کے پیٹ سے اور اُن کی پشت سے ابھی ایک ایسا انسان آنے والا ہے کہ جو خلاصۂ کائنات ہے اور وہ ابھی نہیں آیا ہے اُس کی حفاظت کی خاطر اللہ نے حضرت نوحؑ کو بچالیا حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہوئی اس لیے کہ آپ کی پشت میں ابھی وہ شخصیت موجود ہے جو نبی آخرالزماں بن کر آنے والی ہے اُن کے صدقے میں اللہ نے اُن کو بچایا' یہ بیان کیا۔ آپ پھر کہیں گے کہ حضور نے تو منع فرمایا تھا اجازت کیوں دی؟ سنی کیوں آپ نے؟ مگر آپ کو معلوم ہوگیا کہ درحقیقت یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ تعریف سننے سے انسان کی روحانیت متاثر ہو جاتی ہے اور خراب ہوجاتی ہے اسی لیے دیا۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حکم نبی کے لیے نہیں ہے غیر نبی کے لیے یہ ہے یہ غیر نبی کے لیے ہے کیونکہ نبی کی روحانیت کی حفاظت اس طریقے پر اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے اگر ساری کائنات کا ذرہ ذرہ مل کر اگر نبی کی تعریف اور نبی کے سامنے کرے تو نبی کی روحانیت متاثر نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ سلم پر جو قرآن اتر رہا ہے وہ قرآن خود حضور کے اوصاف بیان کررہا ہے خود قرآن کریم آپ کے کمالات بیان کررہا ہے خود آپ کی خوبیاں کررہا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوئی کہ حکم دینے والے کے لیے وہ کبھی کبھی وہ حکم نہیں ہوتا اور کبھی کبھی جو ارشاد حضور نے فرمایا ہے وہ امتیوں کے لیے ہے نبی کے لیے نہیں ہے اگر کُل بنی نوع انسان مل کر' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے بٹھا کر اگر سارے کمالات ہم آپ کے بیان کریں تو خدا کی قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت پر بال برابر بھی اثر نہیں ہوگا معلوم ہوا کہ یہ حکم آپ کے لیے نہیں ہے۔ (بات لمبی ہوگئی) عرض یہ کرنا تھا اس بحث میں جانے کی ضرورت کیا ہے؟ آپ نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھائی نفل تھی اذان سے ہوئی اقامت سے ہوئی جماعت کے ساتھ ہوئی یہ خصوصیت ہے سرکار دوعالم ﷺ کی۔ کیونکہ اس نماز کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی افضلیت کو ظاہر کیا جائے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں چونکہ

اقتداء کرنے والے اور پیچھے نماز پڑھنے والے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں آج یہ ظاہر کرنا ہے آپ امام الانبیاء ہیں اس لیے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے جب آپ کی خصوصیت ہے تو آپ اُن احکام پر کاہے کو بحث کرتے ہیں جو احکام ہمارے اور آپ کے لیے ہیں فرض کی جماعت جائز، نفل اور واجب جماعت سے نہیں اُس کے لیے اذان نہیں اُس کے لیے اقامت نہیں اُس کے لیے جماعت نہیں غرضیکہ حضور اکرم ﷺ وہاں پر نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا کہ ثُمَّ عُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ فرمایا کہ اب مجھے آسمانوں تک بلند کیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان پر، پہلے آسمان سے مراد سمجھئے کہ پہلی منزل پر کیونکہ موجودہ سائنس والے یہ کہتے ہیں کہ جس کا نام آسمان ہے آسمان کا وجود نہیں ہے آسمان ہے ہی نہیں۔ منتھائے نظر کا نام آسمان ہے جہاں تک ہماری نگاہ جاتی ہے اور جہاں تک پہنچتی ہے اُس کو ہم آسمان کہتے ہیں تو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ عربی لغت میں آپ اٹھا کے دیکھئے اَلسَّمَاء کے معنٰی کیا ہیں؟ فرمایا کہ اَلسَّمَآء کے معنٰی ہیں ہر وہ چیز جو آپ کے سروں سے بلند ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ تصور کریں کہ آپ سے اونچی اور بلند مقام کے اوپر، (لیکن یہ کہ آیا وہ وجود ہے یا نہیں؟) اور یہ بھی اصل میں غیر تحقیقی بات ہے کہ یہ کہہ دیا جائے کہ جس کا نام آسمان ہے اُس کا کوئی وجود نہیں ہے مطلب یہ ہم اس بحث میں نہیں جاتے ہیں پہلے آسمان پر پہلی منزل پر سب سے پہلے ملاقات ہوئی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور حضور اکرم ﷺ سے جبرئیل امین نے کہا کہ آپ ان کو سلام کریں وہ آپ کے اور کل بنی نوع انسان کے باپ ہیں یہ۔ اُن کا نام ہے آدم۔ آپ نے سلام کیا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا۔ (مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَ النَّبِیِّ الصَّالِحِ) اے میرے نیک بیٹے! میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں اے نیک نبی! میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں لیکن یہ الفاظ جو ہیں، اور کسی نبی نے نہیں کہے یہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بھی فرزند ہیں ایک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب ملاقات ہوگی ساتویں آسمان پر، اس سے پہلے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور دوسرے نبیوں سے جو ملاقاتیں ہوئیں وہ کہیں گے (مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ) ہمارے نیک

بھائی! نیک نبی! ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں' جب ساتویں آسمان پر سرکار دو عالم ﷺ پہنچیں گے تو دیکھیں گے ایک بڑی شاندار عمارت ہے اور اس عمارت پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں ایک بزرگ' جبرئیل امین کہیں گے کہ یہ آپ کے باپ بھی ہیں اور جلیل القدر نبی اور پیغمبر بھی ہیں ان کا نام ہے ابراہیم اور یہ عمارت جو آپ دیکھ رہے ہیں' یہ ہے بیت المعمور۔ بیت المعمور' یہ جس میں ہم اور آپ موجود ہیں جس عالم کے اندر اس کو عالم مثال کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو صرف عکس ہی عکس ہے حقیقت کچھ اور ہے۔ یہ بیت اللہ جو آپ دیکھتے ہیں حجاز کے اندر فرمایا کہ یہ جو بیت المعمور جو ساتویں آسمان پر ہے اُس کا عکس ہے اُس کے بالکل محاذ میں ہے بالکل اُس کے نیچے ہے اور اِس کی تعمیر کے مسئلے میں بھی یہ لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب دنیا میں تشریف لائے اور اُن کی توبہ قبول ہوگئی تو اُنہوں نے یہ کہا کہ جب سے میں دنیا میں آیا ہوں وہ تکبیروں کی آواز جو میرے کانوں میں پڑا کرتی تھی ملائکۃ اللہ اور فرشتے جو بیت المعمور کا طواف کرتے تھے اور تکبیریں پڑھتے تھے اُس کی آواز بھی میرے کانوں میں نہیں آتی۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اُنہی تکبیرات کو سنوں اور اُسی قسم کے ایک گھر کا میں طواف کروں تو لکھا ہے کہ ملائکہ کے ذریعے سے بیت المعمور کے نیچے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نشاندہی کی گئی اور فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں آپ بیت اللہ بنائیں یہ زمین کا بیت اللہ ہے بیت المعمور عرش کا بیت اللہ ہے وہاں ملائکۃ اللہ جو ہیں وہ طواف کرتے ہیں یہاں پر انسان طواف کرتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور یہ بیت المعمور ہے روزانہ ستر ہزار فرشتے جو ہیں اُس کا طواف کرتے ہیں۔ پھر آپ کو بلند کیا گیا' ایک مقام پر پہنچے سرکار دو عالم ﷺ جس کا نام ہے سدرۃ المنتھی اور اس کا ذکر قرآن کریم میں ہے عِندَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى عِندَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ سدرۃ المنتھی' سِدرَہ کے معنیٰ آتے ہیں بیری' بیری کا درخت اور مُنۡتَهٰى' کے معنیٰ ہیں ٹھہرنے کی جگہ جہاں کوئی چیز آکر رُک جائے علماء نے لکھا ہے جب اللہ کی طرف سے عرش الٰہی سے کوئی چیز چلتی ہے تو پہلے سدرۃ المنتھی پر ٹھہرتی ہے پھر زمین پر آتی ہے اور زمین کی جب کوئی چیز اوپر جاتی ہے تو وہ سدرا المنتھی پر ٹھہرتی ہے اور پھر وہاں سے اوپر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کو اللہ کے خصوصی محکمے خصوصی صیغے خصوصی دفاتر

جن کو کہا جائے وہ سدرۃ المنتھی کے بعد ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سدرۃ المنتھی پر
تشریف لے گئے اور فرمایا وہ ایک ایسا بیری کا سا درخت تھا جس کا ہر پتہ اتنا روشن تھا کہ جیسے آفتاب او
مہتاب روشن ہوتے ہیں۔ پھر سدرۃ المنتھی سے اوپر ایک مقام پر پہنچایا گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ج
"مقام صریف الاقلام" ہے ص ری ف صریف کے معنٰی آتے ہیں سرسراہٹ آوازوں کی بھی تو قسمیں
ہیں کبھی کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ گھٹ گھٹ آواز آرہی ہے کبھی کہتے ہیں سَر سَر آواز آرہی ہے کبھی کہتے
ہیں کہ فَر فَر آواز آرہی ہے سرسراہٹ کے معنٰی آتے ہیں کہ جب تیزی کے ساتھ قلم چلتے ہیں تو اُس کی ج
آواز نکلتی ہے اُسے کہتے ہیں صریف اور صریف الاقلام کے معنٰی ہیں' قضاوقدر جہاں لکھی جارہی ہے او
جہاں قضاوقدر کے قلم چل رہے ہیں اُن قلموں کے چلنے کی آواز آرہی ہے۔ مقام صریف الاقلام' جس ک
مطلب یہ ہے کہ مقام صریف الاقلام اور عرش الٰہی کے درمیان اب اور کوئی بیچ میں مقام نہیں ہے۔ مقام
صریف الاقلام پر سرکار دو عالم ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا' وہاں بڑی تیزی کے ساتھ جیسے لکھائی ہوتی
ہے اس طریقے کی وہاں پر آوازیں آرہی ہیں۔ اُس کے بعد حضور اکرم ﷺ کو عرشِ الٰہی پر بلایا گیا۔ علماء
نے لکھا ہے کہ جبرئیل امین نے یہ کہا۔ کہ اے اللہ کے نبی! یہ وہ مقام ہے کہ جہاں جبرئیل امین بھی
نہیں جاسکتا ہے سوائے آپ کے وہاں پر اور کوئی نہیں جاسکتا لہٰذا میں یہیں پر ٹھہرتا ہوں اور سرکار دو عالم
ﷺ عرشِ الٰہی پر تشریف لے گئے عرشِ الٰہی پر جب آپ گئے' دو چیزوں کا ہمارا عقیدہ ہے ایک یہ کہ آپ
نے چہرے کی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیا ایک یہ کہ بغیر کسی واسطے کے خدا کلام کیا۔ بغیر واسطے کے میں
نے اس لیے کہا کہ جب آمنے سامنے ایک چیز موجود ہو تو پھر بات کرنے کے لیے کسی واسطے کی تلاش کرنا
یہ بات سمجھ میں نہیں آتی معلوم ہوا کہ جب آپ عرشِ الٰہی پر تشریف لے گئے ہیں تو اللہ کے اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی حاجب نہیں ہے کوئی واسطہ نہیں ہے کوئی ذریعہ نہیں ہے آپ نے چہرے
کی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے کلام کیا ہے۔ کیا کلام کیا؟
قرآن کریم نے بھی صرف اتنا بتایا فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی جو کچھ اللہ کو کہنا تھا اللہ نے اپنے
بندے سے کہا۔ کیا کہا؟ یہ کچھ موجود نہیں ہے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس موقعہ پہ ارشاد فرمایا

کرتے تھے فرماتے تھے کہ

میانِ عاشق و معشوق رمزے ست

میانِ عاشق و معشوق رمزے ست ☆ کراماً کاتبین راہم خبر نیست

نہیں معلوم۔لیکن احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمائیں چند تحفے دیئے اور وہ بھی بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا جب کوئی شخص کسی ملک سے آتا ہے ملک بھی بڑی چیز ہے کسی شہر سے آتا ہے تو گھر والے کہتے ہیں کیا لائے؟ کوئی کسی ملک سے آئے تو کہتے ہیں کیا لائے؟۔فرمایا کہ میں ملک سے نہیں شہر سے نہیں میں عرش الٰہی تک آیا ہوں اور عرش الٰہی سے واپس جارہا ہوں اگر میری امت نے پوچھا کہ ہمارے لیے کیا لائے تو کیا جواب دوں گا؟ حق تعالیٰ نے سرکار دو عالم ﷺ کو بعض خصوصیتیں عطا فرمائیں جن میں سے ایک خصوصیت آخرت میں ظاہر ہوگی ایک خصوصیت دنیا کی زندگی میں ظاہر ہوگی خصوصیتیں بہت سی ہیں اُن دو خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت ہے معراج دوسری خصوصیت ہے شفاعتِ عظمٰی یعنی دنیا کی زندگی میں اللہ کا وہ قرب حضور اکرم ﷺ کو دیا گیا کہ اس کے بعد قرب الٰہی کا کوئی مقام اور درجہ باقی نہیں رہا درجاتِ قرب ختم ہوگئے اور علماء نے یہاں پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بھی ختم نبوت کی دلیل ہے ہر نبی کو اللہ نے قرب دیا ہر نبی کو اللہ نے اپنے سے قریب کیا ہے مگر جب نبوت ختم ہورہی ہے تو سرکار دو عالم ﷺ کو قرب کا وہ درجہ اور مقام دیا کہ اب اُس کے بعد قُرب بال برابر نہیں رہا جب باقی نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اگر اور بھی کسی نبی کو اور پیغمبر کو آنا ہے تو اسے قرب کہاں سے ملے گا' وہ بجائے قُرب کے تنزل کی طرف آئے گا وہ؟ مقامات قرب تو ختم ہو چکے۔نبوت ختم ہو چکی سرکار دو عالم ﷺ کے اوپر' ایک تو دنیا میں مقام قرب اللہ نے آپ کو وہ دیا ہے جس کا نام ہے معراج النبی ﷺ اور آخرت میں خصوصیت حضور اکرم ﷺ کی ہے' شفاعت عظمٰی آپ اپنی امت کی بھی دوسرے پیغمبروں کی امتوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے حضورؐ یہ شفاعت عظمٰی خصوصیت آخرت میں ظاہر ہوگی اور معراج کی خصوصیت جو ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا فرمائی یہ بھی خصوصیت ہے۔اب اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ حضور کی جو معراج ہے وہ

تو اصل میں حالت کشف کی ہے روحانی ہے وہ تو خواب کی حالت میں ہے تو میرے دوستو! اگر کشف کے ذریعے سے ہے اگر روحانی ہے اگر خواب کی ہے تو یہ تو کوئی خصوصیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے اور اگر آپ! اگر اپنا خواب بیان کریں' حالت کشف آپ بیان کریں ایک صاحب نے کل ہی ٹیلی فون کر کے مجھ سے پوچھا تھا کہ بعض کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ فلانے بزرگ کا انتقال ہو گیا اور کشف کے ذریعے سے یہ ظاہر ہوا کہ اُن کے ساتھ یہ برتاؤ ہوا یہ معاملہ ہوا اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو اُن کو یہ خیال ہوا کہ کیا کچھ لوگوں پر وحی اُترتی ہے؟ میں نے اُن سے کہا کہ نہیں۔ وحی خصوصیت ہے نبی اور پیغمبر کی وحی کے معنی یہ ہیں کہ جس پر وحی اُترتی ہے وہ نبی ہے یہ وحی نہیں ہے بلکہ کشف' ایک ایسی چیز ہے کہ جن کی روحانیت صاف اور شفاف ہو جاتی ہے جو ریاضتیں اور مجاہدات زیادہ سے زیادہ کرتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی ہونے والا واقعہ اچانک ان کی روح کے اوپر ان کے قلب کے اوپر اس طرح ظاہر کر دیا جاتا ہے جیسے اُس کی شکل دکھا دی جائے مگر اسلام میں۔ اس کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام اور کوئی درجہ نہیں ہے۔ کشف کے بارے میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ صاحب یہ کسبی ہے وہبی ہے؟ کسبی کے معنی یہ کہ اس کا کوئی کورس اور نصاب ہے کہ جس کے ذریعہ سے یہ جوہر پیدا ہو جائے اور وہبی اُسے کہتے ہیں کہ جو منجانب اللہ عطا کی جائے۔

ہمارے ابھی بزرگ اور اللہ والے موجود ہیں ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور اُن کا مزار ہے دہلی میں جیل کے پیچھے' جہاں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی قبریں ہیں اور شاہ عبدالعزیز شکر بار رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور ایک مسجد ہے شاہ عبدالعزیز شکر بار کی اس کے قریب میں مزار ہے اور یہ استاذ الکل ہیں یہ۔ جب سر سید نے کتاب لکھی ہے آثار الصنادید' تو اُس میں انہوں نے گلہ کیا ہے کہ ہندوستان کے جو استاذ الکل ہیں اُن کا نام ہے مولانا مملوک علی صاحب' سر سید کے بھی استاد ہیں اُس زمانے کے بڑے بڑے علماء اور اکابر کے بھی استاد ہیں مولانا یعقوب نانوتویؒ کے والد ہیں تو سر سید نے لکھا ہے کہ افسوس ہے کہ اُن کی قبر کا آج نشان بھی کہیں موجود نہیں ہے۔ ہمارے بزرگوں میں حافظ فخر الدین صاحب ایک بزرگ تھے نئی دہلی کے

احباب میں سے تو زیادہ تر اللہ کو پیارے ہو گئے آپ کے مجمعے میں سے کوئی ایسا شاید کم موجود ہوں گے میں نے اس لیے کہا کہ نئی دہلی والوں سے اکثر حافظ فخر الدین صاحب کی ملاقات ہوتی تھی صاحب کشف بزرگ تھے' حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے خلیفہ تھے مولانا الیاس صاحب کے پیر بھائی تھے اور میں خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں درس قرآن صبح کو دیا کرتا تھا گرمیوں کا زمانہ صحن میں بیٹھ کے درس دیتے تھے اور جب درس سے فارغ ہو جاتے تھے تو سب لوگ اٹھ کے ملتے تھے مصافحہ کرتے تھے تو میں دیکھتا تھا کہ اندر سے حافظ صاحب بھی نکل رہے ہیں وہ میرے بزرگ تھے میرے محترم تھے مجھے بڑی خوشی ہوتی تھی کہ تشریف لاتے ہیں پیچھے بیٹھ جاتے تھے ایک دن خود ہی فرمایا' فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارا درس قرآن سُننے آتا ہوں میں نے کہا کہ نہیں حضرت! مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے فرمایا کہ میں درس قرآن سننے نہیں آتا میں تو تمہاری نگرانی کرنے آتا ہوں میں نے کہا کہ حضرت اس سے تو میرا خون بڑھ گیا میرا حوصلہ بڑھ گیا مجھے یہ کوئی غلط فہمی نہیں تھی اور حافظ صاحب جو تھے وہ صاحب کشف تھے مجھے خود اس کا تجربہ ہوا اکثر عصر کے بعد مجھے ساتھ لے جاتے تھے ٹہلنے کے لیے اور مغرب کی نماز کے بعد وہ ایک سپارہ قرآن شریف کا نفلوں میں کھڑے ہو کے پڑھتے تھے میں بھی شامل ہو جاتا تھا کبھی پیچھے اپنی نماز پڑھتا تھا ایک دن مجھے ایسا ہوا کہ مجھے کچھ بہت ضروری کام تھا اور میں چاہتا تھا کہ کسی طریقے سے جلدی یہ سلام پھیریں فارغ ہوں مَیں چلا جاؤں تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ رکوع کر کے سلام پھیر کے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر آپ کو جلدی ہے تو آپ چلے جایئے میں نے کہا میں معافی چاہتا ہوں چونکہ میں اُدھر متوجہ تھا اور وہ خود صاحب کشف تھے' اُن کو یہ بات منکشف ہوگئی کہ میرے اندر ایک اضطراب اور بے چینی ہے وہ صحیح طریقے پہ اطمینان سے پڑھ نہیں سکے اور فرمایا اگر آپ کو جلدی ہو آپ چلے جایئے مجھے تو پورا قرآن پڑھنا ہے اُنہوں نے خود لے جا کر کے مجھے بتایا کہ حضرت مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار (یہ) ہے اور فرمایا کہ انہی کے مزار کے پاس ایک بزرگ لیٹے ہوئے ہیں (کھدر اوڑھے ہوئے) اور فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پہ جب کبھی میں گیا ہوں مجھے منکشف ہوا اور (کسی کو میں نے اس طرح نہیں دیکھا) شاہ ولی اللہ کو دیکھا جیسے پٹھانوں کا لباس ہے

ہاتھ میں تلوار لیے کھڑے ہیں فرمایا ہمیشہ میں نے شاہ ولی اللہ کو اسی حالت میں دیکھا ہے تو جب انہوں نے یہ فرمایا کہ مولانا مملوک علی صاحب کا مزار یہ ہے اور وہ ہندوستان کے استاذ الکل ہیں تو حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث صاحب جو کراچی میں بھی تشریف لاتے ہیں اور تشریف لائیں گے بھی شعبان میں آج کل تو ہجرت فرما کر مکے تشریف لے گئے ہیں' حافظ فخر الدین صاحب نے اُن کو یہ لکھا کہ کشف کے ذریعے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ مولانا مملوک علی صاحب کا مزار یہ ہے آپ اگر اجازت دیں تو مَیں یہاں پر پتھر لگا دوں شیخ الحدیث صاحب نے جواب دیا کشف (اور وہ پیر بھائی بھی ہیں) کسی غیر کا نہیں ہے۔ فرمایا بے شک آپ کو کشف کے ذریعے سے یہ معلوم ہوا ہوگا مگر اسلام میں کشف کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ مَیں آپ کو پتھر لگانے کی اجازت دوں پتھر لگانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہوا ہوگا آپ کو کشف۔ اب آپ نے اندازہ لگایا کہ کشف کبھی کبھی روح لطیف ہوجاتی ہے بعض چیزیں منکشف ہوجاتی ہیں لیکن اسلام میں اُن کا کوئی مقام اور درجہ نہیں ہے یا کبھی کبھی اللہ والوں نے خواب میں کوئی بات دیکھی تو وہ چیزیں کوئی ایمان لانے کی نہیں ہیں' امام فخر الدین رازی کے ساتھ کیا ہوا کشف سے معلوم ہوا فلانے کے ساتھ کیا ہوا خواب سے معلوم ہوا یہ کوئی ایمان لانے والی چیز نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھا ہے اُن کے انتقال کے چھ مہینے کے بعد کہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں پوچھا کہ حضرت خیریت ہے کہاں سے آرہے ہیں؟ فرمایا کہ خلافت کا حساب دے کر چھ مہینے میں اب فارغ ہوا ہوں لیکن یہ کوئی ایمان لانے کی تو چیز نہیں ہے ایک اللہ والے نے خواب میں دیکھا ہے بس۔ تو میرا مطلب کہنے کا یہ تھا کہ آپ کو جو معراج ہوئی وہ کشف سے نہیں ہوئی خواب میں نہیں ہوئی روحانی نہیں ہوئی بلکہ حضور اکرم ﷺ جسم مبارک کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں عرش الٰہی کے اوپر' اور پھر وہاں پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصیتیں عطا فرمائیں پانچ وقت کی نمازیں۔ تفصیلات کا وقت نہیں ہے پچاس وقت کی جو نمازیں دی گئی تھیں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے سے کم کرائی گئی ہیں اور وہ ہوتے ہوتے پانچ ہوگئیں اور فرمایا کہ خواتیم سورۂ بقر سورۂ بقر کی آخری آیتیں جو ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے طور پر حضور کو عطا فرمائیں وہ خصوصیت کیا ہے؟ فرمایا کہ ان آیتوں

میں ہم تمہیں مانگنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ علماء نے لکھا ہے کہ کوئی بادشاہ کوئی حاکم عرضی لکھنے کا طریقہ جب بتلاتا ہے جب اُس کا دریائے رحمت جوش پہ آیا ہے جب وہ دینا چاہتا ہے آپ کو مانگنے کا طریقہ تو جب ہی سکھایا جب اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو قبول کرنا چاہتے ہیں یہ بھی خصوصیت ہے۔ بہر حال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے ہیں اور اُسی شب کے اندر آپ آ گئے ایک بات بس آخر میں یہ کہنی ہے کہ جب آپؐ نے اس بات کا اظہار کیا تو بہت سے لوگ ایسے تھے جو یہ سمجھے کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ یہ بالکل جھوٹ اور غلط بات ہے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ اچھا آپ یہ بتائیے کہ آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے راستے میں کیا ملا؟ مسجد اقصیٰ کا نقشہ کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ جب میں واپس آ رہا تھا تو ایک قافلہ مجھے ملا ہے راستے میں جو بدھ کے دن یہاں پہنچے گا اور اُس قافلے میں ایک بھورے رنگ کا خاکی رنگ کا اونٹ ہے جو آگے آگے ہے اور اُس پر بورے لگے ہوئے ہیں یہ اونٹ قافلے سے گم ہو گیا تھا بعد میں مل گیا یہ بھی بتا دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کشف کی حالت ہو روحانی حالت ہو اگر خواب کی حالت ہو تو یہ کوئی سوال نہیں کیا کرتا ہے کہ راستے میں آپ کو کون ملا کس قافلے سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کو رجب کی ستائیسویں شب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصی مقام اور مقام قُرب عطا فرمایا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے ہمیں اور آپ کو چاہیے کہ ہم ستائیسویں شب کو یہ سمجھ کر کہ یہ ایک مبارک رات ہے مقدس رات ہے۔ جماعت کے ساتھ نہیں، الگ الگ، جی چاہے نوافل پڑھئے جی چاہے قرآن کی تلاوت کیجئے جی چاہے تسبیح پڑھئے اور اسی طریقے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے کا حق ادا کیا جائے یہ چند کلمات تھے جو عرض کئے دعا کیجئے اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شعبان کی لفظی ومعنوی حقیقت

اور

ماہ شعبان دراصل تمہیدِ رمضان

جمعہ کی تقریر

سورۂ شمس 22-7-77

بمقام جامع مسجد تھانویؒ جیکب لائن کراچی، محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

الحمدللہ نحمده ونستعینهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیه ونعوذباللّٰہ من شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا ھَادِیَ لَهٗ ونشھد ان لاالٰه الااللّٰہ وحدہ لاشریک لهٗ ونشھد ان سیّدناونبینا ومولانامحمداًعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہتعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمدو آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین امابعد.

فاعوذباللّٰہ من الشیطن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَا ○ وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَا ○ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰھَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰھَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا ○ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا ○ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰھَآ ○ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰھَا ○ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ نَاقَةَ اللّٰہِ وَسُقْیٰھَا ○ فَکَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْھَا فَدَمْدَمَ عَلَیْھِمْ رَبُّھُمْ بِذَنْۢبِھِمْ فَسَوّٰھَا ○ وَلَا یَخَافُ عُقْبٰھَا ○

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

یہ مہینہ جس میں ہم اور آپ موجود ہیں، قمری دور اور قمری جنتری کے اعتبار سے آٹھواں مہینہ

ہے۔ جیسے گذشتہ مہینہ کے بارے میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ اسلام میں جو چار مہینے قابل احترام ہیں اور ملت ابراہیمی سے چلے آئے ہیں۔ ان میں تین مہینے ہیں متواتر، ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور ایک مہینہ ہے الگ جس کا نام ہے رجب۔ اور وہ ختم ہو چکا اب اُس کے بعد آٹھواں مہینہ شروع ہوا ہے جس کا نام ہے شعبان۔

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جہاں رجب کا مہینہ آتا تھا سب جگہ سناٹا خاموشی چھا جاتی تھی؛ جنگ ختم۔ ایک دوسرے پہ اب حملہ کا امکان نہیں لڑائی نہیں سب محاذ سے اپنے اپنے گھروں کو واپس آگئے، سب نے ہتھیار جمع کرا دیے۔ کیونکہ اس مہینہ میں نہ حملہ کرنے کا سوال ہے اور نہ کسی اور دشمن کے حملہ کرنے کا کوئی امکان ہے یہ مہینہ قابل احترام ہے۔ اس کے بعد اس مہینہ کا نام ہے شعبان۔

عربی میں شَعَب کے معنی آتے ہیں ایک تنے میں سے ایک شاخ ادھر کو نکلتی ہے اُسے شعب کہتے ہیں اور شعبان کے معنی یوں سمجھئے کہ دو شاخیں۔ ویسے عربی میں ش ع ب کے معنی آتے ہیں متفرق ہونے کے جمع تھے اور اب اس جمعیت سے سب الگ الگ منتشر ہو رہے ہیں متفرق ہو رہے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس مہینہ کو شعبان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مہینہ اب متفرق ہونے کا مہینہ ہے۔ رجب میں سب اپنے اپنے گھروں پر آگئے سب نے اسلحہ رکھ دیئے اور اب شعبان کا مہینہ آتے ہی سب کے سب اپنے اپنے ہتھیار اور اپنے اپنے اسلحہ لے کر اپنے اپنے محاذوں پر اور اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے کوئی حملہ روکنے کی نیت سے کوئی حملہ کرنے کی نیت سے۔ اس لیے اس مہینہ کا نام شعبان ہے گویا کہ اپنے اپنے گھروں سے منتشر ہونے کا مہینہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے پہلے شریعت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ سے پہلے سے یہ مہینہ اسی نام کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اس مہینہ کی بعض خصوصیتیں بیان فرمائیں۔ ایک خصوصیت اس مہینہ کی یہ ہے کہ اس میں ایک رات ایسی رات ہے کہ جس کو قرآن کریم میں لیلۂ مبارکہ کہا گیا ہے اور یا حدیث کے اندر اس کو لیلۃ البرأت کہا گیا ہے۔ اُس رات کی بڑی فضیلت ہے۔ وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے چودہ تاریخ کے گذرنے کے بعد جو رات آتی ہے۔ ایک فضیلت اس کی یہ بھی ہے کہ اس کی پندرھویں تاریخ کا روزہ مسنون ہے اور اس کی تاکید اور اس کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے حدیث کے اندر۔ ایک اور

فضیلت ہے، وہ یہ کہ ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ رمضان کے مہینہ میں تو تمیں دن کے روزے فرض ہیں، باقی جتنے روزے ہیں اس کے علاوہ، وہ سب کے سب نفلی روزے کہلاتے ہیں۔ خواہ وہ شوال میں ہوں، خواہ وہ محرم میں ہوں، خواہ وہ ذی الحج میں ہوں، خواہ وہ شعبان میں ہوں۔ مگر سوال کیا گیا سرکار دو عالم ﷺ سے کہ یا رسول اللہ! فرض روزوں کے بعد نفل روزوں میں کون سے روزے سب سے افضل ہیں؟ بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ چار مہینے جو قابل احترام ہیں۔ ذیقعد، ذی الحج، محرم، رجب۔ بعض میں یہ آتا ہے ذی الحج کے دس روزے۔ بعض میں آتا ہے کہ محرم کے دس روزے۔ لیکن ایک حدیث میں یہ ہے کہ ایک صحابی نے جب یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! نفل روزوں میں سب سے افضل روزے کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نفل روزوں میں سب سے افضل روزے شعبان کے ہیں اور اس کی وجہ بتائی۔ فرمایا کہ اصل میں رمضان کے روزے اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہیں وہ فرض بھی ہیں، قرب الٰہی کا ذریعہ بھی ہیں۔ فرمایا کہ ان فرض روزوں سے ملے ہوئے مہینے میں جتنے روزے نفلی رکھے جاتے ہیں وہ رمضان کی عظمت اور رمضان کے احترام کی وجہ سے، وہ ملے ہوئے مہینے کے روزے اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہیں اور فرمایا کہ وہ ملے ہوئے مہینے دو ہیں۔ اِدھر شعبان ہے اُدھر شوال۔ فرمایا کہ جو نفلی روزے شعبان میں رکھے جائیں وہ بھی اور جو نفلی روزے شوال میں رکھے جائیں وہ بھی، فرض روزوں کے بعد اللہ کو یہ روزے سب سے زیادہ پیارے اور سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں اور فرمایا کہ اس کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہے جیسے ظہر کی نماز، چار رکعت فرض ہے۔ لیکن اس فرض سے پہلے چار سنتیں ہیں، اُس کے بعد پھر دو سنتیں اور دو نفل۔ تو معلوم یہ ہوا کہ وہ نوافل اور وہ سنتیں کہ جو فرض سے پہلے یا فرض کے بعد ہیں وہ دراصل فرض کے طفیل میں اللہ کو وہ نفلی نہیں بلکہ نفلی سے بھی زیادہ اللہ کے یہاں ان کا درجہ اور مرتبہ ہو جاتا ہے۔ اب آپ سمجھ گئے۔ مہینہ شعبان کا ہے، لیکن ہم رمضان کی سنتیں ادا کر رہے ہیں۔ یہ مہینہ ایسی عبادتوں کا مہینہ ہے کہ جن عبادتوں کی حیثیت ایسی ہے جیسے کہ مسجد میں آئے ہیں، فرض پڑھنے کے لیے۔ لیکن سب سے پہلے تحیۃ المسجد، عربی میں تحیہ کے معنی آتے ہیں حَیَّا کَ اللہ کہنا، حیاک اللہ کے معنی ہیں اللہ تجھے زندہ رکھے اور تحیہ کے معنی آ گئے ہیں سلام کرنا، تعظیم بجالانا۔ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلَامٌ۔ قرآن کریم میں ہے کہ اہل جنت آپس میں جب کسی سے بھی ملیں گے، ملاقات کریں گے، ایک دوسرے کی ملاقات کی ابتداء

ہوگی سلام سے۔ السلام علیکم وَتَحِیَّتُهُمْ فِیهَا سَلَامٌ تو اسی طریقہ سے تحیۃ المسجد کے معنی یہ ہیں کہ آپ مسجد میں آئے ہیں۔ صرف داخلہ۔ اگر اہلِ مسجد موجود ہیں تو تو آپ سلام کریں گے اور اگر مسجد میں کوئی نہیں ہے تو وہ سلام تو آپ کا فرشتوں کے لیے ہوگا جو آپ کریں گے، لیکن اس مسجد کا احترام اور مسجد کی عظمت یہ ہے کہ آپ اس کے تحیہ اور تعظیم کے طور پر آپ دو رکعت تحیۃ المسجد کی نیت سے پڑھیں۔ بشرطیکہ سنت کا وقت ہو۔ مسائل کے بیان کرنے میں ایک یہ بڑی دقت ہوتی ہے کہ بعض اوقات یہ چیز ذہن میں نہیں رہتی ہے، لوگ غلط مطلب بھی سمجھ جاتے ہیں۔ تحیۃ المسجد صرف اس وقت ہے جبکہ نفل نماز کی اجازت ہو۔ بعض اوقات ایسے بھی ہیں کہ اُس وقت اجازت نہیں ہے۔ آفتاب غروب ہو رہا ہے تحیۃ المسجد نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے حنفی مسلک کے اعتبار سے اگر آپ فجر کی نماز ادا کر چکے ہیں یا طلوع صبح صادق سے لگا کر یا طلوع صبح صادق سے لگا کر طلوع آفتاب تک، سوائے سنت فجر کے، اور کوئی سنت نہیں ہے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسی نفل کی اجازت نہیں ہے۔ عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد غروب آفتاب تک نفل کی اجازت نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اوقات نہ ہوں تو آپ مسجد میں جائیں تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت نماز ادا کریں۔ یہ اُس مسجد کا احترام ہے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ کبھی کسی مسجد کو یہ دیکھنے کے لیے مت جاؤ اور مت داخل ہو کہ اُس کی تعمیر کیسی ہے، اس کی بناوٹ کیسی ہے، اس کی چھت کیسی ہے، اس کی محرابیں کیسی ہیں؟ بلکہ اگر تم جاؤ تو یہ نیت کر کے جاؤ کہ میں مسجد کے اندر تحیۃ المسجد پڑھنے کے لیے جا رہا ہوں اور جب تم تحیۃ المسجد کی نیت سے مسجد میں داخل ہو گئے تو قدرتی طور پر چھت بھی نظر آ جائے گی، محراب بھی نظر آ جائے گی، سب چیزیں نظر آ جائیں گی، نیت کر کے اس لیے نہ جاؤ کہ ہم یہ دیکھنے جا رہے ہیں کہ طرز تعمیر کیسا ہے؟ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔ تم جاؤ! اس خیال سے کہ یہ بھی اللہ کا گھر ہے اور یہاں پر بھی ہم تعظیم کے طور پر جا کر دو رکعتیں ادا کریں۔ بہر حال! آپ مسجد میں آئے ہیں فرض نماز پڑھنے کے لیے، تحیۃ المسجد، پھر اس کے بعد چار رکعتیں آپ نے سنت کی پڑھی ہیں، فرض نماز میں جیسے کہ ظہر کے اندر ہے۔ اس کے بعد جماعت آپ نے فرض ادا کئے ہیں۔ اس کے بعد پھر آپ نے سنتیں اور نفل ادا کیے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اصل میں وہ نماز جو آپ اصل میں ادا کرنے کے لیے آئے تھے وہ تو بیچ کی اصل میں، ظہر کے فرض تھے۔ ان ظہر کے فرض کو ادا کرنے کے لیے پہلے سنتیں،

بعد میں سنتیں اور نوافل۔ یہ بات اگر سمجھ میں آ گئی۔ شعبان کے مہینہ سے لگا کر ذی الحج کے مہینہ تک اگر آپ غور کریں یہ مسلسل عبادتوں کے مہینے ہیں۔ ان میں ایک ایسی ترتیب ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شعبان، رمضان سے متعلق ہے، رمضان شوال سے متعلق ہے۔ شوال، ذیقعد اور ذی الحج سے متعلق ہے۔ بعض صوفیاء نے یہ فرمایا کہ منزلیں اور سفر دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ منزل کا نام ہے مشاہدہ۔ ویسے تو یہ عربی کا لفظ ہے۔ مگر مشاہدہ کے معنٰی ہیں آپس میں آمنے سامنے ملاقات۔ فرمایا کہ اصل منزل جہاں جانا چاہتے ہیں وہ ہے مشاہدہ۔ اور فرمایا کہ اس مشاہدہ کی منزل پر پہنچنے کے لیے کہاں کہاں کے سفر کرنے ہوں گے، کتنی مسافتیں طے کرنی ہوں گی، کتنا پیدل چلنا ہوگا، کتنا کس سواری پہ چلنا ہوگا، یہ جو کچھ مشقتیں اور تکلیفیں ہیں ان کا نام ہے مجاھدہ۔ سفر اور سفر کی ساری صعوبتیں مجاھدہ۔ سفر کے ختم ہونے کے بعد جس سے ملنے جارہے ہیں وہ ہے مشاھدہ۔ بڑی دور دراز کا سفر کر کے آپ آئے ہیں۔ کیوں؟ ملاقات کے لیے۔ ملاقات ہوگئی۔ سفر آپ کا وصول ہوگیا اور اگر آپ نے سفر کے اندر کوتاہی کی، چلنے میں کوتاہی کی، راستے غلط چلے یا آپ نے تکلیفیں نہ اٹھائیں۔ مشاھدہ کا شرف آپ کو نہیں ملے گا۔ بس آپ یہ سمجھ گئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دراصل عبادتِ حج مشاھدہ ہے۔ ایک انسان جاتا ہے اور بیت اللہ کا طواف کرتا ہے۔ صرف طواف ہی نہیں کرتا بلکہ وہ صاحب بیت اللہ سے یعنی اللہ سے ملاقات بھی کر کے آتا ہے۔ اِس ملاقات کا نام ہے مشاھدہ۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ بعضے ایسے لوگ بھی ہیں کہ جاتے ہیں گھر کا چکر کاٹ کے چلے آتے ہیں، دروازہ نہیں کھلتا ہے، اُن کے لیے۔ کسی عارف نے بہت صحیح کہا۔ اُس نے کہا کہ ؎

بہ طواف خانہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند

بہ طوافِ خانہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند ☆ کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

مَیں چکر پہ چکر لگا تا رہا مگر میرے لیے دروازہ نہیں کھلا اور جب میں دروازے کے اندر جانا چاہتا تھا تو سوال یہ کیا گیا کہ باہر رہ کے تو نے ملاقات کے لیے کیا تیاری کی تھی جو آج تو ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

بہ طواف خانہ رفتم بہ حرم رہم نہ دادند ☆ کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

وہ منزل ہے مشاھدہ کی اور شعبان، رمضان، شوال، ذیقعد یہ سب کے سب مہینے ان میں جتنی

بھی عبادتیں ہیں، یہ مسافت سفر ہیں۔ یہ راستہ کاٹے کرنا ہے اور ان راستوں کو طے کر کے منزل مقصود وہ ہے کہ آپ جا کر رب البیت سے اور صاحب البیت سے ملاقات کریں، فرمایا کہ وہ مشاہدہ ہے۔ یہی وجہ ہے شوال سے احرام کی اجازت ہے، رمضان سے نہیں ہے، شعبان سے نہیں، شوال، ذیقعد اور ذی الحج کے نو (۹) دن۔ یہ ایامِ حج اس معنٰی کر ہیں کہ یکم شوال سے آپ کو حج کا احرام باندھنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ رمضان میں یہ جو ساری صعوبتیں اور ساری دقتیں اور ساری مشکلات آپ نے جو برداشت کی ہیں، یہ دراصل ایک روحانی تزکیہ ہے، اس لیے تزکیہ ہے کہ جس دربار میں جا رہے ہیں اس تک جانے کے لیے ان تیاریوں کی ضرورت ہے اور رمضان کی جو عبادت اور تزکیہ ہے اُس سے پہلے کی سنتیں شعبان میں ہیں، اس کے بعد کی سنتیں شوال میں ہیں۔ شوال میں چھ نفلی روزے ہیں، شعبان کے بارے میں بعض صحابہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جتنے روزے سرکار دو عالم ﷺ شعبان میں رکھا کرتے تھے، ہم نے کسی مہینے میں اتنے روزے رکھتے، آپ کو نہیں دیکھا۔

میں یہ بتانا چاہتا ہوں یہ مہینہ جو شروع ہوا ہے، یہ مہینہ شریعت کی نظر میں نفسیاتی اور ذہنی طور پر یہ آپ کو متوجہ کر رہا ہے رمضان کی عبادتوں کی طرف۔ ایک تو اس وجہ سے کہ حدیث میں آتا ہے کہ شعبان کے چاند کا تم اہتمام کرو۔ شعبان کے چاند کا اہتمام کرو تا کہ رمضان جو اصل عبادت کا مہینہ ہے اُس کے اندر کوئی خلل نہ واقع ہو جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آج شعبان کا چاند جب آپ دیکھ رہے ہیں تو نیت آپ کی ابھی سے یہ ہو گئی ہے کہ یہ مہینہ تمہید ہے رمضان کی، آج اہتمام کرو تا کہ کل آنے والے مہینہ رمضان میں کوئی دقت نہ پیش آئے، پہلی تاریخ سے ذہن آپ کا رمضان کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ شعبان کے روزے اگرچہ نفلی ہیں، مگر فرمایا کہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے اللہ کے یہاں وہ سب سے افضل ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ یہ سمجھ لیں کہ شعبان کا مہینہ جو ہے یہ درحقیقت اہتمام کا مہینہ ہے تا کہ ہم رمضان کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ تیاریاں؟ کس طرح کی ہوتی ہیں؟ میں نے قرآن کریم کی ایک سورت پڑھی ہے، چھوٹی سی جس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرما دیا ہے۔ فرمایا کہ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا وَالسَّمَآءِ وَمَابَنٰهَا وَالْاَرْضِ وَمَاطَحٰهَا۔ فرمایا سورج کی قسم، چاند کی قسم، دن کی قسم، رات کی قسم، آسمان کی قسم، زمین کی قسم۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَالَّيْلِ

اِذَا یَغْشٰھَا وَ السَّمَآءِ وَمَابَنٰھَا وَ الْاَرْضِ وَمَاطَحٰھَا۔ اتنی چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی اور پھر کیا فرمایا؟ آخر میں یہ فرمایا اور قسم ہے اُس نفس انسانی کی۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا ۔ اُس نفس انسانی کی قسم' نفس' علماء نے لکھا ہے کہ روح اور نفس لفظوں کا فرق ہے حقیقت دونوں کی ایک ہے۔ صرف یہ کہ عربی زبان میں عام طور پر نیکی کے موقع پر لفظ روح استعمال کرتے ہیں اور جہاں گناہ کا اور معصیت کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں لفظ نفس استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ اِنَّ الرُّوحَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ کہ روح جو ہے وہ انسانوں کو گناہ کی طرف دعوت دیتی ہے۔ فرمایا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ معنی دونوں کے تقریباً ایک ہے۔ تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی یعنی انسانی روح کو بھی پیدا کیا ہے' ان سب چیزوں کے اندر روح کو بھی شمار کیا اور بتلانا مقصود کیا ہے؟ بعض اہل زبان' اردو میں بھی عربی میں بھی' زبان کی نفسیات تقریباً ساری دنیا میں یکساں ہوتی ہیں' سب جگہ۔ مثلاً انگریزی میں بھی آپ دیکھیں گے کہ قسم کھاتے ہیں' ہندی میں بھی دیکھیں گے کہ قسم کھاتے ہیں' اردو میں بھی دیکھیں گے کہ قسم کھاتے ہیں' عربی میں بھی دیکھیں گے کہ قسم کھاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کن کن چیزوں کی قسم کھائی جاتی ہے؟ یہ قوموں کے عقائد ان کی تہذیب ان کے تمدن پر ہے۔

اسلام نے کہا کہ تم قسم کھاؤ' بیشک قسم کی ضرورت ہے۔ اللہ کی یا اللہ کی صفت کی قسم کھاؤ بس۔ غیر اللہ کی نہیں۔ لیکن دوسری قوموں کے اندر آپ دیکھیں گے کوئی کہتا ہے آنکھوں کی قسم' کوئی کہتا ہے کہ سر کی قسم' کوئی کہتا ہے باپ کی قسم' کوئی کہتا ہے بیٹے کی قسم' کوئی کہتا ہے پہاڑ کی قسم' یہ بھی سب قسمیں کھائی جاتیں ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غیر اللہ کی قسمیں کھائیں ہیں۔ فرمایا وہ قسمیں نہیں ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم جب اردو میں ترجمہ کرتے ہیں تو یہ بھی ایک اللہ کی دَین ہے جو اللہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ کے خاندان کو یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ انہوں نے عربی زبان سے قرآن کا ترجمہ اردو میں کر کے بے انتہا آپ کو سمجھانے کی کوشش کی اور اللہ نے اُن کی مدد کی ہے جو اردو زبان میں انہوں نے اس کی ترجمانی کی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے' کہ ہر زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ تو میں نے عرض کیا ترجمہ ہم یہی کریں گے۔ والشمس وضحھا۔ قسم ہے سورج کی۔ والقمر اذاتلاھا۔ قسم ہے چاند کی۔ مگر علماء نے لکھا ہے کہ ترجمہ بدل دیجئے' آپ ترجمہ یہ کریں کہ جو بات قسم کھانے کے بعد آگے آپ کہہ رہے ہیں وہ ایک دعویٰ ہے۔ اور جتنی چیزوں

کی قسم کھائی گئی ہے وہ سب کی سب قسمیں نہیں ہیں۔ شہادت ہے۔ اردو میں بھی اگر آپ سمجھیں تو یہ ایسا ہوگا۔ کوئی آدمی کسی کو قمچی (۱) سے مارے اُس کی کمر سُوج جائے اور وہ کسی آدمی سے یہ کہے کہ قسم ہے میری کمر کی کہ مجھے مارا گیا ہے بہت بری طریقے پر۔ آپ سمجھے؟ یہ کمر کی قسم نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے میں نے جو یہ کہا ہے کہ مجھے بہت بری طرح پیٹا گیا ہے میری کمر کو دیکھ لو وہ تمہیں شہادت دے کے بتائے گی کہ میری بات سچی ہے۔ کمر کے نشانات بتا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان بہت ناشکرا ہے اور انسان کے علاوہ جتنی بھی مخلوقات ہیں وہ اپنے آقا کی شکر گزار ہیں۔ طریقہ اس کا کیا ہے؟ فرمایا کہ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا فَالْمُورِيٰتِ قَدْحًا فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحاً فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعاً فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعاً۔ اس کا ترجمہ بھی ویسے ہی کیجئے۔ تیزی کے ساتھ ہانپ ہانپ کر دوڑنے والے گھوڑے گواہ ہیں۔ فالموریت قدحا۔ اپنی پاؤں سے ٹاپوں سے آگ جھاڑنے والے گھوڑے گواہ ہیں فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا علی الصبح دشمن پر حملہ کرنے والے گھوڑے گواہ ہیں فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا. غبار کے اندر گھس جانے والے گھوڑے اڑانے والے وہ بھی گواہ ہیں فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعاً جنگ کے لڑنے والوں کے بیچ میں لے کے پہنچ جانے والے گھوڑے گواہ ہیں۔ کس بات کے گواہ ہیں؟ یہ اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت انسان اپنے آقا کا نافرمان اور ناشکر گزار ہے۔ کیوں؟ بھاگنے والا گھوڑا پاؤں سے ٹاپوں سے جھاڑنے والا آگ والا گھوڑا غبار میں جانے والا گھوڑا جنگ کے بیچ میں جانے والا گھوڑا یہ بتا رہا ہے کہ جو آقا مجھے کھانے کو دیتا ہے دیکھو میں اُس آقا کی اطاعت میں اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوں۔ میرا عمل بتا رہا ہے کہ انسان اپنے آقا کا فرمانبردار نہیں ہے۔ یہ جانور اس کے گواہ ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ صاحب! یہ قرآن کریم جو ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ جانوروں کی تو کوئی کتاب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیوں جانوروں کا نام لے ڈالا گھوڑوں کی کیا ضرورت ہے؟ اب آپ اس کو سمجھئے کہ قرآن کریم کا انداز کیسا موثر ہے فرمایا کہ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ۔ یہ جانور کا جو برتاؤ اپنے آقا کے ساتھ ہے وہ فرمانبرداری کا برتاؤ ہے۔ انسان کا جو برتاؤ اپنے آقا کے ساتھ ہے وہ ناشکر گذاری کا ہے۔ یہ جانور گواہ ہے۔ بات سمجھ میں آ گئی۔ معلوم یہ ہوا کہ جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) بید کی لکڑی۔

ایسی قسمیں کھائی ہیں وہ قسمیں نہیں ہیں اب آپ یہاں بھی ترجمہ کریں فرمایا کہ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا سورج گواہ ہے۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا چاند جو اس کے بعد آ رہا ہے وہ بھی گواہ ہے۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۔دن گواہ ہے وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا رات بھی گواہ ہے۔ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰهَا آسمان بھی گواہ ہے۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا زمین بھی گواہ ہے کس بات پر گواہ ہے اور وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا وہ انسانی نفس بھی گواہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور پیدا کیا ہے کس بات پر گواہ ہے وہ اس بات پر گواہ ہے اگر انسان کا نفس اعتدال پر قائم رہے تو نجات ہے اعتدال سے ہٹ جائے ہلاکت و بربادی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا یہ سب چیزیں گواہی کس بات کی دے رہی ہیں؟ دیکھو! سورج کا بھی ایک نظام ہے اگر وہ اپنے نظام سے ہٹ جائے تباہ ہو جائے چاند کا بھی ایک نظام ہے اگر اس سے ہٹ جائے تباہ ہو جائے دن کا بھی ایک نظام ہے اگر اُس سے ہٹ جائے تباہ ہو جائے رات کا بھی ایک نظام ہے اگر اس سے ہٹ جائے تباہ ہو جائے آسمان کا بھی ایک نظام ہے اگر ہٹ جائے تو تباہ ہو جائے زمین کا بھی ایک نظام ہے اگر ہٹ جائے تو تباہ ہو جائے یہ نفس انسانی جو اللہ نے ہر انسان کو دیا ہے اگر یہ اعتدال پر رہے گا تو نجات ہے اور اگر اعتدال سے ہٹ جائے گا تو تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ بات جو کہی ہے یہ شہادتوں کے ساتھ کہی ہے سورج گواہ ہے چاند گواہ ہے دن گواہ ہے رات گواہ ہے یہ معلوم ہوا کہ قسمیں نہیں ہوتیں بلکہ یہ شہادتیں ہوتی ہیں۔ اردو شاعری میں آپ کو ملے گا ایسا۔ ایک شخص ساری رات جاگا ہے جاگنے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ قسم ہے میری آنکھوں کی رات بھر مجھے نیند نہیں آئی۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ یہ جو میں نے کہا ہے کہ رات بھر مجھے نیند نہیں آئی ہے میری آنکھوں کی سرخی دیکھو شہادت دے گی تمہیں وہ تمہیں بتا دے گی کہ واقعی میں نہیں سویا ہوں رات بھر بس۔ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ یہ بات یاد رکھو نفسِ انسانی جو روح اللہ نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔ اس کا بھی ایک نظام ہے۔ اگر یہ اس اعتدال کے اوپر اگر اس کو تم نے باقی رکھا تو اس میں خیر ہی خیر ہے فلاح ہی فلاح ہے لیکن اگر اس کو تم نے تزکیہ سے اور اعتدال سے ہٹا دیا تو سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہیں یہی اصول سورج کا ہے یہی اصول چاند کا ہے یہی اصول آسمان کا یہی اصول زمین کا یہی اصول جو ہے ہر چیز کا اصول ہے۔ اس اصول کے اوپر ہم آپ کو خبر دیتے ہیں کہ

آپ اپنے نفس کی حفاظت کریں۔ اُس کو اعتدال پر رکھیں۔ اس کے اعتدال پر رکھنے کا نام تزکیہ ہے۔ ت' ز' ک' ی' ہ تزکیہ زکوٰۃ سے ہے۔ زکوٰۃ کا لفظ عربی میں دو معنٰی میں آتا ہے ایک ذال سے ذکاۃ' ایک ''ز'' سے زکوٰۃ۔ ذال سے جو وہ ذکاۃ کا لفظ ہے وہ اصل میں آتے ہیں' روشن ہونا' چمکنا۔ عربی میں ذکاء' ذ' ک' ا آخر میں ء۔ ذکاء کے معنی آتے ہیں سورج۔ ذکاء اللہ نام سنا ہوگا آپ نے' وہ ذال سے ہے ''ز'' سے نہیں ہے۔ اسی سے ذکی۔ بہت سے لوگوں کا نام ہوتا ہے۔ ذکی' وہ ''ز'' سے نہیں ذال سے ہے۔ اس کے معنی تیز' ہشیار۔ ایک ہے ''ز'' سے جس کے معنی زکوٰۃ کے آتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں پاک کرنا' تزکیہ کے معنی ہیں نجاست کو دور کرنا اور پاک کرنا اور یہ جو زکوٰۃ مال کی جو زکوٰۃ ہوتی ہے۔ اس کو زکوٰۃ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ مال کی پاکی کا ذریعہ ہے۔ عام طور سے یہ لوگوں کا مشاہدہ ہے اور حدیث کے اندر اس کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ فرمایا جس مال کی تم زکوٰۃ ادا کرتے رہو' اللہ چوری سے اور آفتوں سے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ یہاں تک لوگوں نے بیان کیا ہے کہ کسی محلّہ میں آگ لگی ہے لیکن کوئی ایسا بھی اللہ کا نیک بندہ تھا جو زکوٰۃ ادا کیا کرتا تھا۔ آگ چاروں طرف رہی مگر اس کے سامان کو نقصان نہیں پہنچا۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ بہر حال تزکیہ کے معنٰی ہوئے پاک کرنا۔ ہر چیز کی پاکی الگ الگ ہے۔ کپڑے پہ نجاست لگے تو اس کی پاکی کا طریقہ اور ہے اور اگر زمین پہ نجاست لگے تو اس کی پاکی کا طریقہ اور ہے' بدن پہ لگے تو اس کی پاکی کا طریقہ اور ہے' اگر روحانیت پر نجاست لگے تو اُس کی پاکی کا طریقہ اور ہے۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ کپڑے پر اگر نجاست لگ جائے تو اس کی پاکی کا طریقہ تو شریعت نے یہ بتایا ہے کہ تم اس کو دھوؤ' نجاست زائل ہو جائے' پاک اور اس وہم کی اجازت نہیں دی ہے' عام طور سے ہماری مائیں اور بہنیں' عورتیں اس میں مبتلا ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا تین دفعہ دھولیا پھر چھ دفعہ دھولیا' پھر سات دفعہ دھولیا' کہتے ہیں کہ دل مطمئن نہیں ہوتا کہ پاک' پتہ نہیں ہوا ہے یا نہیں ہوا؟ میں نے اُن سے کہا میں نے کہا کہ آپ کے اندر یہ پاکی کا جذبہ کہاں سے آیا ہے؟ یہ سرکار دو عالم ﷺ ہی نے تو دیا ہے جب آپ خود یہ فرماتے ہیں کہ تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ آپ کون ہیں یہ سوچنے والے کہ پتہ نہیں پاک ہوا یا نہیں ہوا؟ یہ تو شریعت کا حکم ہے اور اگر پھر بھی آپ کو خیال آئے تو آپ سمجھئے کہ یہ میرا وہم ہے' آپ اس پر عمل نہ کریں۔ یہاں تک کہ اگر نجاست کا رنگ باقی رہ جائے' نجاست کا جسم زائل ہو جائے' پاک ہے۔ بعض نجاستیں ایسی ہیں کہ آپ وہ کسی

کپڑے پر لگ جائیں تو اس کا پیلا رنگ باقی رہ جاتا ہے۔ آپ نے دھویا' صابن سے دھویا پاک کرلیا' رنگ باقی ہے۔ پاک ہوگئی وہ چیز' کیوں؟ اس لیے کہ وہ اثر باقی رہنے سے نجاست نہیں ہوتی' نجاست زائل ہوگئی' چیز پاک ہوگئی' تو اسی طریقہ سے میں نے کہا کپڑے کی پاکی اور ہے' بدن کی پاکی اور ہے' زمین کی پاکی اور ہے۔ شریعت اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ سورج کی شعاعیں ہیں' ان کو بھی اللہ نے پاکی کا ذریعہ بنادیا ہے۔ اگر زمین کے اوپر کسی جانور نے پیشاب کیا تھا اور سورج نکلا اور سورج کی شعاعوں سے وہ بالکل سوکھ کے ختم ہوگیا' شریعت اسلامیہ کہتی ہے کہ اب یہ زمین پاک ہے' آپ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں' سورج کی شعاعوں نے اسے پاک کردیا۔ بدن کی پاکی کا طریقہ اور ہے' کپڑے کی پاکی کا طریقہ اور ہے' زمین کی پاکی کا طریقہ اور ہے' لیکن روح کی پاکی کا طریقہ اور ہے۔ کیونکہ روح کے اندر جو ناپاکی آتی ہے وہ ناپاکی جسم نہیں رکھتی کہ کپڑے سے اُسے آپ زائل کردیں۔ اس کے جسم نہیں ہوتا' اور جب اُس کے جسم نہیں ہوتا ہے تو وہ کوئی چیز بہانے سے پاک نہیں ہوسکتی۔ روح کی ناپاکی اور جسم کی ناپاکی الگ الگ ہے' اُن کے پاکی کے طریقے بھی دونوں کے الگ الگ ہیں۔ جسم پہ ناپاکی لگے تو وہ پانی سے زائل ہوجائے' پاک ہے' لیکن روح کے اوپر اگر ناپاکی لگے تو سمندر کے سمندر بھی بہا ڈالو تو پاک نہیں ہوسکتا۔

مجھے واقعہ یاد آ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ' یہ اس خاندان ولی اللٰہی کے بڑے بزرگ ہیں یہ۔ ان کا نام ہے شاہ عبدالرحیم صاحب۔ شاہ ولی کے والد ہوتے ہیں۔ بڑے اللہ والے ہیں' بڑے نیک ہیں۔

اپنا واقعہ خود لکھا ہے اور بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں جنگل میں جا رہا تھا' تو جنگل میں آواز آئی' کسی کتے کے پلّے کے چلاّنے کی' اور یہ یاد رکھیے کہ اللہ والوں کا دل بہت نرم ہوتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں رہنے والوں کے دل سخت ہوجاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا' گاؤں والوں کے دل پھر بھی نرم ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں روزانہ' سڑک پہ کوئی حادثہ ہوجائے لوگ نظر بچا کے چلے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کیوں میاں! کسی کا گلا کٹ گیا یا کوئی مرگیا یا کسی کے خون نکلا ہے' دیکھ کے بلاوجہ اپنی طبیعت کیوں خراب کی' اپنے عیش کو کیوں مکدر کیا' یہ بے مروتی ہے یہ۔ اور آج ہم یورپ والوں کو الزام دیتے ہیں' لیکن بعض باتیں ایسی ہیں' کہ انہوں نے ہم سے ہی مسلمانوں سے اور اسلام سے لی ہیں' ان کے یہاں کسی جاندار کی جان کی بہت وقعت ہے' چاہے وہ جانور ہو چاہے انسان ہو' میں پچھلے سال سے پچھلے

سال جب گیا تو ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے اندر' اچانک ایک گرنے کی آواز آئی' میں نے جو مڑ کے دیکھا تو ایک عورت جو کچھ ادھیڑ عمر کی تھی بڑھیا سی' وہ جوزینے پہ چڑھنے کی وہ تھی' اُس کے اوپر اس کا پاؤں پھسل گیا' گر گئی۔ بس صاحب! اس کا گرنا کیا تھا' قیامت آ گئی۔ سب لوگ اپنی اپنی دکانوں سے اٹھے' کوئی کرسی لا رہا ہے' کچھ یہ اور پانچ منٹ کے اندر اندر ڈاکٹر آ گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے کوئی چوٹ نہیں لگی۔ لیکن کم سے کم یہ معلوم ہوا کہ یہ سب انسان میرے ہمدرد ہیں' یہ تو پتہ چلا۔ تو میں یہ بات عرض کرر ہا ہوں' اللہ والوں کا دل یاد رکھئے کہ ہمیشہ نرم ہوتا ہے وہ کسی کی مصیبت اور تکلیف کو گوارا نہیں کر سکتے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میرے کانوں میں آواز آرہی ہے ایسی جیسے کتے کا کوئی پلا کوئی مصیبت میں گرفتار ہے۔ میرا دل بے چین ہو گیا۔ کتا نجس جانور ہے' خنزیر نجس جانور ہے' مگر ہر وہ جانور جو جاندار ہے اگر آپ نے اُس کی جان بچائی، اگر آپ نے اس کو پانی پلایا' اگر آپ نے اس کو کھانا دیا' کوئی چیز دی' اللہ کے یہاں صرف یہی نہیں کہ نیکیوں میں شمار ہوگا یہی ذریعۂ نجات بھی ہوسکتا ہے۔ میں خود اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ رہا ہوں' سرکار دو عالم ﷺ نے خود یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص' سفر میں چلا جارہا تھا' دھوپ کی وجہ سے پیاس لگی' پانی نہیں تھا کہیں' زبان اُس کی باہر آ گئی' آگے جا کے دیکھا کہ ایک کنواں ہے' پانی اوپر نہیں تھا' یہ نیچے گیا' جا کے اس نے پانی نکالا اور پانی پی لیا' حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب یہ آدمی اوپر آیا تو دیکھا کہ اُس کنویں کے مَن کے اوپر ایک کتا کھڑا ہوا ہے' پیاس کے مارے اس کی زبان نیچے کو نکلی ہوئی ہے' وہ پیاسا آدمی یہ سمجھنے لگا ابھی ابھی جو کیفیت میری تھی وہی کیفیت اس کتے کی بھی ہو رہی ہے۔ وہ پھر گیا کنویں کے اندر' اپنا موزہ اتارا' موزہ چمڑے کا اور اتار کر اُس میں پانی بھرا پانی بھر کے اوپر لے کے آیا' کتے کو پانی پلایا' سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا اس پر بھی آخرت میں کوئی اجر ملے گا؟ فرمایا ہر جاندار چیز جس کی تم نے کوئی خدمت کی ہے تو یاد رکھو کہ وہ تمہارے لئے ذریعہ نجات آخرت میں ہوگی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب پریشان ہو کے ڈھونڈنے لگے تو دیکھا کہ ایک کتے کا پلا کیچڑ کے اندر لت پت' سردی کا زمانہ اور سمجھ گئے کہ یہ نکلنا چاہتا ہے' نکل نہیں سکتا۔ وہ عالم بھی تھے' اُن کا جسم بھی پاک' ان کے کپڑے بھی پاک' یہ بھی جانتے تھے کہ یہ جانور نجس ہے یہ۔ اپنے کپڑوں کو ناپاک بنا کر' اپنے جسم کو ناپاک بنا کر دلدل میں گئے اور جا کے اس کتے کو ہاتھ سے نکالا' ہاتھ سے نکال کے اُس کی کیچڑ

کو صاف کیا اور کوئی چیز بھی نہیں، وہاں جنگل کے پتے لئے اور پتے لے کے اُس پہ ڈھکے اور ڈھک کر یہ کہا، میرا جتنا کام تھا وہ میں نے کر دیا، اگر اللہ کو منظور ہوگا، زندگی دینا تو اللہ زندگی دے گا باقی اس کے بعد میرا کوئی کام نہیں ہے، چلے گئے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کافی زمانہ گزر گیا، مجھے یہ واقعہ بھی یاد نہیں رہا۔ ایک دن میں جنگل میں جا رہا تھا تو وہ ایسا راستہ تھا کہ اِدھر بھی کھیت، اِدھر بھی کھیت، اِس میں بھی پانی، اِس میں بھی پانی، بیچ میں چھوٹا سا راستہ تھا۔ جس کو ہم بٹیا (۱) کہتے ہیں۔ ایک آدمی گزر سکتا ہے۔ بیک وقت دو نہیں گذر سکتے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک کتا سامنے سے آ رہا ہے فرمانے لگے کہ مجھے دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ جانور انسانوں کو دیکھ کے ویسے ہی ہٹ جاتا ہے، راستہ بدل دیتا ہے، قریب آئے گا تو راستہ چھوڑ دے گا، مگر فرمایا کہ وہ چلا آ رہا ہے، میرے قریب پہنچ گیا اور جب وہ میرے قریب آ گیا تو میں نے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ اے جانور! تُو میرا راستہ چھوڑ دے! جب مَیں یہاں سے گذر جاؤں تو تُو یہ راستہ اختیار کر لینا۔ فرماتے ہیں کہ اس کتے نے مجھے یہ جواب دیا۔ یہ چودھویں صدی کے بزرگ ہیں، پہلے زمانے کے بزرگ یہ کہتے تھے کہ بیٹا! پہلے تُو اپنا کام کر لے بعد میں مَیں کر لوں گا، یہ چودھویں صدی کے بزرگ ہیں، کہتے ہیں، پہلے مَیں گذر جاؤں تُو بعد میں گزرنا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں نے کہا (حاشا وکلاّ) خدا گواہ ہے، یہ بات نہیں ہے۔ مَیں ابھی اتر جاتا، مگر میرے اوپر نماز فرض ہے، کپڑوں کا پاک رکھنا ضروری ہے، جسم کا پاک رکھنا ضروری ہے۔ تیرے اوپر نماز فرض نہیں، کپڑے پاک رکھنا ضروری نہیں۔ جسم پاک رکھنا ضروری نہیں ہے۔ ورنہ مَیں یقیناً اتر جاتا، اس لئے تجھ سے کہہ رہا ہوں کہ تو بعد میں راستہ اختیار کر لینا میرے لئے راستہ چھوڑ دے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتے نے مجھ سے یہ کہا کہ حضرت! اگر آپ پانی میں اتر گئے، پہلے میرے لئے راستہ چھوڑ دیا، تو زیادہ سے زیادہ بدن ہی تو ناپاک ہوگا، کپڑے ہی تو ناپاک ہوں گے، ایک لوٹے پانی سے بدن بھی پاک ہوتا ہے، ایک لوٹے پانی سے کپڑا ابھی پاک ہوتا ہے۔ لیکن اگر مَیں نے آپ کا راستہ چھوڑ دیا اور آپ میں کبر اور نخوت پیدا ہو گئی، یہ ایسی روحانی نجاست ہے کہ اگر سمندر کے سمندر بھی بہاؤ گے تو پاک نہیں ہو سکتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں مَیں سکتہ میں رہ گیا، اللہ نے اس جانور کے ذریعہ سے کتنا بڑا علم مجھے عطا فرمایا، مَیں حیران، کیا بات کہی۔ واقعی آج پتہ چلا کہ جسم کی

(۱)۔ پگڈنڈی

نجاست، نجاست نہیں، کپڑے کی نجاست، نجاست نہیں، اصل نجاست دل کی نجاست ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں اللہ نے میرے اوپر القا فرمایا کہ تم نے اس کتے کو پہچانا؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا، میں نے نہیں پہچانا۔ فرمایا کہ وہی پلا ہے جو کیچڑ کے اندر دلدل میں پھنسا ہوا تھا، تم نے اس پر احسان کیا تھا کہ دلدل سے اس کو نکال دیا تھا۔ تم نے جو احسان کیا تھا آج اللہ نے اس کے ذریعہ سے تمہیں علم عطا فرما دیا تا کہ احسان کا بدلہ احسان سے اتر جائے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں اللہ نے میرے اوپر عجب ایک روحانی دروازہ کھول دیا اور واقعتہً میں سمجھ گیا کہ ظاہر کی نجاست نجاست نہیں ہے، باطن کی نجاست نجاست ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ نے وہ دولت عطا فرمائی، وہ باطنی دولت عطا فرمائی کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ معلوم ہوا کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جانوروں کو بھی انسانوں کی ہدایت اور انسانوں کے علم کا ذریعہ بنا دیتے ہیں تو میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا، اصل نجاست روح کی نجاست ہے، جسم اور کپڑے کی نہیں اور اس وجہ سے بھی، کہ یہ حضرت جسم جو ہیں، چاہے بادشاہ کا ہو، چاہے کسی حسین و جمیل کا ہو، چاہے کسی مزدور کا ہو، چاہے کسی غریب کا ہو، جتنی چاہے آپ اس کی خدمت کیجئے۔ اس لئے کہ ہم سب سے زیادہ خدمت اسی کی کرتے ہیں۔ ایک، کوئی دنیادار قسم کے پیر صاحب تھے کسی نے اُن سے یہ کہا کہ صاحب! آپ تو کہتے ہیں کہ نفس کی خدمت کرنی چاہئے آپ تو اپنے بدن کی خدمت بہت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا صاحب! بدن کی کیسے خدمت؟ کہنے لگے، دیکھئے ماشاءاللہ آپ کا تو پیٹ اتنا بڑا پھولا ہوا ہے، یہ تو عیش پسند کا ہوتا ہے، تو انہوں نے کہا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ نفس جو ہے یہ کتا ہے اور جب یہ کتا مر جاتا ہے تو پھول کے بڑا ہو جاتا ہے۔ یہ جو تم میرا پیٹ، بڑا دیکھ رہے ہو، یہ اصل میں وہ کتا ہے نفس کا جو مر گیا ہے، مر کے پھول گیا ہے لیکن وہ ان باتوں میں آنے والا نہیں تھا مرید، اُس نے کہا کہ حضرت! اگر واقعی یہ، مرا ہوا نفس ہے تو پھر یہ سِلک کا کُرتہ کیوں پہنتے ہیں آپ اس پر؟ اس پہ تو کفن ڈالئے، اعلیٰ اعلیٰ خوشبو کیوں لگاتے ہیں؟ اعلیٰ قسم کا لباس کیوں پہناتے ہیں؟ نہیں۔ اصل چیز جو ہے وہ واقعہ یہ ہے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ اَلْاِنْسَانُ بِاَصْغَرَیْہِ۔ انسان ڈیل ڈول کا نام نہیں ہے، بڑے بڑے قد و قامت کا نام انسان نہیں ہے۔ آج، بڑے کسی سرخ سفید اور نہایت تنومند آدمی ہو اور اُس کے سامنے حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوں۔

آپ ایمانداری سے بتایئے کہ خدا کے یہاں اور اُس کے رسول کے یہاں یہ سرخ سفید قد رآ ور آدمی کا کوئی مرتبہ نہیں ہے جو مرتبہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ معلوم ہوا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انسان قد وقامت کا نام نہیں (اَلِانْسَانُ بِاَصْغَرَیْہِ) وہ دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے۔ اَلْقَلْبِ وَ اللِّسَان دل اور زبان۔ جو زبان فحش گوئی کرے چاہے کیسا ہی قد وقامت ہو انسان نہیں ہے جس کے دل کے اندر نجاست ہو وہ بھی چھوٹی زبان بھی چھوٹی دل بھی چھوٹا بڑے بڑے قد وقامت کا نام انسان نہیں ہے انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے۔ تو میرے دوستو! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اے بلال حبشی! تمہارا کون سا عمل اللہ کو اتنا پسند آ گیا کہ شب معراج میں مَیں نے دیکھا کہ تم مجھ سے آگے آگے چل رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! مَیں اپنے کو سب سے زیادہ حقیر سمجھتا ہوں اور قُل ھُوَ اللہ کی کثرت سے تلاوت کرتا ہوں شاید یہ بات اللہ کو پسند آ گئی ہے باقی اور تو کوئی میرا عمل ایسا نہیں۔

تو میرے دوستو! میں یہ بتا رہا تھا کہ روحانیت میں جو بیماری پیدا ہوتی ہے جو نجاست لگتی ہے وہ نجاست لوٹے سے لوٹے کے پانی سے پاک نہیں ہوتی۔ اس کے جسم نہیں ہے اس کے لئے ایک خاص زمانہ ہوتا ہے۔ ہمارے ڈاکٹر اور حکیم اس بات کی تائید کریں گے کبھی کبھی کہتے ہیں سردی کا زمانہ مولینا! شروع ہو گیا ہے یہ طاقت کی دوائیں کھانے کے لئے بہترین زمانہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اپنی صحت اور اپنی تندرستی کو بنانے کے لئے موسم کے اعتبار سے کبھی کوئی خاص خاص موسم آتے ہیں۔

یاد رکھیئے! کہ روحانی تزکیہ کے اعتبار سے روحانی تندرستی کے اعتبار سے رمضان سے بڑھ کر کوئی مہینہ افضل نہیں ہے۔ جس میں آپ اپنی روحانیت کو درست کر سکیں اسی کی طرف شعبان سے آپ کو متوجہ کر دیا گیا ہے اس کے بارے میں انشاء اللہ پھر عرض کیا جائے گا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

ماہ رمضان المبارک کی اہمیت وفضیلت اور عظمت قرآن سمیت کلام اللّٰہ وشھرُ اللّٰہ میں گہری نسبت

جمعہ کی تقریر

سورۃ البقرہ 77 - 8 - 12

بمقام جامع مسجد تھانویؒ جیکب لائن کراچی، محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

الحمدللہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ونشھد ان لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیّدنا ونبینا ومولانامحمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمدوآلہٖ واصحابہٖ اجمعین امابعد.

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ

(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵)

بزرگانِ محترم اور برادران عزیز!

اب سے چار پانچ دن کے بعد ایک مقدس اور بابرکت مہینہ آنے والا ہے۔ جس کا نام قرآن

وحدیث میں رمضان ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب سے پہلے جب رمضان کے بارے میں خطبہ دیا تو الفاظ آپ نے وہ استعمال کئے، جس سے اس مہینہ کی عظمت اور اس کی بڑائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ قَدْ اَظَلَّکُمْ تمہارے اوپر ایک مہینہ اپنا سایۂ رحمت ڈال رہا ہے۔ ظل کے معنی عربی میں آتے ہیں۔ سایہ۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس آنے والے مہینہ کی عظمت اور اس کی بڑائی اور فضیلت بہت بڑی ہے۔

اسی لئے میں نے اس مہینہ کے آنے سے پہلے جمعہ میں وہ آیت تلاوت کی ہے کہ جس میں اللہ نے ماہ رمضان کی کچھ فضیلت اور خصوصیت بیان فرمائی۔

ویسے حدیث میں بھی اور قرآن کریم کے اندر دونوں جگہ اُس کی فضیلت اور اُس کی بڑائی کا اور اُس کی کرامت اور بزرگی کا بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ کہ علماء نے ایک اصول لکھا ہے کہ جس ذات جس ہستی کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے اُس کے نام بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہمارے اور آپ کے نام کے ساتھ تو ایک لفظ عبدالکریم، عبداللہ اور عبدالرحمٰن لگا ہوا ہوتا ہے۔ مگر دنیاوی اعتبار سے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ریاستوں کے والی' ملک کے سلاطین' اُن کے ناموں کے ساتھ ایک سطر میں اور دو سطر میں ان کے تمام القاب اور آداب لکھے ہوئے ہوتے ہیں' اُن کا نام ہی اس طرح لیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ہندوستان میں جب کوئی شخص ریاست حیدرآباد کے والی کو خط لکھتا تھا یا کوئی درخواست لکھتا تھا تو وہ سب سے پہلے سرکاری طور پر اس کی تحقیق کرتا تھا کہ صاحب! سرکاری طور پر اس کے نام کے ساتھ کیا کیا الفاظ لکھے جاتے ہیں؟ اور وہ تقریباً پوری ایک سطر میں آتے تھے۔ تو یہ ایک مانا ہوا اصول ہے کہ جس کا مرتبہ زیادہ اس کے نام زیادہ اس کے القاب زیادہ۔ یہی وجہ ہے کہ ساری عظمتیں اور ساری بڑائیاں ختم ہیں اللہ کی ذات پر' اِس لئے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار یا نوسو ننانوے نام ہیں اور علماء نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی بہت سے نام ہیں اور بعضوں نے ان کو بھی 999 کہا ہے۔ مکہ' سب سے زیادہ عظمت کا مقام ہے اور بڑائی کا' اُس کے بہت سے نام ہیں۔ قرآن کریم میں اُمّ القریٰ بھی کہا گیا ہے' بکہ بھی کہا گیا ہے' مکہ بھی کہا گیا ہے اور احادیث کے اندر آپ کو ملے گا کہ اس کا نام تہامہ بھی ہے' اس کا نام عروض بھی ہے' اس کے اور بھی نام ہیں۔ تو مطلب میرے کہنے کا یہ ہے کہ جس جگہ کی

عظمت اُس کے نام بہت۔ جس ذات کی عظمت اس کے نام بہت، جس کتاب کی عظمت اُس کے نام بہت' قرآن کریم کے بے شمار نام ہیں' کتاب ہے' ذکر ہے' ذکریٰ ہے' فُرقان ہے' تنزیل ہے۔ یہ سب نام قرآن کریم کے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ ایک مہینہ ایسا ہے بارہ مہینوں کے اندر کہ جس کے ۶۰ (ساٹھ) نام ہیں۔ ماہ رمضان کے ۶۰ نام ہیں۔ خود لفظ رمضان بعض محدثین نے نقل کیا ہے کہ رمضان ر' م' ض' اُن یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینہ کا نام خدا کے نام پر ہے۔ اور بعض لوگوں نے اسی لئے اس لفظ کی تعظیم کے لئے کہ اللہ کے نام کی عظمت الگ' اور وہی نام اگر میرا اور آپ کا رکھ دیا جائے تو اس میں فرق کرنے کے لئے' فرمایا کہ اس مہینہ کو رمضان صرف کہنا صحیح نہیں ہے' شہرِ رمضان کہنا چاہئے۔ بعضوں نے تو یہ پوری بحث کی ہے کہ اس کا الگ ذکر کرنا لفظ رمضان کا یہ اہانت ہے۔ اس لئے جب تک لفظِ شہر اس کے ساتھ ذکر نہ کیا جائے، اُس وقت تک وہ صحیح طریقہ استعمال کا نہیں ہے۔ لیکن محدثین نے بعض روایتیں نقل کی ہیں کہ جس کے اندر صرف لفظ رمضان ہے۔ مَن صَامَ رَمَضَان۔ تو ان بزرگوں نے یہ کہا کہ جہاں جہاں راویوں نے لفظ رمضان کہا اور شہر نہیں کہا ہے' وہ انہوں نے لفظ شہر کا چھوڑ دیا ہے۔ اگرچہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے' رمضان کہنے میں بھی کوئی توہین نہیں ہے' شہر رمضان کہیئے ٹھیک ہے۔ مگر میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسی لئے لوگوں نے فرق کرنے کے لئے کہا کہ جب مہینہ کا ذکر کرو تو شہر رمضان کہو۔ چنانچہ قرآن کریم نے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآن" ذکر کیا ہے۔ رمضان کا مہینہ' قرآن کریم میں اُس کی فضیلت کیا ہے؟ قرآن کریم میں جو اُس کی فضیلت ہے' بس میں آج کی نشست میں صرف آپ کو وہی بتاؤں گا۔

سب سے بڑی فضیلت ہے نزول قرآن' یہ ایک مہینہ ہے کہ جس مہینہ میں اللہ کی جانب سے انسانوں تک پیغامات آتے ہیں۔ جیسے بعضے فرشتے مقرر ہیں' پیغامات لانے کے لئے' معلوم ہوتا ہے مہینہ بھی مقرر ہے۔ فرشتہ کون سا ہے؟ جبرئیل امین۔ خواہ وہ صُحفِ ابراہیم ہوں' خواہ وہ حضرت آدم پر اترنے والے صحیفے ہوں، خواہ وہ توریت ہو، خواہ وہ انجیل ہو، خواہ وہ زبور ہو، خواہ قرآن کریم ہو۔ ایک فرشتہ ہے جو تمام فرشتوں میں سب سے زیادہ سردار ہیں' اُن کا نام جبرئیل ہے۔ یہ ان کا کام اللہ کے

پیغام کو انسانوں تک پہنچانا، انبیائے کرم تک پہنچانا ہے' صحیفوں کو دینا جبرئیل امین کا کام ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ' اسی لئے قرآن کریم میں ایک جگہ جبرئیل امین کو رسول کریم کہا ہے۔ فرمایا کہ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۔ رسول کریم سے مراد یہاں پر جبرئیل امین ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ اللہ کے فرامین انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو پہنچائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جبرئیل امین کی حیثیت ملائکہ اور فرشتوں میں ایسی ہے جیسے سلطان وقت اور بادشاہ کے یہاں پیشکار کی ہوتی ہے۔ پیشکار کا کام یہ ہے کہ حاجت مندوں کی عرضیوں کو بادشاہ تک پہنچائے اور بادشاہ کے احکامات کو حاجت مندوں تک پہنچائے۔ فرمایا کہ جبرئیل امین کا کام جہاں آسمانی صحیفوں کو اتارنا اور دینا ہے وہاں عرضیاں پہنچانا عرضیوں کا جواب دینا' یہ بھی ان کے ذمہ ہے' بلکہ انہوں نے یہ بھی ایک بڑی مزیدار بات نقل کی ہے' کہ کسی کی عرضی اللہ کی بارگاہ میں پیش کی جبرئیل امین نے' اللہ تعالیٰ نے اُسے منظور فرمایا اور فرمایا کہ یہ منظور ہوگئی ہے' ذرا اطلاع دینے میں دیر کرنا' جلدی خبر نہ دینا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُس عرضی دینے والے نے جس گڑگڑاہٹ کے ساتھ جس گریہ وزاری اور بکا کے ساتھ اور جس کیفیت حضوری کے ساتھ یہ عرضی دی ہے' وہ کیفیت اللہ کو اتنی پسند ہے' اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہ کیفیت اور لمبی ہوجائے' سلسلہ جاری رہے اور بعض اوقات' اللہ تعالیٰ کسی کی عرضی کو فوراً اطلاع دیتے ہیں کہ جاؤ اس کو بتادو کہ تمہاری عرضی قبول ہوگئی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ جبرئیل امین کا مقام، ملائکہ اور فرشتوں میں ایسا ہے جیسے سلطان وقت اور بادشاہ کے یہاں پیشکار کا ہوتا ہے۔ خلق خدا کی عرضیاں بھی پہنچانا اور اللہ کے فرامین اور اللہ کے احکام اور اس کی وحی بھی پہنچانا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جتنے صحیفے بھی آسمان سے اترے ہیں وہ سب رمضان کے مہینہ میں اترے ہیں۔ توریت' انجیل' زبور اور قرآن کریم۔

تفصیل اگر دیکھنا ہو تو آپ تفسیر کی کتابوں میں دیکھ لیجئے کہ توریت کون سی شب میں اتری؟ انجیل کون سی شب میں رمضان کے اتری اور قرآن کریم کون سی رات میں نازل کیا گیا؟ مگر یہ تمام کے تمام صحیفے جو ہیں یہ رمضان ہی میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلام الٰہی جو اللہ کی

خاص صفت ہے' اس کو ایک خاص مناسبت ہے اس مہینہ کے ساتھ' یہی وجہ ہے کہ صرف اسلام نے اُس روح کو باقی رکھا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت' تراویح' قرآن کریم کا سننا قرآن کریم کا سنانا اس مشغلہ کو جاری رکھنا' ورنہ توریت پر ایمان رکھنے والی قوم نے انجیل پر ایمان رکھنے والی قوم نے' زبور پر ایمان رکھنے والی قوم نے اس مہینہ کو مشغلۂ تلاوت نہیں بنایا۔

معلوم ہوا کہ رمضان کی ساعتوں کی خصوصیت ہے کہ اس کے اندر تلاوت قرآن اُس کے دَور کو ختم کرنا' تراویح کے اندر اُس کا پڑھنا اور اُس کا تلاوت کرنا' یہ اس مہینہ کی خصوصی عبادت ہے۔ چونکہ اس مہینہ میں اللہ نے تمام آسمانی کتابیں نازل فرمائی ہیں' قرآن بھی نازل فرمایا۔ قرآن کیا ہے؟ سمجھنے کے دو پہلو یا کہیے کہ دو طرح کے ذہن لوگوں کے ہوتے ہیں۔ بعضوں کے ذہن پر عقل غالب ہوتی ہے' بعضوں کے ذہن پر محبت غالب ہوتی ہے' بعضوں کے سامنے جن کے اوپر عقل غالب ہے محبت کی بات کہیئے' مرجھا جاتے ہیں۔ اچھی نہیں لگی بات۔ اور جن کی طبیعت میں محبت کا غلبہ ہوتا ہے' عقل کی کوئی بات کہیے تو اُنہیں بھاتی نہیں۔ مزاج دونوں کے الگ الگ ہیں۔ قرآن کریم کو اگر عقل کے معیار سے آپ سمجھیں۔ فرمایا کہ آں کلام زندہ قرآنِ حکیم۔

آں کلام زندہ قرآنِ حکیم ☆ حکمتِ اُولا یزال است وقدیم

حرف اُورا ریب نَے تبدیل نَے ☆ معنیٔ اش شرمندۂ تاویل نَے

علامہ اقبال نے قرآن کریم کی تعریف کی ہے' اس کے کارنامے شمار کرائے۔ قرآن کریم کے ذریعہ سے کیسا عظیم انقلاب انسانوں کے اندر بپا ہوا ہے۔ یہ اس کتاب کا معجزہ ہے یہ۔

اور قرآن کریم کو اگر آپ محبت کے پیرائے سے سمجھیں تو وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا' اس نے کیا انقلاب برپا کیا' کیا نہیں کیا؟ یہ سوچنے کی فرصت کسے ہے؟ ہم یہ نہیں دیکھتے۔ محبت کے انداز بالکل الگ ہوتے ہیں۔

عشق را ناز و نیازِ دیگر است ☆ عشق را محرمِ رازِ دیگر است

اُن کے سوچنے کا انداز بالکل الگ ہے۔ مولانا جلال الدین فرماتے ہیں کہ جس وقت کہ میں پانچ دفتر مثنوی کے لکھ چکا' تو میں نے کہا کہ میاں! جتنی باتیں میرے سینہ میں تھیں وہ تو سب پانچ

دفتروں میں آ گئی ہیں اب آگے لکھوں گا تو نئی بات کیا لکھوں گا؟ اب نہیں لکھتا میں ۔ان کا یہ خیال ہوا کہ بات جتنی بھی کہنے کی تھیں وہ سب کہہ دیں ۔چھٹے دفتر کی ضرورت نہیں ہے ۔مگر فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے میری روح پر القا ہوا' تنبہ ہوا کہ ارے ظالم! جو کچھ تُو نے اب تک پانچ دفتروں میں کہا ہے' وہ مضامین کے نقطۂ نظر سے نہیں کہا ہے بلکہ ذکرِ حبیب کے نقطۂ نظر سے کہا ہے کہ خدا اور رسول کا ذکر ہو۔جب اس نقطۂ نظر سے کہا ہے تو تُو پانچ اور چھ پہ کیا غور کرتا ہے؟ چھ سو بھی دفتر اگر لکھے جائیں تب بھی وہ ذکر ختم نہیں ہوگا۔فرمانے لگے کہ مَیں نے فوراً چھٹے دفتر کا' مَیں نے ارادہ کرلیا اور وہ شعر انہوں نے اس طریقہ پہ نقل کیا۔فرمایا کہ ۔ عشق را با پنج و با شش کار نیست۔ عشق کو پانچ اور چھ سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

عشق را با پنج و باشش کار نیست ☆ مقصدِ اُو جز کہ جذبِ یار نیست

ہمارا مقصد تو اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اپنے محبوب کا ذکر کیا جائے، میاں! پانچواں دفتر ہو، چھٹا ہو، ساتواں ہو، آٹھواں ہو، یہ تو کرنا ہی ہے، مقصد باتوں کا بیان کرنا ہے۔قرآن کریم کو اگر آپ سمجھیں ''محبت کے انداز'' میں ۔تو محبت کے انداز میں سمجھنے کی صورت یہ ہے کہ ایک بندہ جس کو اپنے خالق اور اپنے پروردگار کے دیکھنے کی، اُس سے باتیں کرنے کی، اُس سے ملنے کی خواہش اور تمنا ہے۔حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے یہ بات بیان کی ہے۔فرمایا کہ اللہ نے دنیا کے تمام انسانوں کے دلوں میں اپنی محبت کا بیج ڈال دیا ہے۔ چاہے مشرک ہو، کافر ہو، یہودی ہو، نصرانی ہو، مومن ہو، سب کے دلوں کو ٹٹول کے دیکھئے وہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار کی محبت ضرور رکھتا ہے۔اگر اُسے یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے ملنے کا اس کو دیکھنے کا کیا طریقہ ہے تو یہ دیوانہ وار لپک جائے، سب کے دل میں ہے۔

اب اس محبت سے صحیح منزل کی طرف کون جاتا ہے؟ یہ الگ بات ہے۔غلط راستہ پہ کون جاتا ہے؟ یہ الگ بات ہے۔مگر ہے سب کے لئے۔فرمایا کہ قرآن کریم کیا ہے؟ قرآن کریم درحقیقت اُن لوگوں کے لئے سامان تسکین ہے جو اللہ سے ملنا چاہتے ہیں اور اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں' اللہ نے اپنی کتاب نازل کی ہے۔اے انسانو! تم دنیا کی آنکھوں سے مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن اگر دیکھنا چاہتے ہو تو

میرے کلام کو پڑھا کرو۔ مَیں اِس میں تمہیں نظر آ جاؤں گا۔ اس قرآن نے انقلاب پیدا کیا کیا ہے؟ کتنی امتوں کی اصلاح کی ہے؟ یہ ہمارے سوچنے کا انداز نہیں' چنانچہ مولانا جلال الدین جو رومی، جو قرآن کی تعریف فرماتے ہیں، وہ یہی فرماتے ہیں، کیا؟ فرمایا کہ' کہ قرآن کریم وہ ہے کہ جو تمہارے پاس آیا ہے، یہ کہہ کر آیا ہے کہ دیکھو! مجھے دیکھو، پڑھو، ہر کتاب جب پڑھیں گے آپ! تو اُس کے مصنف سے ملاقات ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ یہ لقائے حبیب کا ذریعہ ہے۔ ہم عقل کی بنیادوں پہ نہیں سوچتے ہیں کہ قرآن کریم کیا ہے اور اُس نے کتنے انقلاب برپا کئے ہیں؟ جو لوگ اُس طرح سوچیں وہ اُس طرح سمجھیں جو اس طرح سوچتے ہیں وہ اس طرح سمجھیں۔ خیر! قرآن کریم کی جو تعریف خود قرآن کریم نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اُنزِلَ فِیہِ الْقُرْآنُ۔ اُس میں قرآن کریم نازل کیا گیا اور قرآن کریم کیا ہے؟

آپ کو انتظار میں رکھے بغیر مَیں یہ بتا دوں کہ یہ ایک نور کی قندیل ہے۔ نور کی قندیل' نور کی قندیل کا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی ظلمتوں کو اندھیروں کو دور کر کے' روشنی پیدا کر دے۔ قرآن کریم کی یہ تعریف، جو قرآن نے کی ہے۔ کیسے؟ سب سے پہلے فرمایا کہ ھُدًی لِّلنَّاسِ اس قرآن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانوں کی رہبری کرتا ہے۔ رہبری کے معنٰی یہ ہیں کہ جو آدمی منزل سے گم ہو گیا، جسے منزل کا پتہ نہیں، جس کے لئے راستے ایسے ہیں۔ جیسے کہ کچھ نظر نہیں آتا ہے، کدھر جائے؟ کدھر نہ جائے؟ یاد رکھئے! رہبری کے لئے روشنی کی ضرورت ہے اور روشنی بھی دو قسم کی ہے۔ ایک روشنی سورج کی' قمقمے کی' لالٹین کی' ستاروں کی' وہ روشنی کہ جو فضا میں ہے' چاہے سورج کے ذریعہ سے' چاہے چاند کے ذریعہ سے ہو' چاہے ستاروں کے ذریعہ سے ہو اور چاہے وہ قمقموں کے ذریعہ سے ہو' مگر وہ کافی نہیں ہے۔ جب تک آنکھوں میں بھی روشنی نہ ہو۔ اگر سورج نے تو روشنی کر دی' چاند نے روشنی پھیلا دی' ستاروں نے پھیلا دی' قمقموں نے پھیلا دی۔ لیکن آنکھ نابینا ہے۔ اگر آنکھ نابینا ہے تو باہر کی روشنی سے ہم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ معلوم ہوا ایک اندر کی روشنی' ایک باہر کی روشنی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام الٰہی کے ساتھ' کلام الٰہی بھی نور ہے اور کلام الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نور اللہ نے عطا فرمایا ہے اور وہ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اگر کسی کے دل میں معرفت نہ ہو' دل کا نابینا ہو اور دل کا نابینا ہونا' ایسی بات نہیں ہے کہ دنیا میں نہ ہوں' دل کے نابینا

بھی ابو جہل دل کا نابینا تھا۔ وہ لوگ دل کے نابینا تھے کہ جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کے معجزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' آپ کو برتا' آپ کے چہرہ کو دیکھا' مگر اس کے باوجود دل نے گواہی نہیں دی اور وہ ایمان نہیں لائے۔ میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ سنیئے! ایک عارف کا کہا ہوا ہے۔ فرمایا کہ۔

درازل آں را کہ بہبودے نبود ☆ دیدنِ روئے نبی سودے نبود

جس کی قسمت میں ایمان نہیں ہے، دولت ایمان نہیں ہے' وہ رسول اللہ کے چہرہ کو بھی دیکھتا ہے اور چہرہ کو دیکھنے کے معجزہ کو دیکھنے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتا اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جنہوں نے خبر سنی ہے سرکار دو عالم ﷺ کی اور دل نے گواہی دی کہ یہ نبی ہیں۔ ایمان لے آئے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی جہاں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے اور اُن سے حالات اس کو معلوم ہوئے' اُس نے حالات سن کر بادشاہ ہونے کے باوجود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور حضور اکرم ﷺ نے اُس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی ہے۔ غائبانہ کا اِس زمانہ میں بڑا رواج ہے۔ فقہ حنفی کے اندر غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔ سارے فقہ حنفی کو اٹھا کے دیکھیئے ہم سب احناف ہیں۔ مگر حدیث میں آتا ہے کہ وہ غائبانہ نہیں تھی' کیونکہ نجاشی کا جنازہ جہاں پر تھا وہاں سے لگا کر سرکار دو عالم تک سب حجابات اٹھا دیئے گئے تھے۔ اُس کا جنازہ سامنے تھا حضور کے' حدیث میں تصریح ہے اس کی۔

تو میں یہ عرض کر رہا ہوں' ایک وہ بھی خوش قسمت ہے کہ حالات سن کر ایمان لے آیا اور وہ بدبخت بھی ہیں کہ جو حضور کے چہرے کو دیکھتے ہیں، آپ کے معجزات کو دیکھتے ہیں، ایمان نہیں لاتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ باہر کی روشنی ہے، اندر کی آنکھیں نابینا ہیں۔ تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ رہبری کا کام بغیر روشنی کے نہیں ہوسکتا۔ اگر قرآن کریم آپ کو منزل دکھاتا ہے۔ رہبری کے معنٰی یہی آتے ہیں۔ رہبری کے معنٰی گود میں اٹھا کے' لے جا کے' گھر پہ چھوڑنا نہیں ہے۔ جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ بھئی یہ ہمارا پیر، ہمارا رہبر ہے۔ تو ہمارا رہبر کیا ہے۔ یہ ہم کو اپنی چڈھی، (۱) کمر پہ بیٹھائے گا اور بٹھا کے لے جا کے جنت کے کمرہ میں نمبر فلاں میں جا کے چھوڑ آئے گا۔ یہ غلط فہمی ہے۔ خواجہ صاحبؒ کا قطعہ ہے۔ فرمایا کہ۔

---

(۱) ہندی لفظ ہے دونوں کندھوں کے درمیان پشت کی جانب بٹھانا۔

راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ ☆ راہ چلنا راہرو کا کام ہے

رہبر کا کام یہ ہے کہ دیکھو یہاں سے جاؤ۔ دائیں منزل پہ مڑ جانا، وہاں تمہیں فلاں مکان ملے گا' وہاں ایک درخت ملے گا' وہاں ایک لیٹر بکس ملے گا اور اس کے سامنے والا جو مکان ہے وہ تمہاری منزل ہے۔ یہ میں یہیں بیٹھے بیٹھے بتا رہا ہوں۔ لیکن اگر تم چلو نہیں تو پہنچو گے نہیں' چلنا تمہارا کام ہے۔ راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ۔

راہبر تو بس بتا دیتا ہے راہ ☆ راہ چلنا راہرو کا کام ہے

اور تجھ کو رہبر لے چلے گا دوش پر۔ یہ جو آپ کا خیال ہے کہ وہ کندھے پہ بٹھا کے لے جائے گا۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے، میاں! تمہارا پیر، پیر ہے یا مزدور ہے، جو تمہیں اٹھا کے کندھے پر لے جائے گا اٹھا کر لے چلے گا دوش پر' یہ ترا راہرو خیال خام ہے۔

تجھ کو رہبر لے چلے گا دوش پر ☆ یہ ترا راہرو خیال خام ہے

چلنا ہمارا کام ہے۔ قرآن کریم ہمیں منزل دکھاتا ہے۔ منزل جب ہی دکھا سکتا ہے جب اُس میں روشنی ہو، جب اُس میں نور ہو اور ہماری منزل کا پتہ دیتا ہے۔ معلوم ہوا قرآن کریم رہبر ہے اور رہبر کی روح' نور ہے۔ روشنی ہے' بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى اور قرآن کریم یاد رکھو اور قرآن کریم یاد رکھو کہ صرف ہدایت کا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں ہے۔ ہدایت کی دلیلیں بھی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم شاید دعوے ہی دعوے پیش کرتا ہے اور دلیل پیش نہیں کرتا' نہیں! قرآن کریم دلیلیں دیتا ہے اور ایسی دلیلیں دیتا ہے کہ ان کا پھر کوئی جواب نہیں ہے۔ دلیل بھی دیتا ہے اور یہ جو قرآن کریم میں جگہ جگہ آپ دیکھتے ہیں کہیں عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ہے کہیں عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ہے کہیں هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ہے۔ جہاں جہاں یہ اللہ کی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ آپ یہ سمجھئے کہ یہ سب دلیلیں ہیں۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ' مجھ سے خود زبانی فرمایا' چونکہ میرے سامنے مجلس (یعنی مولانا اشرف علی تھانوی کی مجلس میں) میں یہ بات نہیں ہوئی۔ فرمایا کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں' ایک مرتبہ مَیں نے یہ سوال کیا اور فرمایا کہ مجھے ایسا عجیب

وغریب جواب دیا، دل کو لگ گئی بات۔ سوال کیا تھا! فرمایا میں نے یہ سوال کیا کہ قرآن کریم میں اللہ نے اپنی کبریائی بیان کی ہے۔ فرمایا کہ وَلَـهُ الْكِبْـرِيَـآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمینوں اور آسمانوں میں اللہ کی بڑائی اور کبریائی ہے۔ یہ تو آپ بھی لفظوں سے سمجھ سکتے ہیں۔ وَلَـهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کے بعد۔ وَهُوَ الْعَزِيْـزُ الْحَكِيْم سید صاحب فرماتے ہیں مَیں نے مولانا سے یہ سوال کیا کہ پہلے جملہ میں خدا کی کبریائی بیان کی گئی ہے، زمینوں اور آسمانوں میں، اور دوسرے میں اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم وہ غالب ہیں، وہ حکمت والے ہیں۔ اِن دونوں میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ وَلَـهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے بعد اگر یہ کہتے وَهُوَ الْكَبِيْر وہ بڑا ہے۔ وَهُوَ الْاَكْبَرُ وہ بڑا ہے۔ تب تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان مناسبت نہیں سمجھ میں آتی۔ الفاظ پھر سنیئے فرمایا کہ وَلَـهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم۔ تو فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے جواب دیا فرمایا کہ "مناسبت" ہے۔ اللہ کی کبریائی اور بڑائی زمینوں اور آسمانوں میں ہے اور اِس کو دیکھنے کے لئے دو چشمے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ دو آنکھیں ہیں یہ دو چشمے ہیں۔ اِنہیں لگا کے دیکھو۔ ایک اللہ کا غلبہ، ایک اللہ کی حکمت۔ اگر اللہ کا غلبہ دیکھو گے تو کہو گے واقعی اللہ کی کبریائی ہے۔ اللہ کی شان حکمت پر غور کرو گے تو کہو گے کہ واقعی زمینوں اور آسمانوں میں اللہ کی کبریائی فرمایا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم یہ دو چشمے ہیں اللہ کی کبریائی کو دیکھنے کے لئے۔ سید صاحب فرمانے لگے کہ میرا دل بڑا خوش ہوا۔ یہ ہے قرآن فہمی۔

مَیں عرض کر رہا ہوں کہ قرآن کریم نے خود کہا کہ قرآن نازل کیا گیا جو ہدایت دیتا ہے لوگوں کو وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى۔ اور ہدایت کی دلیلیں بھی ہیں اس میں۔ اور ہدایت کی دلیلیں وہ ہیں جو قیامت تک جن میں کبھی کمزوری اور ضعف نہیں پیدا ہو سکتا۔ اللہ نے اپنی صفت کا اظہار فرمایا، اللہ خالق ہے۔ اللہ کا علم محیط ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور فرمایا کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ فرمایا کہ اِنَّ اللهَ عِنْـدَهٗ عِلْـمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِى الْاَرْحَامِ، وَمَاتَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَاتَكْسِبُ غَدًا وَمَاتَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ پانچ چیزیں، قیامت

کب آئے گی؟ بارش کتنے بج کے کتنے منٹ پہ ہوگی؟ ویعلم مافی الارحام۔ شکم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ وماتدری نفس ماذاتکسب غداً۔ کل تمہاری روزی کہاں ہے؟ کس سرزمین میں موت واقع ہوگی؟ اللہ کے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ لگایئے! یہ وہ زمانہ ہے کہ جب ایکسرے کی مشینوں کے ذریعہ سے آپ کو پھیپھڑے پہ اگر ذرا سا بھی داغ لگ جائے تو آپ کو معلوم ہوجاتا ہے ایکسرے سے۔ ورم ہو' معلوم ہوجاتا ہے' ذرا سی بھی کوئی اندر خرابی ہو تو ایکسرے سے معلوم ہوجاتی ہے' مگر آخر یہ کلام خدا کا کلام ہے۔ اور یہ جب کا کلام ہے' جب سائنس اتنی موجود نہیں تھی' مگر قرآن کریم نے کہہ دیا قیامت تک' شکم مادر میں کیا ہے؟ لڑکا ہے یا لڑکی ہے؟ فرمایا اس کا علم قیامت تک اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے' کیوں؟ ایک ڈاکٹر نے مجھے بتایا۔ انہوں نے کہا کہ وہ شکم مادر میں بچہ کی بیٹھک اس طریقہ کی ہوتی ہے' اُس کی نشست ایسی ہے کہ قیامت تک کوئی مشین ایسی ایجاد نہیں ہوسکتی جو یہ بتادے کہ شکم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی ہے؟ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور رہا یہ کہ آپ یہ کہیں کہ بھئی ہم نے خون نکال کے دیکھا ہے' تخمینہ کا نام علم نہیں ہے' تخمینہ تو دائی کو بھی ہوتا ہے۔ تخمینہ تو خود جس کے بچہ ہونے والا ہے اُس کو بھی ہوتا ہے وہ مشہور ہے' عورتوں میں کہ دائیں کوکھ میں ہو تو یہ ہوتا ہے اور بائیں کوکھ میں ہو تو یہ ہوتا ہے۔ اس کا نام علم نہیں ہے' یہ تخمینے ہیں' یہ آثار ہیں' آثار تو بارش کے بھی آپ کے سامنے ہوتے ہیں' ہوا ٹھنڈی چل رہی ہے' گھٹا بہت تیز آئی ہے۔ مگر کیا آپ یہ بتا سکیں گے کہ یہ کراچی میں برسے گا یا یہاں سے جاکے بیس میل پہ برسے گا؟ نہیں بتا سکتے آپ! تو اسی طریقہ سے میں بتارہا تھا کہ وبینٰت من الھدیٰ دلیل دی ہے دعوے کے ساتھ۔

اور معاف کیجئے! دلیل کا کام ہے اندھیرے کو ہٹا کے نور پہنچانا۔ دلیل کا کام ہے' اندھیرے کو ہٹا کے نور پہنچانا۔ بعض اوقات انسان دلیل پیش کرنے میں یا دلیل کے سمجھنے میں غلطی کرتا ہے۔

ایک زمانہ میں جب پہلا مارشل لاء لگا تھا جو سب سے پہلے ایوب خان کا مارشل لاء' تو اُس میں ایک بہت بڑے بیرسٹر تھے' ان کا انتقال ہوگیا' نام لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہیں اخبار میں یہ بیان دے دیا کہ اسلام میں ۲،۲ ۳،۳ تو فرقے ہیں' اسلامی قانون کیسے نافذ ہوسکتا ہے؟ تو وہ تو

مارشل لاء کا زمانہ تھا۔ سب سناٹا۔ تو ہم نے کہا کہ دیکھی جائے گی ہمیں نے اُن کے خلاف اخبار کے
بیان دیا۔ اور میں نے یہ بیان دیا کہ یہ بیان دینے والے بیرسٹر صاحب کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ا
میں ۷۲، ۷۳ نہیں ایک لاکھ فرقے بھی اگر موجود ہوں' اُن فرقوں میں جو اختلافات ہیں وہ عبادات
اندر ہیں' ملکی قوانین میں فرقوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ پھر (ملکی) اسلامی قانون کیسے
ہوسکتا ہے؟ (نوٹ: سبقتِ لسانی میں بجائے اسلامی کے مُلکی قانون مولانا مرحوم کی زبان سے
گیا۔ از مرتب) تو بس جناب وہ قیامت آ گئی۔ انٹیلیجنس بیورو کے ایک صاحب تشریف لائے او
کہ صاحب! وہ آپ کو تبادلہ خیال کرنے کے لئے آپ کو ملنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ اگر تبادلۂ خ
کرنا تھا تو ان کو آنا چاہیے تھا۔ لیکن ہم تو جانتے ہیں یہ آپ کے الفاظ ہیں' ہم جانتے ہیں پوچھ گچھ
لئے بلا رہے ہیں' ہم چلتے ہیں آپ کے ساتھ۔ وہ کلفٹن پہ رہتے تھے۔ گئے' ایک اور بریگیڈیئر صاحب
ان کے پاس موجود تھے وہ بریگیڈیئر صاحب بہت بڑی مصیبت تھے وہ۔ انہوں نے کہا مولانا! وہ آ
کا جو بیان آیا اخبار کے اندر وہ ذرا سا مَیں اُس کے بارے میں سمجھنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آ
نے جو یہ کہا اسلام میں ۷۲، ۷۳ فرقے ہیں' مہربانی کر کے ۱۲ تو مجھے شمار کرائیے ذرا آپ۔ اب بغل
جھانکنے لگے' کہنے لگے ہم تو ایسا ہی سنتے چلے آئے ہیں علماء سے' تو میں نے کہا' آپ سنی سنائی باتوں
بیان دے دیتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں میرا مطلب ہے دیکھئے۔ یہ امام شافعیؒ، امام حنفیؒ، مالکیؒ، حنبلیؒ، او
میں نے کہا کہ آپ اتنے بڑے بیرسٹر ہیں آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ فرقے نہیں ہیں۔ کہنے لگے' ا
فرقے نہیں ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ فرقے نہیں ہیں' یہ اختلاف قانو
اختلاف تعبیر کا فرق ہے۔ ایک ہی قانون کی ایک تعبیر ایک امام نے یہ کی ہے' دوسرے امام نے یہ کی
تیسرے نے یہ کی' چوتھے نے یہ کی' ایک ہی قانون ہے۔ تو اس سے کیا فرقے ہوتے ہیں؟ اُس زما
میں تو مشرقی پاکستان بھی ساتھ تھا۔ تو میں نے کہا کہ صاحب! مشرقی پاکستان کا ہائی کورٹ ایک فیص
دیتا ہے اور مغربی پاکستان میں سندھ و بلوچستان کا ہائی کورٹ دوسرا فیصلہ دیتا ہے۔ پنجاب کا ہائی کور
تیسرا فیصلہ دیتا ہے' آپ ایمانداری سے بتائیے یہ سب فرقے ہیں؟ تو بڑے چپ ہوئے۔ وہ بریگیڈ

صاحب سے کہنے لگے، کہنے لگے آج تو یہ نئی بات معلوم ہوئی کہ واقعی یہ اختلاف تعبیر کا فرق ہے، یہ فرقے نہیں ہیں۔ میں نے کہا ہمارا عقیدہ ہے کہ جو امام شافعی کی تقلید کر کے اُن کی تعبیر پر عمل کرتا ہے وہ بھی قرآن وسنت پر عمل کرتا ہے۔ یہ تو میں نے کہا جس طرح ہائی کورٹوں کے اندر تعبیر قانون کا فرق ہوتا ہے۔ یہ اس طریقہ کا ہے، حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی فرقے نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا آج مجھے یہ نئی بات معلوم ہوئی ہے۔ مَیں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یہ بات سمجھائی۔ مَیں نے یہ بات صرف اس لئے کی کہ بعض اوقات انسان کے سوچنے کا انداز غلط ہوتا ہے اور جب دلیل اس کے سامنے پیش کر دی جائے تو اصل مطلب جو ہے وہ یہ ہے کہ جہاں جہاں اندھیرا تھا وہاں روشنی پہنچا دی۔ یہ ہیں دلیل کے معنی۔ لہٰذا یوں کہنا چاہیے کہ قرآن کریم رہبری کرنے والا ہے۔ یعنی مشعل ہے، نور کا مشعل ہے۔ راستہ دکھاتا ہے وَبَيِّنٰتٍ من الهدىٰ اور یہ روشنی کی دلیلیں بھی، جگہ جگہ جہاں اونچ نیچ ہو، کھائی آ جائے خطرہ ہو جائے، سب جگہ یہ آگاہ کرتا ہے۔ دو باتیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم فرقان ہے۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینت من الهدی و الفرقان ۔ فرقان کیا ہے؟ یہ قرآن کا نام ہے۔ ایک نام قرآن کا یہ بھی ہے۔ فرق، اس کے معنی آتے ہیں الگ الگ کرنا۔ فرق۔ آپ میں مجھ میں کیا فرق ہے؟ یعنی وہ چیز کون سی ہے میرے آپ کے درمیان جو ہم دونوں کو جدا کرتی ہے۔ یہی معنی ہوئے۔ اور زیادہ سمجھ میں آ جائے گا۔ سر کی وہ لکیر، جو سر کے بالوں کو جدا جدا دو حصّوں میں تقسیم کر دے۔ ہم اور آپ کہتے ہیں اُسے، مانگ، جو عورتیں بیچ میں نکالتی ہیں، اُس کو کہتے ہیں، مانگ۔ عربی میں اُس کا نام ہے فرق۔ فرق کیونکہ یہ بالوں کو دو جدا جدا حصوں میں تقسیم کرنے والا ہے، الگ کرنے والا ہے، شاعر اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہے کہتا ہے کہ۔

زِفرق تا بہ قدم، مانگ سے لگا کر پاؤں تک۔ کہتا ہے۔

زِفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم ☆ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

زِفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم ☆ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

مانگ سے لگا کر پاؤں تک میں نے اپنے محبوب پر غور کیا ہے۔نظر ڈالی ہے، مجھے تو اس کی ہرا
پیاری لگتی ہے۔فرق کے معنی معلوم ہو گئے۔فرقان کے معنی ہیں وہ کتاب جو حق اور باطل میں فرق کر
والی ہے۔باطل کو الگ حق کو الگ۔لگی لپٹی بات رکھنے والی نہیں۔بہت سے لوگ ہیں جو اس بات
ماہر ہوتے ہیں، لگی لپٹی بات کرتے ہیں اور وہ بات ایسی ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ کے اُس کے معنی
بدل بھی سکتے ہیں۔انہوں نے روکو مت جانے دو۔کسی نے کہا روکو، مت جانے دو۔انہوں نے کہ
صاحب! آپ نے روکنے کو کہا ہے انہوں نے کہا نہیں آپ غلط سمجھے میں نے کہا ہے کہ رکو مت، جانے
دو۔اور اگر یہ کہا کہ آپ نے جانے کو کہا، انہوں نے کہا نہیں آپ سمجھے نہیں ہم نے کہا ہے روکو، مت
جانے دو۔واہ! کیا بات کہی ہے آپ نے۔اِدھر بھی اُدھر بھی۔

قرآن کریم کبھی ایسی کوئی بات نہیں کہتا ہے۔وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔اس
میں کوئی لگی لپٹی بات اَلْفَارِقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔

قرآن کریم کا لقب ہے فارق، فرقان۔اور یاد رکھیے! فرق کا ظاہر ہونا یہ بھی روشنی کے بغیر
نہیں ہے۔اس لیے کہ کسی چیز میں اگر آپ فرق دیکھنا چاہتے ہیں تو فرق کے لئے آخر آنکھوں کی یا باہر
کی روشنی ہو گی تو دیکھیں گے نا۔لال اور پیلے کا فرق ہے۔کالے اور سفید کا فرق ہے۔ایسے ہی حق اور
باطل کے فرق کے لئے بھی ایک روشنی، باطن کی روشنی کی ضرورت ہے۔

بہر حال! یہ بات معلوم ہو گئی کہ فارق، فرقان کے لئے روشنی کی ضرورت بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی
کے لئے روشنی کی ضرورت، هُدًى لِّلنَّاسِ کے لئے روشنی کی ضرورت، حاصل یہ کہ قرآن کریم تین قسم کی
روشنیوں کا مجموعہ ہے۔اسی لئے میں نے کہا کہ یہ نور کی قندیل ہے، یہ نور کی قندیل ہے۔اور نور کی قندیل
کا کام کیا ہے؟ آپ کے گھر کے جتنے کونے اندھیرے میں ہوں، یہ روشنی کی قندیل لے جا کے انہیں بقعۂ
نور بنا دیں۔آپ کہیں گے کہ ہمارے گھر میں تو کوئی چیز جو ہے اندھیرے میں ہے نہیں، شریعت کی نظر
میں ہر گناہ ظلمت ہے۔ہر نیکی نور ہے۔شریعت کی نظر میں ہر معصیت ہر نافرمانی کا نام ظلمت ہے، ہر نیکی
کا اور ہر عبادت کا نام نور ہے، جس کا مطلب یہ ہے یہ نور کا مہینہ ہے۔اس میں وہ کتاب اللہ نے دی ہے
جس کا نام نور کی قندیل ہے۔لہٰذا یہ مہینہ ظلمتوں کا مہینہ نہیں، معصیت کا مہینہ نہیں ہے، گناہ کا مہینہ نہیں

ہے۔ بلکہ سال بھر سے جو کمرے زندگی کے اندھیرے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر آپ انہیں منور اور روشن کرنا چاہیں تو نور کی اس قندیل سے لگا کر ان سب کمروں کو روشن کر دیجئے۔

حاصل یہ نکلا' گناہ تو گناہ ہے۔ گھر میں ہو تب بھی' مسجد میں ہو تب بھی' بازار میں ہو تب بھی۔ مگر پھر بھی بڑا فرق ہے۔ ایک جھوٹ آپ مسجد میں بولیں' تو آپ نے دو گناہ کئے' مسجد کی بے حرمتی کی اور آپ نے جھوٹ بولا۔ مارکیٹ میں جھوٹ بولے تو آپ جھوٹ تو بولے ہیں کسی مقدس مقام کی بیحرمتی نہیں کی آپ نے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اُس آدمی سے ناراض ہے کہ جو قبرستان کے اندر جا کر قہقہہ لگائے۔ قہقہہ لگانا ویسے بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ اپنی بیٹھک میں لگائیں' دوستوں کی محفل میں لگائیں' تو وہ بات الگ ہے' لیکن آپ نے قہقہہ وہاں لگایا جہاں موت کے نشانات کو دیکھ کر آنکھوں سے آنسو جاری ہونے چاہئیں' وہاں قہقہہ لگایا۔ دنیا کی باتیں ہر جگہ کرنا' مسجد میں بھی کرنا برا ہے لیکن قبرستان میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا اور زیادہ برا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے خدا کو یاد دلانے والی آخرت کو یاد دلانے والی نشانیاں جہاں موجود ہوں وہاں جان بوجھ کر انسان غفلت برتے' یہ خدا کے ساتھ نافرمانی ہے یہ۔

بس! یہ مہینہ نور کا مہینہ ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ نے قندیل' نور کا قندیل نازل فرمایا ہے' جس کا نام ہے قرآن۔ تو جو مہینہ ہو اس کی راتیں' اس کے دن' اس کی دوپہر' اس کی شام' اس کی تمام کی تمام ساعتیں جو ہیں نورانی ساعتیں ہیں۔ اس لیے اِن نورانی ساعتوں کا تقاضہ یہ ہے جو گناہ پہلے سے جاری تھے اُنہیں بھی چھوڑ دیا جائے اور اس مہینے کے اندر کم سے کم جس کا اہتمام کیا جائے' وہ یہ کہ گناہ نہ کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ یہ مہینہ نور کا مہینہ ہے' عبادتوں کا ہے' نیکیوں کا مہینہ ہے۔ اسی لئے مسجد کی نماز اور گھر کی نماز' ثوابوں میں فرق ہے۔ جو نماز اس مسجد میں پڑھیں اس میں' اور جو مسجد نبوی میں پڑھیں اس میں فرق ہے۔ جو نماز اس مسجد میں پڑھیں اس میں اور جو بیت اللہ میں مسجد حرام میں پڑھیں اُس میں' فرق ہے۔ اسی طریقہ سے حدیث سے آتا ہے کہ رمضان کی ساعتیں جب شروع ہو جائیں' ان ساعتوں کے اندر اگر کوئی نفلی عبادت اگر آپ نے کی ہے تو ان رمضان کی ساعتوں کی برکت سے اس کا ثواب فرض کے برابر ملے گا۔ اور فرمایا کہ اگر کوئی فرض آپ نے ادا کیا ہے تو اس کا ثواب ۷۰ فرضوں کے برابر ملے گا۔

کیوں؟ اس لیے کہ یہ مہینہ نور کا مہینہ ہے اصلاح باطن کا مہینہ ہے۔ اصلاح باطن کا مہینہ ہے۔ یہ باطن کی ظلمتوں کو دور کرنے کا مہینہ ہے۔ لہٰذا اس مہینہ میں اگر کسی نے ظلمت اور اندھیرے کا کام کیا ہے تو اس نے اس مہینہ کی توہین اور اہانت کی ہے' یہ مہینہ شروع کب سے ہوگا؟ شروع ہوگا ہلال رمضان سے' ادھر چاند دیکھا' وہ ساعتیں جس کی فضیلت بیان کی گئی' شروع ہو گئیں' اس لئے خاص طور پر اہتمام چاند کا بھی کرنا چاہئے۔ حدیث میں تو آتا ہے کہ شعبان کے چاند کا آپ اہتمام کریں تا کہ رمضان کے چاند میں اختلاف نہ ہو' اس لئے پہلے ہی سے آپ کو متوجہ کر دیا ہے۔ اس مہینہ کے آغاز اور شروع ہونے کی فکر ہر ایک کو ہونی چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں' اس مہینہ کا خیر مقدم' اس مہینہ کا استقبال سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ اس پر غور کریں کہ بھئی! ہم اپنی کمزوریاں' اپنے گناہ' جن میں سارے سال مبتلا رہے ہیں' کیا صورت اختیار کریں کہ رمضان میں کم سے کم ہم اُن گناہوں کا اعادہ نہ کریں۔ یہ اس ماہ مبارک کا تقدس ہے۔ اس کا خیر مقدم ہے اور اس کا استقبال ہے۔ آپ حضرات! سنتوں سے پہلے حافظ صاحب کا ایک اعلان سماعت فرمایئے اس کے بعد سنتیں پڑھیئے گا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ششِ عید ☆ صیامِ مزید

جمہورِ علماء کی تقلید

شوال کے چھ روزوں پر مفصّل نوید

جمعہ کی تقریر

16 - 9 - 77

بمقام جامع مسجد تھانویؒ جیکب لائن کراچی، محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

الحمدللہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ونشهد ان لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہٗ ونشهد ان سیّدناونبینا ومولانامحمداًعبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمدو آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین امابعد۔

قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. مَنْ صَامَ رَمَضَانَ فَاَتْبَعَه سِتَّةً مِنْ شَوَّالٍ. فَكَاَنَّمَا صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ او کماقال صلی اللہ علیہ وسلم۔ امابعد۔

بزرگانِ محترم اور برادران عزیز!

ایک مختصری حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی، جو شوال کے مہینے اور شوال کے مہینے کے روزوں سے متعلق ہے۔ اسلام سے پہلے جاہلیت میں عام طور پر یہ تصور پایا جاتا تھا کہ بعضے اوقات اچھے ہوتے ہیں اور بعضے اوقات منحوس ہوتے ہیں۔ کوئی دن منحوس ہوتا

ہے کوئی ہفتہ منحوس ہوتا ہے۔ کوئی مہینہ منحوس ہوتا ہے۔ بلکہ نحوست کے اندازہ لگانے کے لئے انہوں نے بعض اور چیزیں بھی مقرر کر رکھی تھیں۔ مثلاً تیروں سے اندازہ لگاتے تھے۔ ایک جانور بیٹھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں یہ کام کل کو کروں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کام جو ہے میرے لئے مفید ہوگا یا یہ منحوس ہوگا۔ تو اُس پرندے کو اڑاتا ہوں۔ دائیں طرف اگر اڑ کے چلا گیا تو ٹھیک ہے اور اگر بائیں طرف چلا گیا تو منحوس ہے۔ بعض جانوروں کا گھروں میں آنا ان کی بولی بولنا کسی کو مبارک اور کسی کو منحوس سمجھا جاتا تھا۔ عربی میں کوے کو کہتے ہیں۔ غُراب۔ غین۔ رے۔ الف۔ بے۔ اور قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں کا جہاں ذکر ہے۔ ہابیل قابیل کا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے کوے کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ اس واقعے سے پہلے کبھی دنیا میں آدم کی اولاد میں کوئی مرا نہیں تھا اور مرنے کے بعد کیا کیا جاتا ہے یہ کسی کی آنکھوں کے سامنے سے گزرا نہیں تھا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ آدم کے دو بیٹوں میں سے ہابیل قابیل میں سے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور جب قتل کر دیا تو وہ بیچارہ لمبا لمبا لیٹ گیا۔ نہ ہاتھ چلے نہ منہ چلے نہ نظر آئے نہ زبان چلے۔ یہ موت کا منظر پہلی دفعہ دیکھا، جس بھائی نے قتل کیا تھا وہ بھائی سوچتا ہے کہ میں اب اس کو کیا کروں؟ اٹھا کے لے جاؤں۔ سمندر میں پھینکوں۔ کیا کروں۔ کیونکہ انسان جب سے دنیا میں آیا ہے یہ پہلی موت انسان کی ہے اور موت کے بعد لاش کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے یہ نہیں معلوم۔ وہ ایسا ہی متفکر اور پریشان بیٹھا ہوا تھا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا۔ اللہ نے کوا بھیجا۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے غرور کو توڑنے کے لئے جانوروں کو بھی انسانوں کا استاد بنا دیا ہے۔ انسانوں کو بڑے بڑے علوم دیئے۔ وہ کوا آیا اور کوا آ کر وہ زمین چونچ سے کھود رہا ہے۔ یہ بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہے کہ لاش کے پاس کوا آیا اور چونچ سے زمین کھودتا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پنجوں سے پکڑ کے لاش کو کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بھائی بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہے حیران۔ یہ جانور کیا کر رہا ہے؟ فرمایا کہ: فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ۔ جب کوے نے یہ طریقہ اختیار کیا تو اس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوا مجھے یہ بتا رہا ہے ارے ظالم! زمین

جائز نہیں۔ یعنی جدائی کے جذبات کو چلاّ چلاّ کر چیخ چیخ کر ظاہر کرنا اس کو بین کرنا کہتے ہیں یہ جائز نہیں
ہے۔ عرب کہتے ہیں غراب البین۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر تمہارے گھر میں آ کر کوا بولے تو سمجھنا
تمہارے گھر سے کوئی آدمی جدا ہونے والا ہے کہیں سفر میں جانے والا ہے۔ اس کوے کا کام جدائی کر
ہے۔ کوے کا بولنا جدا کرانا ہے اور یہ سب کے سب توہّم پرستی ہے۔ اوہام ہے اس کا حقیقت سے کو
تعلق نہیں۔ جاہل قوموں کے یہاں یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ اور ہندوستان میں ہمارے آپ
یہاں اس کے خلاف مشہور ہے۔ جب کوا آ کے بولتا ہے تو ہمارے یہاں کہتے ہیں کوئی مہمان آنے و
ہے لیجئے یہ عجیب بات ہے کہ عرب کا کوا بولے تو وہ جو مہمان رخصت ہو جاتا ہے اور آپ کے یہاں کا
بولے تو باہر کا مہمان اندر آ جاتا ہے' سب غلط ہے۔

عرب میں یہ طریقہ تھا کہ مختلف طریقوں سے انہوں نے نحوست اور سعادت کے معیار قا
کر رکھے تھے۔ بعضے مہینے منحوس ہیں۔ اور بعضے مہینے کسی ایک کام کے لئے منحوس ہیں ویسے منحوس نہیں
اسلام جو دین توحید لے کر آیا ہے۔ سرے سے ان سب چیزوں کو پامال کر دیا۔ سب چیزوں
مٹا دیا۔ اسلام نے کہا کہ کوئی گھڑی۔ کوئی ساعت۔ کوئی گھنٹہ' کوئی دن' کوئی رات۔ ایسی نہیں ہے کہ جس
کو آپ منحوس کہہ سکیں۔ اسلام میں یہ تصور ہی نہیں ہے۔ کیوں؟ جس کو آپ زمانہ اور وقت کہتے ہیں۔
کیا ہے؟ اب تو آپ لوگوں نے دیکھا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ چیز تو اب بالکل ہی مٹ گئی ہے۔ لیکن
ہم نے تو دیکھا ہے کسی زمانے میں عورتیں چکی پیستی تھیں۔ تو چکی کے دو پاٹ ہوتے ہیں۔ بیچ میں
گیہوں ڈالا جاتا ہے۔ اور وہ چلاتی ہیں اسے تو اس کے دونوں پاٹ کے چاروں طرف سے سفید سفید آ
نکلتا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ وقت اور زمانہ کس چیز کا نام ہے۔ یوں سمجھئے۔ کہ فلک الافلاک کی
گردش' یہ ہے چکی کا پاٹ۔ اور جب یہ فلک الافلاک گردش میں آتا ہے حرکت کرتا ہے۔ تو جو تبدیلی
ہوتی رہتی ہے' کیا؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے سورج نکلا تھا پھر چاشت کا وقت ہوا پھر زوال کا وقت ہو گیا پھر
ظہر کا وقت ہو گیا۔ اب عصر کا ہو جائے گا۔ پھر آفتاب غروب ہو جائے گا۔ پھر عشاء آ جائے گی۔ یہ
ہے یہ کیا چیز ہے؟ یہ وہ ہے جو چکی کے چاروں طرف سے آٹا نکل رہا ہے' یہ ہے۔ جس کا مطلب یہ

کہ زمانے کی تمام ساعتیں جو ہیں۔ یہ سب اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ چیز پیدا ہو رہی ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے۔ لَا تَسُبُّوْا الدَّهْرَ۔ زمانے کو کبھی گالی نہ دو۔ لَا تَسُبُّوْا الدَّهْرَ فَاِنَّهٗ اَنَا۔ یہ حدیث قدسی ہے، حدیث قدسی وہ حدیث کہلاتی ہے کہ جس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے لوگو! تم زمانے کو گالی مت دو۔ زمانہ کوئی چیز نہیں۔ زمانہ میرا نام ہے۔ زمانے کو برا بھلا کہنا خدا کو برا بھلا کہنا ہے۔ اسلام میں یہ ہے۔ ہاں! ایک طرف سے اسلام اس بات کو مانتا ہے۔ بعض وقت ایسے ہیں ان میں سعادت ہے۔ بعض اوقات ایسے ہیں ان میں برکت ہے۔ بعض اوقات ایسے ہیں وہ رحمت کے اوقات ہیں۔ اسی طرح نحوست اور بدفالی کے بارے میں بھی اسلام یہ کہتا ہے خوش فالی کی اجازت۔ بدفالی کی اجازت نہیں۔ اگر آپ صبح اُٹھے ہیں اور صبح اٹھتے ہی اگر کسی اللہ والے سے ملاقات ہو گئی۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ آپ یہ کہیں بھئی آج ایک بڑے ولی سے درویش سے ملاقات ہوئی ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ آج میرا وہ جو کام ہے میرا مقدمہ جو ہے انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کی اجازت ہے اگر آپ اٹھے اور اٹھتے ہی سب سے پہلے آپ کے کان میں تلاوت قرآن کی آواز آئی۔ آپ کہیں گے کہ آج کا دن میرا بڑا مبارک دن ہے کیونکہ اٹھا اور اٹھ کے سب سے پہلے میرے کان میں قرآن کی آواز آئی۔ اس کی اجازت ہے۔ لیکن اس کی اجازت نہیں ہے۔ کہ آپ اٹھے صبح کو گھر سے باہر نکلے اور کسی آدمی کو دیکھ لیا جسے آپ پسند نہیں کرتے تو آپ کہیں جی میرا خیال ہے آج تو مجھے روٹی نہیں ملے گی، میں نے منحوس آدمی کو دیکھ لیا۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔ فالِ نیک حاصل کرنے کی اجازت ہے، فالِ بد حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خوش فالی کی اجازت ہے بدفالی کی اجازت نہیں ہے۔ اوقات میں سعادتیں ہیں، برکتیں ہیں۔ رحمتیں ہیں۔ مگر کسی وقت میں نحوست نہیں ہے۔ یہ جو نام آپ لوگوں نے رکھے ہوئے ہیں یہ ہندوستان کے اندر یہ ہندوؤں سے متاثر ہو کے رکھے ہیں۔ آپ ایک دن کا نام رکھتے ہیں سنیچر۔ ہفتہ کو سنیچر کہتے ہیں۔ آپ ان کی لغت میں اٹھا کے دیکھئے۔ سنیچر کے معنی ہیں منحوس۔ اسلام میں ایسا کوئی نام نہیں ہے۔ اسلام میں یَوْمُ السَّبت ہفتہ کا دن۔ یَوْمُ الاحد اتوار کا دن، یوم الاثنین پیر کا دن یوم الثلاثاء منگل کا دن یوم الاربعاء بدھ کا

دن یوم الخمیس جمعرات کا دن۔اور یوم الجمعہ یہ ہمارے رکھے ہوئے نام نہیں ہیں اسلام میں کوئی سنیچر نہیں ہے۔یہ بات میں خاص طور سے اس لئے عرض کر رہا ہوں۔کہ مہینہ ہے یہ شوال کا۔عرب میں یہ مشہور تھا کہ کوئی شخص شوال کے اندر نکاح نہ کرے۔اور اگر نکاح کرے گا تو وہ عورت بیوہ ہو جائے گی۔یہ نکاح راس نہیں آئے گا یہ نکاح موافق نہیں آئے گا۔کیونکہ یہ شوال کا مہینہ نکاح کے لئے منحوس ہے۔اسلام سے پہلے پہلے یہ خیال اس لئے قائم ہو گیا تھا کہ ایک مرتبہ شوال کے مہینے میں زبردست طاعون آیا۔طاعون کی بیماری، جو گلٹی نکلتی ہے گلٹی نکلنے سے آدمی مر جاتا ہے۔اور وہ بیماری ایسی ہے کہ جب خدا نہ کرے آتی ہے تو وہ شہر کے شہر محلے کے محلے قصبے کے قصبے صاف کر دیتی ہے۔شوال کے مہینے میں وہ بیماری آئی۔اور اس میں بہت سی نئی نئی دلہنیں جو تھیں وہ بیوہ ہو گئیں۔شوہر مر گئے۔لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ مہینہ شادی کے لئے مبارک نہیں ہے۔کیونکہ اس مہینہ میں شادی کرنے سے شادی راس نہیں آتی اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو نکاح کیا ہے شوال کے مہینے میں کیا ہے۔ اور فرمایا کہ جو برکتیں مجھ کو حاصل ہوئیں، جو مرتبہ مجھے ملا اور سرکار دو عالم ﷺ کی رفاقت میں جو برکتیں مجھ کو حاصل ہوئی ہیں۔اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ شوال کا مہینہ نکاح کے لئے منحوس ہے بالکل غلط ہے ایک مہینہ ایسا تھا کہ جس کو یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہر کام کے لئے منحوس ہے۔اور ہمارے یہاں بھی بہت سی عورتیں ہیں کہ جن کے دماغوں میں ابھی تک یہ بات بیٹھی ہوئی ہے۔صفر۔محرم کے بعد صفر آتا ہے ربیع الاوّل سے پہلے محرم کے بعد۔کہتے ہیں کہ یہ خالی کا چاند ہے خالی کے چاند کا مطلب یہ نہ اس میں کوئی عبادت ہے نہ اس میں کوئی تہوار ہے نہ اس میں کوئی خصوصیت ہے، اس کا نام عورتوں نے رکھا ہے خالی کا مہینہ یعنی اس مہینے کے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔اور خالی کے مہینے کو ہر اعتبار سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مہینہ منحوس مہینہ ہے نعوذ باللہ من ذالک۔میں نے آپ کو عرض کیا۔اسلام ان سب چیزوں کو مٹانے کے لئے آیا۔اسلام میں کوئی تصور نحوست کا موجود نہیں ہے۔زمانے کی ہر ساعت زمانے کا ہر لمحہ دن ہو رات ہو مہینہ ہو سال ہو یہ کُل کا کُل اللہ کی صفت ہے۔اگر آپ سمجھتے ہیں اللہ کو گالی دینا برا ہے تو

اسی طرح اللہ کی صفت کو بھی برا بھلا کہنا جو ہے جائز نہیں ہے۔ اس لئے زمانے کو اور زمانے کی کسی ساعت کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ رمضان رخصت ہوا۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَكَاَنَّمَا صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ ۔ حضرت ابو ایوب انصاری کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے رمضان میں توفیق دی ہے روزہ رکھنے کی اور وہ توفیق کے خلاف نہیں ہیں کہ اگر کسی نے بیماری کی وجہ سے ایک دو روزہ نہیں رکھا۔ عورتوں نے ایام کی وجہ سے نہیں رکھا۔ کسی عورت نے بچے کی ولادت کی وجہ سے نہیں رکھا۔ وہ سب روزے جو شوال میں بھی قضاء کیئے جاسکتے ہیں شوال کے بعد بھی قضاء کیئے جاسکتے ہیں۔ وہ بھی اگر یہ چھ روزے جو رمضان کے بعد شوال کے مہینے میں آتے ہیں اس میں رکھنے میں رکاوٹ نہیں ہے ان کو روزے رکھنے چاہئیں۔ فرمایا کہ اگر کسی نے رمضان کے بعد شوال کے مہینے میں چھ روزے اور لگا دیئے رمضان کے ساتھ۔ تو فرمایا کہ اس کو اتنا ثواب ملتا ہے اتنا ثواب ملتا ہے۔ جیسے ایک سال کے روزے رکھے ہیں۔ الفاظ پھر سنیئے۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَكَاَنَّمَا صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ ۔ عربی میں دھر کا لفظ' علماء نے لکھا ہے کہ سال کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ یہ دھر کا لفظ سال کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ دھر ایسے موقع پہ استعمال کرتے ہیں جیسے ہم اور آپ کہتے ہیں صدی۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانَ شَىْءٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْاً مَذْكُوْرًا. عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْاً مَّذْكُوْرًا ۔ دھر کا لفظ قرآن کریم میں ہے۔ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۔ علماء نے لکھا ہے کہ دھر کے معنی سال کے نہیں۔ لیکن اگر سال کے بھی مان لئے جائیں۔ تو معلوم ہوا کہ چھ روزے اگر شوال میں رکھے گئے تو ثواب ملے گا ایک سال۔ کیسے؟ حدیث میں آتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب ملتا ہے دس گنا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر رمضان کے تیس روزے آپ نے رکھے ایک مہینے کے روزے اگر رکھے ہیں تو دس گنا ثواب جو ہے ایک مہینے کا دس مہینے کے برابر ہو گئے۔ دو مہینے باقی رہ گئے۔ اب اگر آپ نے چھ روزے شوال کے رکھ لئے۔ اور ثواب اُس کا دس گنا۔ تو سیدھی بات ہے کہ چھ روزوں پہ ثواب ملے گا' ساٹھ دن کے روزوں کا۔ چھ دہائی ساٹھ۔ اور

ساٹھ دن کے دو مہینے ہوتے ہیں۔ رمضان کے پورے مہینے کا ثواب دس مہینوں کے برابر چھ روزوں کا ثواب دو مہینے کے برابر۔ فرمایا کہ پورا کا پورا سال آپ کا ایسا ہو گیا جیسا آپ صائم الدھر ہیں۔ جیسے آپ ہمیشہ ہمیشہ روزے رکھنے والے ہیں۔ پورا سال آپ نے روزوں سے گزار دیا۔ یہ تو حساب و کتاب کی بات تھی بعض علماء نے کہا کہ نہیں نہیں دھر کے معنی آتے ہیں عمر۔ دھر کے معنی آتے ہیں عمر۔ اور دھر کے معنی عمر بھی اس لئے آتے ہیں کہ ایک صدی اگر فرض کر لیجئے ایک صدی میں کوئی آدمی شاذ و نادر ہی کوئی آدمی زندہ رہتا ہے۔ ایک صدی کا آدمی دوسری صدی میں غائب۔ دوسری صدی کا آدمی تیسری صدی میں غائب۔ عام طور سے نوبت نہیں آتی پوری صدی گزرنے کی۔ اِلَّا یہ کہ اللہ نے بعض محدثین کی عمریں بڑی لمبی بنائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جن کا شغل حدیث ہے، شغل حدیث کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عمر کو طویل فرما دیتے ہیں۔ تو آپ کو بعض سلسلوں کے اندر ایسے محدثین ملیں گے کہ جن کی ایک سو سولہ سال کی عمر ہوئی۔ کسی کی سو ہوئی۔ کسی کی سو سے اور زیادہ ہوئی۔ کسی کی سو کے بالکل کے قریب ہوئی۔ اور بالکل کرامت کے طور پر، کیونکہ ہم اور آپ جوانی میں کسی کو دیکھ کے یہ اندازہ لگاتے ہیں نا کہ ماشاء اللہ اس کی صحت بڑی اچھی ہے۔ یہ اپنی عمر اچھی پائے گا۔ اور بعضے نوجوانوں کو دیکھ کے کہتے ہیں کہ میاں یہ تو ابھی سے تمہارا ما نجھا ڈھیلا معلوم ہوتا ہے یہ تو کچھ نہیں کس بل تمہارے اندر موجود نہیں، آگے کیا ہوگا؟ معلوم ہوتا ہے گاڑی نہیں چلے گی۔ میرے والد صاحب مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بالکل ہم سبق، ہم عمر تھے۔ اور والد صاحب کی صحت ماشاء اللہ بہت اچھی تھی۔ مولانا ظفر احمد عثمانی جو تھے وہ ہمیشہ بیمار رہتے تھے۔ پیٹ کے بیمار بہت سی بیماریاں۔ میرے والد صاحب کہتے تھے کہ ان کی صحت ہمیشہ خراب رہتی تھی۔ مگر خدا کی شان، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی حدیث پڑھاتے تھے۔ اور شغل حدیث کی وجہ سے ان کی عمر تقریباً نوے سال کی ہوئی۔ حضرت مولانا رسول خاں صاحب ہمارے استادوں میں سے تھے جامعہ اشرفیہ لاہور کے اندر۔ میرا خیال ہے ان کی عمر سو سے زیادہ ہوئی ہوگی، وہ بھی حدیث پڑھاتے تھے۔ تو عام طور سے یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ شغل حدیث کی وجہ اللہ تعالیٰ عمر طویل عطا فرماتے ہیں۔ ورنہ ایک صدی کا آدمی ایک ہی صدی میں ہم سے

غائب ہو جاتا ہے۔ اور اگلی صدی میں اُس کا کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے دَہر کے معنی عمر کے ہو گئے۔ تو ترجمہ یہ ہوگا کہ جس آدمی نے رمضان کے روزے رکھے اور اس نے چھ روزے شوال کے اور شامل کر لئے' اللہ کے یہاں اِس آدمی کا مرتبہ اُن لوگوں میں ہوگا کہ جو ساری عمر روزے دار رہتا ہے صَائِمُ الدَّھر اور صائم الدھر کا بڑا مقام اور بڑا درجہ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں' حضرت حفصہؓ۔ اِن واقعات کو نہایت تہذیب اور نہایت ادب سے بیان کرنا چاہیئے۔ ہمارے بڑوں میں اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کو کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قابل اعتراض ہو تب بھی اُس کو ہمیں اس طرح بیان کرنا چاہیے کہ ہماری نظروں میں وہ ماں اور باپ سے زیادہ محترم ہیں۔ حضرت عمر فاروق کی صاحبزادی ہیں اُن کا نام ہے حفصہ۔ بڑی ح۔ف۔ص۔ہ۔ اور یہ مزاج کی بہت تیز تھیں۔ طبیعت ان کی بہت تیز تھی۔ اور سرکار دو عالم ﷺ نے جو الفاظ فرمائے' بڑے پیارے الفاظ ہیں۔ فرماتے تھے کہ هٰذِهِ ابْنَةُ اَبِيْهَا هٰذِهِ اِبْنَتُ اَبِيْهَا۔ حضرت حفصہؓ کے بارے میں کہتے تھے یہ تو بالکل بنی بنائی اپنے باپ کی بیٹی ہے۔ ان کے باپ تیز مزاج ہیں۔ اس لئے کہ عمر فاروق کی تیز مزاجی کا یا ان کی طبیعت کی تیزی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ حضور فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اتنے سخت ہیں کہ جب وہ راستے سے گزرتے ہیں تو ابلیس ان کو راستے میں دیکھ کر اپنا راستہ تبدیل کر دیتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سخت' لیکن سختی' مردم آزاری کی نہیں ہے' ہمیشہ یاد رکھیئے! بعض سختی پیار کی ہے۔ اگر مزاج میں میرے سختی ہو ہر ایک سے بداخلاقی' اِس کو ایذا پہنچا دی' اُس کو ایذا پہنچا دی۔ معاف کیجئے! وہ تو ایک مسلمان کی بھی شان کے مناسب نہیں ہے۔ اور کہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' یہ سختی خدا کی قسم عمر فاروقؓ میں نہیں تھی۔ وہ سختی جو ہمارے اور آپ کے اندر ہے اُس کی بنیاد ہے ہماری رعونت' اُس کی بنیاد ہے' ہمارا تکبر' اس کی بنیاد ہے ہماری بڑائی۔ دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ (نہیں۔) حضرت عمر فاروق ایسے نہیں تھے۔ سختی تھی' کیسے؟ امیر المؤمنین ہیں مدینہ میں۔ ایک گورنر کو پہنچانے کے لئے جس کو ہم عربی میں کہتے ہیں مُشایَعت۔ یعنی اُن کو وہاں تک پہنچانے کے لئے اُن کو مدینے کی جہاں حد ختم ہوتی ہے وہاں تک تشریف لائے۔ یہ اُس کا احترام ہے گورنر کا۔ امیر المؤمنین اُس کو چھوڑنے کے لئے آ رہے ہیں۔ جہاں آبادی مدینے کی ختم ہوتی تھی۔ وہاں پر کچھ

غریب قسم کے لوگ آباد تھے حضرت عمر فاروق کو دیکھ کر وہاں سے سب لوگ نکلے۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے عمر فاروق کی ٹانگوں میں لپٹ گئے۔ امیر المؤمنین ہیں' بچے اتنے بے تکلف۔ اور یہ بچوں کا فلسفہ جب جی چاہے آپ آزما لیجئے۔ جب جی چاہے آزما لیجئے۔ آپ کے دل میں اگر بچے کی طرف سے ذراسی بھی بے توجہی ہے تو کوئی بچہ آپ کی طرف رخ نہیں کرے گا۔ جب جی چاہے تجربہ کر لیجئے۔ اور اگر آپ کے دل میں کچھ تھوڑی سی عنایت و مہربانی ہے تو وہ بچہ فوراً آئے گا آپ سے لپٹ جائے گا آکے۔ یہ وائرلیس (WIRELESS) ہے۔ بچوں کا احساس نہایت صحیح ہوتا ہے۔ وہ گورنر صاحب فرمانے لگے کہ یا امیر المؤمنین! آپ نے تو اِن کو اتنا بے ادب اور اتنا آپ نے ان کو بے تکلف کیا ہے بچوں کو۔ آپ کی ٹانگوں میں لپٹ گئے آکے۔ تو وہ گورنر صاحب فرماتے ہیں میں تو کبھی اپنے بچوں کو بھی کبھی اتنا قریب نہیں آنے دیتا۔ میری جو اپنی اولاد ہے۔ اور یہ غیر بچے آپ کی ٹانگوں میں لپٹ گئے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں' آپ میرے ساتھ واپس تشریف لے چلئے۔ آپ کو گورنر بنانے میں مجھ سے غلطی ہوگئی۔ کیونکہ جو اپنے بچوں پر مہربان نہیں ہے وہ قوم پہ کیا مہربان ہوگا؟ غلطی ہوگئی مجھ سے۔ اندازہ لگائیے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی ٹانگوں میں بچے لپٹ گئے ہیں۔ تو حضرت عمر فاروق کوئی ہوّا تو نہیں ہیں۔ ہاں ایک سختی تھی' وہ سختی یہ تھی' حکم ہے خدا اور خدا کے رسول کا' دنیا کی کوئی طاقت بھی آجائے عمر فاروق عنہ کو ٹس سے مس نہیں کر سکتی۔ ان کی سختی کا مطلب تھا دین پر جمنا۔ شریعت کے اوپر جمنا۔ اور جب کبھی کوئی موقع آیا معلوم ہوا کہ قرآن کا یہ حکم ہے یا حدیث کا یہ فیصلہ ہے' حضرت عمر فاروق نے وہیں ہتھیار ڈال دیئے۔ بات ایک چونکہ یاد آگئی ہے' آپ کو زندگی میں کام دے گی۔

ہمارا کام تو یہی ہے اصل میں کہ ہم مختلف طریقے سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں آپ تک پہنچا دیں۔ آپ اپنی زندگی میں انہیں استعمال کیجئے۔ ذاتی اور شخصی ملکیت کا احترام اسلام کے اندر کتنا ہے' بہت ہے۔ چھوٹی اور بڑی چیز کا سوال نہیں ہے۔ آپ یہ کہہ دیں کہ صاحب میں آپ کی ٹوپی کی تو ملکیت کی پرواہ نہیں کرتا باقی اچکن آپ کی میں نہیں لوں گا۔ تو یہ کیا بات ہوئی؟ بات یہ ہے کہ جس بنیاد پر میری ٹوپی لیں گے اُسی بنیاد پہ کل کو میری اچکن بھی لے لیں گے۔ بنیاد تو ایک ہے۔

عمر فاروق امیر المؤمنین ہیں' حضرت عباس عنہ جو چچا ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اُن کا مکان ہے' مسجد نبوی سے ملا ہوا یہ مسجد نبوی اُس وقت جو ہے چھوٹی ہے۔ روضہ کے قریب ہے۔

ہے دوبارہ اٹھایا اگلے دن پھر گر گئی۔ تیسری مرتبہ اٹھایا اگلے دن پھر گر گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی آئی کہ یہاں جو دیوار بنائی جا رہی ہے یہاں ایک شخص کی ذاتی ملکیت ہے جب تک اُس مالک کو راضی نہیں کرو گے یہ دیوار نہیں ٹھہرے گی۔ واقعہ بڑا طویل ہے فقہ کی کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے۔ مولانا یوسف صاحب تبلیغی جماعت کے، جن کا بیچاروں کا پچھلے دنوں انتقال ہوا انہوں نے بھی کتاب لکھی، اُس میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ پھر تلاش کیا گیا بڑا لمبا قصہ ہے۔ منہ مانگے پیسے اس کو دیئے گئے۔ میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ امیر المؤمنین عمر فاروق کے بارے میں جو یہ ہے کہ وہ سخت تھے۔ سخت تھے عمل کرانے میں سخت تھے۔ مزاج کے سخت نہیں تھے۔ بدمزاج نہیں تھے لوگوں کو ایذا نہیں پہنچاتے تھے۔ لوگوں کو تکلیف نہیں پہنچاتے تھے اور آپ نے دیکھ لیا کہ امیر المؤمنین ہیں، اُس کے بعد جو فیصلہ دیا آپ نے فرمایا کہ سر آنکھوں پر میں نے فیصلہ مان لیا۔ اور فیصلہ سن کے جانے لگے تو اگلے دن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے یہ مکان آج مسجد کے لئے وقف کر دیا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ بات صاف ہو جائے کہ بحیثیت امیر المؤمنین کے آپ تینوں میں سے ایک بات پہ بھی مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔ مسئلہ صاف ہو گیا تو مجھے کچھ اس میں عذر نہیں تھا۔ میں آج اپنا مکان مسجد کے لئے وقف کرتا ہوں۔ وقف کر دیا گیا۔ خیر تو بات اصل میں بڑھ گئی۔ عرض تو میں یہ کر رہا تھا کہ اسلام کے اندر کوئی مہینہ منحوس نہیں ہے بلکہ شوال کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ چھ روزے اس کے ساتھ شامل کر لئے جائیں۔ تو پھر آپ کو ثواب ایسا ملے گا۔ جیسے صائم الدہر۔ ہاں وہ بات اصل میں جو آئی تھی ذہن میں وہ یہ حضرت عمر فاروق کی صاحبزادی حضرت حفصہ عنہ طبیعت کی تیز تھیں۔ کبھی کبھی جواب دے دیتی تھیں حضور اکرم ﷺ کو اور ہم کو ہمارے بزرگوں نے بتایا ہے بھئی ہم بھی چاہے عمل نہ کریں باقی یہ ہے کہ اچھی بات تو اچھی ہی بات ہے لوگوں تک پہنچ جانی چاہیے۔ فرمایا کہ اگر تمہاری بیویاں اگر کبھی تمہیں جواب دے دیا کریں تو تم برا نہ مانا کرو۔ یہ اس نکتے کو یاد رکھیئے۔ اور مجھے خیال ہے کہ بہت سے لوگ جو ہیں بعض اوقات یہ کہتے ہیں کہ ارے صاحب آپ نے تو یہ مردوں کے فیور (FAVOUR) میں یہ بات کہہ دی اور یہ بات آپ نے عورتوں کے فیور میں کہہ دی لیکن بہر حال ہم تو دین کی بات بتا رہے ہیں۔ فرمایا اگر تمہاری بیوی تمہارے ساتھ بدمزاجی سے پیش آئے۔ یا تمہیں جواب دیدے ناراض نہ ہوا کرو بلکہ

شکرانے کی دو رکعت نفل ادا کیا کرو۔ کیوں؟ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو بیوی شوہر کو بدمزاجی سے پیش آئے یا جواب دیدے یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ عورت پاک دامن ہے۔ جو عورت پاکدامن نہیں ہے یاد رکھیئے وہ بھیگی بلی کی طرح ہے ضمیر کے خلاف بھی کرتی ہے لیکن جس کو اللہ نے پاک دامن بنایا ہے۔ وہ بالکل آپ سے بھی بعض اوقات اونچی ہو کر بات کرتی ہے۔ فرمایا تم تو خدا کا شکر ادا کیا کرو کہ اللہ نے پاک دامن بیوی عطا فرمائی۔ اگر یہ پاک دامن نہ ہوتی تو یہ میرا مقابلہ کر کے مجھے جواب کبھی نہ دیتی۔ کیوں صاحب اگر بیوی پاک دامن نہ ہو اور آپ کی ہر بات کی اطاعت کرلے' کس کام کی اطاعت؟ اس لئے اگر بیوی آپ کے ساتھ اس طرح پیش آئے آپ اُس پہ صبر کیا کریں اور خدا کا شکر ادا کیا کریں۔ اِس کے ضمیر میں بڑی طاقت ہے' اس کے ضمیر میں بڑی قوت ہے۔ حضرت حفصہ جو تھیں وہ حضور کو کبھی کبھی جواب دیدیتی تھیں حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا' اچھا بھئی' تمہیں طلاق۔ طلاق دیدی۔ اب دیکھیئے مرتبہ دیکھیئے حضرت حفصہ کا۔ حضرت جبریل امین تشریف لائے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ سے کہا کہ آپ طلاق واپس لے لیجئے۔ کیوں؟ آپ نے' اُن کی کوالیفکیشن تو سنیئے کیا ہیں' حضرت حفصہ کی؟ فرمایا کہ آپ طلاق واپس لے لیجئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ قائم اللیل ہیں صائم النہار ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ عورت راتوں کو مصلے پہ کھڑی ہوتی ہے اور دنوں کو روزے رکھتی ہے۔ یہ چیز اللہ کو اتنی پیاری ہے کہ آپ حضرت حفصہ کو الگ نہ کریں۔ حضرت حفصہ کی طلاق واپس لے لیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق واپس لے لی۔ مگر معلوم یہ ہوا کہ ہمارے اور آپ کے یہاں تو عورتوں کی کوالیفکیشن یہ ہے کہ وہ حسین بہت ہوں' خوبصورت بہت ہوں' لباس ایسا ہو اور فلاں چیز ایسی ہو۔ اور بہت سے خاندانوں میں تو یہ ہے کہ بھئی اُس کو میوزک بھی آتا ہو' اس کو گانا بجانا بھی آتا ہو۔ نہیں' اللہ کی نظروں میں وہ عورت سب سے زیادہ خدا کے یہاں مقبول ہے کہ جو رات کو مصلے پہ نظر آئے اور دن کو وہ روزے دار ہو۔ تو خیر میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا تھا کہ آپ نے دیکھا' یا آپ ساری عمر کے روزے دار ہوں گے یا ایک سال کے روزے دار سمجھے جائیں گے اور باقی یہ چھ دن کے جو روزے ہیں۔ چاہے آپ کل سے ہی شروع کرلیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فوراً شروع کرنے میں یہ ایسا ہی ہوگا جیسے نصرانیوں نے کیا تھا کہ روزے جتنے دیئے تھے انہوں نے اور اس میں بڑھا دیئے۔ یہ تیس روزوں کے اوپر آپ بڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے

کہا نہیں ذرا بھی دو چار دن ٹھہر کے رکھنا چاہیئے۔ مگر نہیں۔ فقہاء کا کہنا یہ ہے۔ کہ نہیں عید سے اگلے دن سے بھی آپ یہ روزے رکھ سکتے ہیں چاہے مسلسل رکھیں۔ چاہے بیچ میں چھوڑ کے رکھیں۔ ایک مسئلہ اور سن لیجئے مسائل پبلک میں بیان کرنا یہ اس سے خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات لوگ اس مسئلے کی پوزیشن کو سمجھتے نہیں۔ کبھی کبھی غلط خیال بھی ذہن میں بیٹھ جاتا ہے اُن کے۔ ایک یہ اصول ہے کہ اگر آپ کوئی فرض عبادت ادا کریں اور اُس فرض عبادت کے اندر آپ اُس نفل کی بھی نیت کر لیں۔ تو فرض بھی ادا ہو جاتا ہے نفل بھی ادا ہو جاتا ہے یہ اصول ہے یہ' کیا مطلب؟ اگر آپ کا کوئی روزہ رمضان میں رہ گیا ہے جیسے کہ عورتوں۔ کے بھی رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ شوال کے چھ روزے اس طرح پر رکھیں کہ وہ نیت کریں فرض روزے کی جو رمضان میں رہ گیا ہے اور نیت کر لیں شوال کے چھ روزے کی بھی۔ تو یہ چھ روزے فرض بھی اُن کے ادا ہو جائیں گے اور شوال کے چھ نفلی روزے بھی ہو جائیں گے۔ تو میں نے اس لئے یہ بات عرض کی۔ ان روزوں کی بڑی اہمیت ہے اور ہمارے یہاں نہ شوال کا مہینہ منحوس ہے۔ نہ ہمارے یہاں صفر کا مہینہ منحوس ہے۔ ہاں برکت والے اوقات ضرور ہیں۔ فلاں دِن برکت کا دن ہے فلاں رات برکت کی ہے فلاں دن برکت کا ہے' فلاں ساعت برکت کی ہے یہ سب باتیں تو ہمارے یہاں اجازت ہے لیکن ہمارے یہاں فال بد لینے کی اجازت نہیں ہے۔ اور نحوست کا تصور رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ دعا کیجئے اللہ ہمیں آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

معنیٰ اوّل بیت۔ تحویل قبلہ

دعائے نوحؑ کا اثر

اور بت پرست قوم کو سمجھانے کے لیے

حضرت ابراہیمؑ کی عجیب حکیمانہ چال

جمعہ کی تقریر

سورۂ آل عمران 75-11-14

بمقام جامع مسجد تھانویؒ جیکب لائن کراچی' محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

الحمدللہ نحمدہ' ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ونشھد ان لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہٗ ونشھد ان سیّدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمدو آلہٖ واصحابہٖ اجمعین امابعد.

فاعوذباللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ. فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ط وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَO

بزرگان محترم اور برادران عزیز! قرآنِ کریم کی یہ وہی آیتیں ہیں جنہیں گزشتہ جمعہ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور اس آیت کے سلسلے میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

سب سے پہلا گھر وہ گھر ہے جس کو ہم اور آپ خانۂ کعبہ کہتے ہیں' بیت اللہ کہتے ہیں' مسجدِ حرام کہتے ہیں۔اور اوّلیت کے بارے میں مَیں عرض کر رہا تھا کہ ایک بات تو یہ ہے کہ زمین نے وجود ہی وہاں سے پایا اور اسی کو عبادت کی جہت اور عبادت کی سمت مقرر کر دیا گیا۔اور اللہ کی تجلیات کا مرکز بنا دیا گیا۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ روئے زمین جب بن گئی تو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بنیاد رکھی۔اور یہ گھر بنایا۔حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روئے زمین کی دو مسجدیں بنائیں۔ایک مسجد کا نام مسجدِ حرام اور حرام کے معنیٰ ہیں قابلِ احترام۔جیسے محرم الحرام' یہ مہینہ قابلِ احترام ہے۔اور دوسری مسجد انہوں نے بنائی ہے جس کا نام ہے مسجدِ اقصیٰ۔مسجدِ اقصیٰ کو بیت المقدس بھی کہتے ہیں۔اور مسجدِ حرام کو بیت اللہ بھی کہتے ہیں۔اور ناموں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ بعد میں بنی۔مسجدِ حرام پہلے بنی۔علماء نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجدِ حرام کے چالیس سال کے بعد مسجدِ اقصیٰ بنائی۔کیونکہ اقصیٰ کے معنیٰ ہیں بہت دور۔سب سے زیادہ فاصلے پر۔تو کسی چیز کو دور اور قریب تو آپ جب ہی کہہ سکتے ہیں جبکہ پہلے سے کوئی چیز موجود ہو۔اور اگر کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے سرے سے تو پھر کسی چیز کے دور ہونے اور قریب ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔علماء نے لکھا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ بعد میں بنی اور چالیس کے بعد۔تو یہ گھر بھی روئے زمین کا پہلا گھر ہے اور یہ سب سے پہلا گھر ہے۔اور بیت المقدس بھی روئے زمین کی پہلی مسجد ہے اس معنیٰ کر کہ مسجدِ حرام کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے بنایا ہے۔اور ان دونوں کی حیثیت دو قبلوں کی سی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکے میں تھے۔اور نماز فرض ہو گئی تھی۔تو آپ ایسی طرف' ایسی سمت میں کھڑے ہوتے تھے کہ جس سمت میں کھڑے ہونے کے بعد سامنے مسجدِ اقصیٰ بھی آ جائے۔مثال کے طور پر جیسے یہ ایک گول جگہ ہے۔اور اس گول جگہ میں آپ جس طرف بھی کھڑے ہوں گے اس گول جگہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔نماز ہو جائے گی۔یہ بیت اللہ ہے۔یہاں کھڑے ہو کے پڑھیں گے تب بھی ہو گی' اِدھر کھڑے ہو کے پڑھیں گے تب بھی ہو گی۔لیکن بیت المقدس ایک جانب ہے ہر جانب نہیں۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں اپنی نماز اس طریقہ سے کھڑے ہو کے پڑھتے تھے کہ جیسے بیت المقدس اِدھر ہے تو آپ یہاں کھڑے ہوتے تھے تاکہ بیت اللہ کی طرف بھی

سمت ہو جائے۔ اور بیت المقدس کی طرف بھی ہو جائے۔ دونوں کو جمع فرماتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کے سفرِ معراج میں دونوں قبلوں کو جمع فرما دیا۔ آپ مسجدِ حرام سے تشریف لے گئے۔ اور بیت المقدس پہنچے۔ وہاں پر جا کر آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے پیچھے بحیثیت مقتدی کے نماز ادا کی ہے۔ اور فرمایا کہ ثُمَّ عُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ پھر مجھے آسمانوں کی طرف بلند کیا گیا اس قبلے سے اُس قبلے تک پہنچے اور اُس قبلے سے پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اور اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں پہنچے تو پھر وہ پوزیشن باقی نہیں رہی۔ کہ ایسی جگہ کھڑے ہو کر آپ نماز پڑھیں کہ بیت المقدس بھی سامنے آ جائے۔ تو آپ نے اللہ کے حکم سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے مدینے میں۔ اور ہر وقت آپ کا یہ خیال تھا اور یہ جی چاہتا تھا کہ کب اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے کہ میں مسجد حرام اور بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھوں۔ فرمایا کہ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ مدینے میں ایک مسجد کے اندر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں، بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے۔ اور عین حالتِ نماز میں حکم آ گیا۔ کہ آپ کا قبلہ ہم نے مسجدِ حرام اور بیت اللہ کو قرار دے دیا ہے۔ آپ اپنا رُخ تبدیل کر لیجئے۔ اور مدینے میں پوزیشن ایسی تھی کہ اگر منہ کیا جائے بیت المقدس کی طرف۔ تو پشت ہوتی ہے بیت اللہ کی طرف۔ اور رُخ کیا جائے بیت اللہ کی طرف تو پشت ہوتی ہے، بیت المقدس کی طرف۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عین حالت نماز کے اندر اپنا رخ تبدیل کر دیا۔ اور صحابہ نے بھی رُخ تبدیل کر دیا۔ آج بھی مدینے میں وہ مسجد مسجد ذوالقبلتین کہلاتی ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حاضری کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ دیکھیں گے کہ ایک مسجد ایسی ہے جس میں اِدھر بھی محراب ہے۔ اُدھر بھی محراب ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مسجد ہے کہ جس کے دونوں جانب قبلہ ہے۔ اس یادگار کو باقی رکھا ہے کہ یہاں آپ نماز ادا کر رہے تھے حالتِ نماز میں حکم آیا تو آپ نے بجائے اُدھر کے اِدھر کا رخ کر لیا۔ اور وہ دونوں نمازیں باقی رہیں وہ مسجد ہی مسجدِ ذوالقبلتین کے نام سے مشہور ہے۔ دو قبلوں والی مسجد۔ خیر! تو عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اوّلیت کے ایک معنیٰ تو یہ ہیں کہ جب زمین نے وجود پایا تو

سب سے پہلے چونکہ وہاں سے وجود پایا تھا اُسی جگہ کو مقدس بنا دیا۔ اور یا اوّلیت کے معنی یہ ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روئے زمین میں سب سے پہلا عبادت خانہ اور معبد بیت اللہ کو بنایا۔ اور ایک معنی اوّلیت کے یہ بھی ہیں۔ کہ عرب کے باپ' ابُو العرب یعنی قوم عرب کے آباؤ اجداد میں سے ایک شخصیت ہے کہ جن کی اولاد میں سارے عرب ہیں اور وہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایک اوّلیت کا درجہ اور فضیلت ان دونوں پیغمبروں کو بھی عطا فرمائی۔ اور وہ یہ کہ جب طوفانِ نوح آیا۔ تو طوفانِ نوح میں روئے زمین کی تمام آبادیاں' تعمیرات' مکانات سب بے نشان ہو گئے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اُس وقت کی روئے زمین کا مفہوم ممکن ہے کہ یہ نہ ہو جو آج ہے۔ آج تو یہ مفہوم ہے کہ پانچ برِاعظم ہیں۔ ایشیاء ہے' افریقہ ہے' یورپ ہے' امریکہ ہے' آسٹریلیا ہے۔ آج کی دریافت یہ ہے کہ ان پانچوں برِاعظموں کے اندر آبادی بھی ہے تعمیرات بھی ہیں انسان بھی آباد ہیں۔ آیا اُس وقت جب طوفانِ نوح آیا تھا تو آدم کی اولاد اتنی پھیل گئی تھی یا نہیں؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نہیں' روئے زمین پر آبادی مختصر تھی۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے کہ یہ دوسرے باپ ہیں کہ جن سے نسل شروع ہوئی' جس کا مطلب یہ ہے کہ طوفان آیا اُن مقامات پر اور اُن جگہوں پر آیا کہ جہاں جہاں آدم کی اولاد آباد ہو گئی تھی اور بس گئی تھی اور وہ دنیا کا سرا ہوتا ہے اور وہی طوفانِ نوح سے ختم ہو گیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نہیں! طوفانِ نوح عالمگیر تھا۔ یعنی روئے زمین کا کوئی چپہ ایسا نہیں بچا تھا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طوفان ان کے طوفان کا مطلب یہ ہے کہ دعا انہوں نے مانگی تھی۔ یَارَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا. اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ اے اللہ میں نے اتنا انتظار کیا' اتنا صبر کیا کہ اس کے بعد انتظار کا کوئی درجہ نہیں رہا اور صبر کا کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔ سات نسلوں تک انتظار کیا حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔ ایک نسل سو سال میں ختم ہو جاتی ہے اور سو سال سے اور کچھ زیادہ لے لیجیے۔ اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ہوئی ایک ہزار پچاس سال۔ سات نسلوں تک برابر انتظار کیا۔ کہ یہ بڑے سرکش ہیں۔ یہ بڑے نافرمان ہیں۔ کیا خبر ہے ان کی اولاد میں فرمانبردار پیدا ہو جائیں۔ مگر دوسری نسل اُس سے زیادہ

خراب نکلی بالکل ہی نسل پھر انتظار کرتے رہے کہ ممکن ہے اس نسل کی نسل جو ہے وہ ان سے بہتر آ جائے۔ لیکن دیکھا تو تیسری نسل ان سے زیادہ سنگدل اوصاف کی مالک ہے چوتھی نسل اس سے زیادہ خراب آئی۔ پانچویں نسل اس سے زیادہ خراب۔ چھٹی اور ساتویں نسل اس سے زیادہ خراب۔ اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن کریم نے کہا ہے۔ کہ جتنا جتنا وہ لوگوں کو دعوت دیتے تھے اتنا ہی وہ بھاگتے تھے۔ دعوت قبول نہیں کرتے تھے۔ ذہن سرکش تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہ مرض لاعلاج ہے۔ ورنہ اندازہ لگایئے کہ نبی اور پیغمبر دعوت دے۔ ان سے زیادہ مخلص کوئی ہو نہیں سکتا۔ ان سے بہتر طریقہ دعوت دینے کا دنیا کے کسی بشر اور انسان میں ممکن نہیں ہے جو دعوت دینے کا بہترین طریقہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرماتے ہیں۔ ہمارے اندر تو وہ اخلاص نہیں۔ ہمارے اندر وہ بصیرت نہیں ہے کہ ہم اِسے کس طریقے سے بلائیں ۔ کس طریقے سے دعوت دیں۔ اس آدمی کو عذاب سے ڈرانے کی ضرورت ہے یا اس آدمی کو خدا کی رحمت کی یاد دلانے کی ضرورت ہے۔ یہ بصیرت بھی اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرماتے ہیں وہ دیکھ لیتے ہیں اس کا مزاج ایسا ہے اللہ کی نعمتوں کی یاد دلاؤ آ جائے۔ بعضوں کا ذہن ایسا ہے کہ خدا کا عذاب یاد دلاؤ تو آ جائے گا۔ اسی لئے نبی کی دو صفتیں ہیں وہ بشیر بھی ہے نذیر بھی۔ بشیر کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے انعامات اور نعمتوں کی یاد دلا رہا ہے۔ خوشخبری دے رہا ہے۔ اور نذیر کے معنی یہ ہیں کہ وہ خوف الٰہی اللہ کے عذاب سے ڈرا رہا ہے۔ دھمکا رہا ہے۔ نرم اور گرم دونوں طریقے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار کر لئے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بھی قرآن کی آیت کا ترجمہ کر کے فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ ع نوح نہ صد سال دعوت می نمود

ترجمہ:۔ یعنی نوحؑ نوسو سال تک دعوت دیتے رہے۔

نوح نہ صد سال دعوت می نمود ☆ دم بدم انکار قومش می فزود

اور قوم کی سرکشی بڑھتی چلی جاتی تھی۔ ان کا بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں کسی نبی اور پیغمبر سے یہ نہیں پوچھیں گے۔ کہ تمہارے ہاتھ پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ کتنے لوگ آپ کے زمانے میں ایمان لانے والے ہیں۔ پیغمبروں سے کوئی رجسٹر نہیں دیکھا جائے گا۔ کہ کتنے لوگ لائے

تھے کتنے لوگ نہیں لائے۔اس کی وجہ یہ ہے۔ نبی اور پیغمبر کا کام دعوت دینا ہے۔ جب نبی اور پیغمبر نے دعوت دے دی اور دعوت کا حق ادا کر دیا ہے نبی کی ذمہ داری پوری ہوگئی۔اب یہ ہے بادل نے اپنا کام کر دیا ہے کہ بارش برسادی ہے اب یہ زمین کی صلاحیت پر موقوف ہے۔کونسی زمین گھاس اُگاتی ہے۔کونسی زمین پھول اُگاتی ہے۔کونسی زمین غلّہ اُگاتی ہے اور کونسی زمین کچھ بھی نہیں اُگاتی۔کسی نبی اور پیغمبر سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ آپ کے زمانے میں آبادی اتنی تھی۔اتنے فیصد تو ایمان لانے چاہئیں۔نہیں۔ بالکل حدیث میں آتا ہے کہ جب قیامت میں اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ اور دوبارہ زندگی کی ابتداء ہوگی کہ سب سے پہلے سرکارِ دوعالم ﷺ روئے زمین سے اور قبر مبارک سے اُٹھیں گے۔ پھر اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اُٹھیں گے۔ ان کے ساتھ ان کی امتیں بھی اُٹھیں گی۔حدیث میں آتا ہے کہ بعض نبی اور پیغمبر ایسے اٹھائے جائیں گے کہ ان کے ساتھ ایک بھی امتی نہیں ہوگا۔کوئی ان پہ ایمان لایا ہی نہیں۔ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کیا نعوذ باللہ نعوذ باللہ ایسے نبی اور پیغمبر خدا کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔کیا اللہ کے یہاں اس پر گرفت ہوگی۔نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں نے عرض کر دیا کہ نبی اور پیغمبر کا کام یا مبلغ کا کام ہے کہ دعوت دو اور دعوت کا حق ادا کرو۔حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے میں اگر آپ کو دعوت دی اس طریقہ سے دی کہ آپ کو میں نے اشتعال دلا دیا جھلاّ کے اُٹھ کے چلے گئے۔میں نے دعوت تو دی دعوت کا حق ادا نہیں کیا۔دعوت دو وہ طریقہ اختیار کرو جو موثر سے موثر طریقہ ہوسکتا ہے۔ بڑے سے بڑا باغی بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔لیکن اگر پھر بھی قبول نہ کرے تو سمجھ لینا کہ یہ زمین زمین شور ہے۔ ایک دو بارش نہیں اگر ساری عمر بھی اگر اس کے اوپر بادل پانی برساتا رہے تو یہاں سے گھاس کا تنکا بھی اُگنے والا نہیں۔یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن کریم خبر دیتا ہے۔فرمایا کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ. خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔دل پہ مہر لگ چکی ہے۔کانوں پہ مہر لگ چکی ہے۔آنکھوں پہ بھی مہر لگ چکی ہے۔یعنی آنکھیں ہوں ہر چیز دیکھتا ہے۔حق بات کو نہیں دیکھ سکتا۔کان ہیں ہر چیز

سنتا ہے۔ حق بات کو نہیں سن سکتا۔ دل ہے عقل ہے اور سمجھ ہے ہر چیز کو سمجھتا ہے۔ آخرت کی بات کو نہیں سمجھتا۔ تو فرمایا ایسے نبی اور پیغمبر بھی اُٹھیں گے کہ ایک بھی اُمتی ان کے ساتھ نہیں ہوگا۔ میرے عرض کرنے کا منشاء یہ تھا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جتنا انتظار ہوسکتا تھا کیا۔ جتنا صبر ہوسکتا تھا کیا۔ اور جب دیکھا کہ اب یہ تو زمین شور ہے۔ انتظار بیکار ہے۔ اللہ سے دعا کی کہ يَارَبِّ لَاتَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ ''اے اللہ ایسا عذاب بھیج کہ روئے زمین پر ایک بھی متنفس باقی نہ رہے۔'' يَارَبِّ لَاتَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَايَلِدُوْا اِلَّافَاجِرًا كَفَّارًا ۔ اور اگر آپ نے اس نسل میں سے کچھ لوگوں کو باقی رکھا۔ ان کی اولاد ان سے زیادہ باغی اور باغی سے باغی تر پیدا ہوگی۔ اس میں فلاح کی امید نہیں۔ چنانچہ طوفانِ نوح آیا۔ اور روئے زمین کی تمام تعمیرات کو اور تمام آبادی کو ختم کر دیا۔ وہ دو باتیں آپ اپنے ذہن میں رکھئے گا۔ یا تو طوفان اس حد تک آیا جس حد تک کہ انسانوں کی اس وقت آبادی تھی۔ اور یا یہ ہے کہ وہ طوفان ایسا آیا عالمگیر کہ روئے زمین کا کوئی خطہ باقی نہیں بچا ہے۔ یہ دونوں رائے علماء کی ہیں۔ جب یہ طوفان آیا تو اس طوفان میں نہ بیت المقدس کی بنیاد باقی رہی۔ نہ بیت اللہ کی بنیاد باقی رہی۔ سب آثار و نشان مٹ گئے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ بیت اللہ کہاں تھا کسی کو نہیں معلوم کہ بیت المقدس کہاں تھا۔ حالانکہ بیت اللہ جو ہے وہ ایک خاص جگہ کا نام ہے عمارت کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ بیت اللہ نشیب میں ہے، چاروں طرف اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں۔ نیچی جگہ میں ہے، بعض اوقات ایسا طوفان آیا ہے کہ بیت اللہ کی عمارت پانی سے نیچے ہوگئی۔ پانی اوپر تک آ گیا۔

لیکن اس زمانے میں لوگوں نے کشتیوں کے اوپر طواف کیا ہے جب کہ عمارت کی ایک اینٹ بھی نظر نہیں آتی، معلوم ہوا کہ جس کا طواف کیا جاتا ہے وہ عمارت نہیں ہے۔ عمارت کیسے ہوسکتی ہے۔ عمارت آج ہے کل نہیں۔ آج سنگِ مرمر کی کل کسی دوسرے پتھر کی ہے۔ آج کسی اور مسالے سے بنی ہے کل کسی اور مسالے سے بن جائے گی۔ اصل میں وہ بنیادیں اور وہ جگہ وہ خاص جگہ جو ہے وہ بیت اللہ کہلاتا ہے۔ اور وہ تجلیاتِ الٰہی کا مرکزی مقام ہے۔ عمارت ہو یا نہ ہو۔ عمارت ہو تو آپ کو

طواف کرنے میں آسانی ہے۔ نشان لگا دیا جائے تو آپ کو طواف کرنے میں سہولت ہے۔ اور اگر ن
ہو تو طواف کرنے میں دقت ہے۔ تو اس زمانے میں کشتیوں پہ بیٹھ کر لوگوں نے، کشتیوں میں تیر کر
طواف کیا ہے جبکہ عمارت سامنے نہیں تھی اس جگہ کو انہوں نے گھیرے میں لے کے اور چاروں طرف
اس کا طواف کیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہمارے نزدیک صرف (مرکز تجلیات الٰہی)
قابلِ احترام ہے۔ عمارت نہیں۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ پہلے بھی کبھی عرض کیا ہے۔ کہ بعض لوگ یہ
کہا کرتے ہیں کہ صاحب جو قومیں پتھر کو سامنے رکھ کر سجدہ کرتی ہیں۔ انہیں تو آپ مشرک کہتے ہیں۔
بت پرست کہتے ہیں۔ تو آپ کے سامنے بھی تو پتھر کی ایک عمارت ہے جس کے سامنے آپ جھک
گئے، سجدہ کیا سر رکھ لیا۔ آپ اپنے کو مؤحد کہتے ہیں وہی کام ہم کریں تو ہم مشرک ہیں وہی کام آپ
کریں تو آپ مؤحد ہیں۔ بعض لوگوں نے مسلمانوں پر اعتراض کیا ہے اور اس زمانے کے نوعمر
نوجوان جو اسلام کے خلاف آپ کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے بھی
ایسے اعتراضات یاد کر رکھے ہیں۔ میں نے شاید پہلے کہا تھا کہ ایک سفر میں ایک سکھ نے یہ اعتراض
کیا۔ اس نے غالباً کہیں سے سن رکھا ہوگا۔ اس نے کہا کہ مولانا صاحب یہ تو بتایئے کہ آپ جاتے ہیں
حجاز میں۔ اور آپ ایک پتھر کی عمارت کو سجدہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے کو بت پرست نہیں کہتے اور اگر ہم
کوئی مورتی سامنے رکھ کر سجدہ کریں تو ہمیں آپ مشرک و بت پرست کہتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے تو
میں نے ان سے یہ کہا میں نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اعتراض آپ کا نہیں ہے آپ کہیں سے سن
سنا کر آئے ہیں۔ کہنے لگے نہیں صاحب۔ میں نے کہیں سے نہیں سنا۔ میں نے کہا صاحب جہاں سے
آپ چرا کر لائے ہیں۔ آپ کہیں تو میں وجہ جگہ بتا دوں کہ کہاں سے چرا کر لائے ہیں۔ آپ کا تو ہے
نہیں۔ اور اس زمانے میں بھی جتنے نوجوان بعض عالمِ برزخ کے بارے میں شکوک وشبہات پیش
کرتے ہیں کہ قبر میں کیا ہوگا کون سوال کرے گا۔ نعوذ باللہ یہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ ہم نے تو ٹیپ ریکارڈ
رکھ کے دیکھ لیا۔ پھر ہم نے تین دن کے بعد ٹیپ ریکارڈ نکالا تو اس میں کوئی ریکارڈ نہیں۔ کہاں گئے وہ
فرشتے جنہوں نے سوال کیا تھا اور سوال کیا تھا تو کس زبان میں کیا تھا۔ وہ کونسی آواز تھی۔ پھر یہ کہ ایک

مُردہ جو ہے جب مٹی میں دفن کر دیا جاتا ہے کچھ روز کے بعد وہ خود مٹی بن جاتا ہے۔ اس پہ درخت پیدا ہو جاتے ہیں ان درختوں کو جانور کھا لیتے ہیں۔ پھر جانور جو ہے وہ ان کی' ان کا فضلہ ہوتا ہے۔ اس سے کھاد تیار ہوتی ہے آپ یہ کہتے ہیں کہ قیامت جب آئے گی تو انسان کے جسم کے تمام ٹکڑے اور اعضاء جو ہیں۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ لگائیں گے اور دوبارہ زندہ کریں گے وہ باقی ہی نہیں رہے تو لگیں گے کیسے؟ یہ سب باتیں جو ہیں یہ وہی ہیں آپ اُٹھا کے دیکھئے کہ جو مشرکین مکہ مسلمانوں پر اعتراضات کیا کرتے تھے۔ وہ آخرت کے قائل نہیں تھے وہ دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں تھے۔ تو اپنے پلّے سے کچھ نہیں لوگ اِدھر اُدھر کی سنی سنائی باتیں اسلام کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ خیر بات لمبی ہو جائے گی میں نے اُن سے کہا کہ میں آپ کو بتا دوں کہ آپ کہاں سے چُرا کے لائے ہیں۔ میں نے کہا سنئے۔ آپ تو یہ زبان بھی نہیں جانتے ہوں گے۔ فارسی زبان کا ایک بڑا پرانا شاعر یہ ہی اعتراض کر رہا ہے جو آج آپ نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ فرمایا کہ ۔

اپنی کر ملامت اے پرستی بے بت ☆ در حرم رب طواف در دیوار چہ کرد

جو مجھے بت پرستی کو منع کرتا ہے پتھر کے سامنے سجدہ کرنے کو منع کرتا ہے۔ وہ حرم میں جا کے درود یوار کو سجدہ کیوں کرتا ہے۔ پھر تو میں نے کہا یہاں سے چُرا کے لائے ہیں آپ۔

بڑے شرمندہ ہوئے وہ سمجھے تھے کہ اس کو پتہ نہیں ہوگا۔ اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا قابل ہے جو آج اس نے پہلے اعتراض کیا ہے تو میں نے اُن سے کہا۔ میں نے کہا کہ جناب والا اعتراض کرنے والے کا اعتراض غلط ہے بت پرستی اور ہے۔ اور خانے کعبہ کی عمارت کے سامنے سجدہ کرنا جو ہے وہ اور چیز ہے۔ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا کہ یہ تو عمارت صرف اس لئے ہے کہ تا کہ ایک جہت اور سمت مقرر ہو جائے۔ یہ خانے کعبہ کی عمارت ہمارا معبود نہیں ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ صاحب پھر یہ تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے یہ بہت اور پتھر تو اس لئے رکھا ہے کہ تا کہ ہمارے خیالات ایک طرف کو ہو جائیں اور ہم نے تو صرف سمت مقرر کرنے کے لئے رکھا ہے۔ ہم بھی اس کو معبود نہیں سمجھتے آپ سجدہ کرتے ہیں خدا کو۔ سمت آپ نے یہ مقرر کی ہے ہم بھی سجدہ کرتے ہیں خدا کو ہم نے بت اس لئے

رکھا ہے تا کہ ہماری سمت مقرر ہو۔ جو جواب آپ کا وہی ہمارا۔ لیکن حقیقت میں یہ جواب بھی ان کا صحیح نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کو معبود سمجھتے ہیں یا معبود نہیں سمجھتے ہیں اس کا ایک معیار ہے۔ بقول شخصے' بس ایک نگاہ کو ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا وہ یہ ہے کہ آیا تم معبود سمجھتے ہو یا نہیں سمجھتے ہم معبود سمجھتے ہیں یا نہیں سمجھتے۔ اس کا معیار یہ ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی موحد اور کوئی مسلمان خانے کعبہ کی دیواروں پہ چڑھ جائے۔ خانے کعبہ کی چھت پہ چڑھ جائے جا کے بیٹھ جائے۔ اور صرف بیٹھ جائے نہیں بلکہ خانے کعبہ کی چھت پر جا کر نماز پڑھے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمارت ہمارا معبود نہیں ہے۔ اور اگر یہ عمارت ہماری معبود ہوتی تو اس سے بڑھ کر اور بے ادبی کیا تھی کہ ہم اس کے سر پہ چڑھ جاتے تو ظاہر ہے یہ ہی گناہ کافی تھا چہ جائیکہ ہماری نماز نماز ہو جاتی۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تو ہم نے کہا کہ بس فیصلہ اس کے اوپر ہے اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خانے کعبہ کو معبود سمجھتے ہیں ہم خانے کعبہ پر چڑھ کے دکھا دیتے ہیں۔ نماز پڑھ کے دکھا دیتے ہیں۔ اور اگر آپ بت کو معبود نہیں سمجھتے تو مہربانی کر کے ایک پاؤں اس کے سر پر رکھ کے آپ بھی دکھائیے۔ لیکن کسی مشرک اور بت پرست کو آپ نہیں دیکھیں گے کہ وہ یہ جرات کرے کہ اپنا پاؤں اس کے سر پہ رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی بات آپ کے ذہن میں ایسی ہے کہ جس نے اسے معبودیت کا مقام اور درجہ دے رکھا ہے۔ اور کوئی تحفظ ہمارے یہاں ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے یہ عمارت معبود نہیں۔ اگر یہ عمارت ہو تب بھی سجدہ کریں گے اگر عمارت نہ ہو تب بھی سجدہ کریں گے۔ یہ عمارت مقصود نہیں۔ کبھی کچی ہو کبھی پکی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی لکڑی ہی کی بنا دیا جائے۔ خیر! تو میں نے عرض کیا کہ اوّلیت کا ایک مقام اور ایک درجہ یہ ہے کہ قوم عرب کے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں بلکہ قوم عرب کے باپ اصل میں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ان کے باپ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سرزمین حجاز کے نہیں ہیں۔ مکے کے رہنے والے نہیں۔ عراق میں پیدا ہوئے' عراق کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام ہے ''حو''۔ اس میں پیدا ہوئے۔ کس کے گھرانے میں پیدا

ہوئے ایک مُحب صنم۔ ایک بت تراش، ایک بتوں کا پرستار اور بتوں کا پوجا کرنے والا۔ جس کا نام قرآنِ کریم نے ہمیں بتایا ہے کہ آزر ہے۔ حضرت ابراہیم الصلوٰۃ والسلام کے باپ کا نام ہے آزر۔ وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ یہ نام قرآن کریم نے بھی نقل کیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آزر نام کے اندر معنیٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کسی آدمی کا نام آپ رکھیں سبحان اللہ۔ لیکن شکل وصورت کے اعتبار سے وہ اچھا نہ ہوتو آپ کہیں کہ بھئی ماشاء اللہ نام تو سبحان اللہ ہے باقی یہ معنیٰ آپ میں نہیں پائے جاتے۔ جیسے کراچی میں ایک واقعہ ہوا تھا کہ ایک شخص نے اپنے نام کے اوپر ہوٹل کھولا۔ اللہ کے بندوں! یہ جو تمہیں نام دیا جاتا ہے ایسا نام جس میں خدا کے تعلق کا اظہار ہو جس سے توحید کا اظہار ہو۔ یہ برکت کے لئے ہوتا ہے۔ یہ اس لئے نہیں ہوتا ہے کہ آپ کا یہ نام ہے اور آپ اس نام کے اوپر پھر کل کو سینما کھولیں۔ اس نام پہ بار (شراب خانہ) کھولیں۔ اس نام سے ہوٹل کھولیں۔ صوبہ سرحد میں ایک ڈپٹی کمشنر تھے۔ اب بھی وہ حکومت کے کسی بڑے عہدے کے اوپر ہیں۔ اور وہ یہاں ایبٹ آباد کے علاقے کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ ہمیں جب میں پشاور گیا تھا جلسے میں تو انہوں نے کھانے پر مجھے مدعو کیا۔ اور کہنے لگے کہ مولانا میرے والد جو تھے وہ عالم تھے۔ انہوں نے میرا نام رکھا ہے۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کے بھائی کا نام ہے وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ۔ اور تیسرے بھائی کا نام ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ تو یہاں ایک زمانے میں دربار علی شاہ کمشنر ہوا کرتے تھے۔ تو وہ کہتے تھے کہنے لگے کہ جب ان بھائیوں کا نام لیا جاتا تھا تو میں یہ کہتا تھا بھائی میرا وضو نہیں ہے مجھے تو قرآن پڑھنا پڑے گا۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ تو وہ یہ کہتے تھے کہ میرے باپ نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ دیکھو بیٹا اپنے نام کے ساتھ خان نہیں لگانا میں نے قرآن کی آیت سے تمہارا نام رکھا ہے۔ نام مسلمان کا اس لئے رکھا جاتا ہے کہ اس نام کی برکت سے اس کی زندگی پر اثر پڑے۔ اسم کا اثر مسمّٰی پر ہوتا ہے۔ نام کا اثر شخص پر ہوتا ہے۔ لیکن ہم اور آپ اس کی ایسی ناقدری کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ نعوذ باللہ۔ نام رکھا کسی نے قدرت خدا اور اس کے بعد وہ پہلا لفظ تو اُڑا دیا تو ٹیلی فون پہ کہتے ہیں کہ خدا اسپیکنگ خدا بول رہا ہوں۔ کیسی اہانت ہے یہ۔ ہوٹل کا نام رکھا سبحان اللہ ہوٹل۔ رمضان کا زمانہ آیا۔ دیکھا کہ اس کے اوپر

پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور اندر خوب کھانا پینا ہو رہا ہے۔ صوبہ سرحد میں جیسا روزے کا احترام ہے ایسا کسی علاقے میں نہیں ہے۔ وہاں تو عام مسلمان کی یہ جرات نہیں ہے کہ وہ علی الاعلان سب کے سامنے کھائے پیئے۔ وہ تو پبلک ہی اس کو سزا کافی دے دیتی ہے۔ خیر وہ ایک صاحب آئے اور آ کے انہوں نے کہا کہ مجھے اندر جانے دیجئے۔ انہوں نے کہا جی نہیں آپ اندر نہیں جاسکتے۔ کیوں؟ انہوں نے کہا رمضان کا زمانہ ہے باقی یہ کہ چونکہ کچھ اندر لوگ کھا پی رہے ہیں تو اس لئے یہ پردہ ڈال رکھا ہے اور مجھے بٹھایا ہوا ہے کہ کوئی جائے نہیں اندر۔ تو اس بیچارے مسلمان نے کہا کہ آپ نے رمضان کے اندر لوگوں کو کھانا کھلایا۔ تو اس ہوٹل کا نام تو سبحان اللہ ہوٹل نہیں ہونا چاہیے تھا اس کا نام ہونا چاہیے تھا معاذ اللہ ہوٹل۔ ہم اور آپ نام رکھتے ہیں۔ وہ نام رکھتے ہیں جس سے اللہ کی وحدانیت کا اظہار ہو یا جس سے برکت ہم حاصل کریں۔ اور اس کے بعد پھر ہم سینماؤں کے اوپر چسپاں کرتے ہیں۔ ہوٹلوں کے اوپر چسپاں کرتے ہیں۔ دوکانوں کے اوپر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ اس نام کی قدر دانی نہیں ہے۔ بے قدری ہے۔ تو خیر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آزر کے معنی کا کوئی سوال نہیں، نام ہے۔ لیکن بہت سے نام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے معنی بھی ہوتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ آزر کے معنی ہیں۔ محب صنم۔ بتوں سے محبت کرنے والا۔ اور یہ آزر جو تھے یہ بت تراش بھی تھے بت پرست بھی تھے۔ ان کا بہترین مشغلہ اور سب سے زیادہ دلچسپی کا مشغلہ یہی تھا ہر وقت بتوں کو تراشتے تھے۔ اور اس کے بعد اس کی پرستش بھی کرتے تھے۔ اس زمانے میں جبکہ لوگوں کی عقل کافی منجھ گئی ہے۔ کہتے نا آپ لوگ ہی تو کہتے ہیں کہ سائنس نے اس زمانے میں بڑی ترقی کی ہے۔ تو اس زمانے تو آپ کی جو عقل ہے وہ تو سائنس نے بڑی روشن کر دی ہے۔ اس زمانے میں اگر کوئی آدمی ایسی حرکت کرے تو میرا خیال ہے کہ ایک معمولی عقل کا آدمی یہ کہے گا کہ یہ کیا۔ ایک آدمی پتھر لاتا ہے اور پتھر لا کر اس کو تراشتا ہے تراشنے کے بعد اس کی صورت نکل آتی ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ پاؤں میں دبائے بیٹھا ہے۔ اس پہ چھینی چلا رہا ہے اور اوپر سے اس کے لوہا بجا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد تھوڑی دیر میں اس میں کون سا تقدس پیدا ہو گیا اس میں کون سی ایسی روحانیت پیدا ہو گئی کہ ابھی پانچ منٹ کے اندر اسے سامنے رکھ کے ہاتھ جوڑ کے بیٹھ گیا۔ ارے اللہ کے بندے یہ تو سوچنا چاہیے۔ یہ تو وہی ہے جسے

ابھی ابھی پاؤں میں دبا رکھا تھا۔ تو ایک وکیل صاحب تھے دہلی کے اندر۔ کہنے لگے کہ جنتے پورے ایک ہندو میرے ساتھ آیا۔ اور مورتیوں کی دو کانوں پر گئے۔ مورتیاں تو بکتی ہیں۔ یہ بکاؤ مال ہے یہ۔ اور مدراس کے اندر ایک شخص پیدا ہوا تھا۔ جو اپنی جھولی میں بھر کے لاتا تھا مورتیوں کو۔ کہتا تھا اپنے آپ کو ہندو۔ اگر کہیں یہ شبہ ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہے تو شاید ہندو اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ وہ بڑی اچھی زبان بولتا تھا ہزاروں لوگ اس کی تقریر میں آتے تھے۔ جھولی میں مورتیاں لے کے آیا۔ اور اسٹیج کے اوپر کھڑے ہو کر ایک مورتی نکال کے کہتا تھا۔ زور سے دے کے مارتا تھا۔ اور چورا چورا کر کے کہتا تھا بتاؤ اس خدا نے میرا کچھ بگاڑا۔ اس خدا نے میرا کیا بگاڑا۔ ہندوؤں نے جا کر عدالت میں دعویٰ کر دیا کہ صاحب یہ ہمارے خداؤں کی توہین کرتا ہے۔ اور قانون کے اندر تحفظ دیا گیا۔ اس کو عدالت میں طلب کیا۔ کہ تم مورتیوں کو توڑتے ہو۔ اور مورتیاں جو ہیں وہ تو معبود ہیں ان کا ان کی توہین کرتے ہو تم۔ اس نے کہا کہ صاحب معاف کیجئے۔ وہ مورتیاں ان کے معبود ہیں جو ان کے مندروں میں رکھی ہیں۔ میں ان کو اٹھا کے تھوڑی لاتا ہوں توڑنے کے لئے۔ یہ تو میں پیسے خرچ کرتا ہوں بکاؤ مال ہے میں جتنے جی چاہے توڑوں۔ عدالت نے اسے بری کر دیا۔ عدالت نے کہا کہ بھئی جب یہ پیسوں سے بکتی ہے یہ معبود تمہارا بکاؤ مال ہے تو جس کا جی چاہے خرید کے لائے اور توڑے تم کیا کر سکتے ہو۔ تو وہ کہنے لگے کہ وکیل صاحب میرے ساتھ تھے مورتیوں کی دو کان پہ گئے۔ تو ہندو وکیل نے اشارہ کر کے کہا کہ وہ فلاں مورتی ذرا اٹھانا۔ وہ دوکان والا مورتی لے کے آیا ہے۔ اب ذرا آپ غور کیجئے یہ عبادت کرنے والا شخص اپنے معبود کا خود انتخاب کرنے والا ہے۔ کہ آیا یہ اس قابل ہے یا نہیں۔ اس معبود کو ہاتھ میں لے کے چاروں طرف سے دیکھ رہا ہے۔ ٹھیک ہے یا نہیں۔ اور جب انہوں نے دیکھا چاروں طرف سے اور اس کے بعد سے لُوھکا دیا اور یہ کہا کہ جی یہ نہیں دوسری اُٹھاؤ یہ مسلمان وکیل کہنے لگا کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ یہ حضور آپ نے جو اسے لُوھکا دیا کہ نہیں بھئی یہ نہیں دوسری لاؤ۔ آخر کوئی تو اسے بھی لے جائے گا اور جا کے اس کے سامنے کرے گا۔ کیا آپ کا ضمیر قبول کرتا ہے کہ یہ چیز قابلِ پرستش ہے۔ یہ چیز قابل بندگی ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اس زمانے میں جبکہ عقل لوگوں کی سلجھ گئی۔ سائنس نے ان کی عقلوں کو روشن کر دیا ہے۔ میرے خیال میں ایسی بے عقلی کی بات

کوئی نہیں کرسکتا۔لکڑی لے کر اپنے ہاتھ سے اسے چیرتا ہے اسے کاٹتا ہے۔اسے تراشتا ہے۔اور تھوڑی دیر کے بعد اس میں کونسا تقدس پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے باپ کو دیکھا یہ بت بناتے ہیں اور بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کہا کہ اے میرے ابا جان۔جس چیز کی آپ عبادت کرتے ہیں اور پرستش کرتے ہیں۔اس کے سننے کے کان نہیں ہیں۔بولنے کے لئے زبان نہیں ہے۔کیا یہ آپ کو کوئی نفع نقصان پہنچا سکتا ہے۔اگر ایک مکھی اس کے سر پہ بیٹھ جائے اور بیٹھ کر اگر وہ پاخانہ کردے تو یہ بت اتنی سکت نہیں رکھتا ہے کہ اس مکھی کو اُڑا سکے کیا یہ اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے۔بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان لاجواب ہو جاتا ہے۔مگر کہتا ہے کہ پرنالہ کے اندر سے جو سیاہی جم گئی ہے۔وہ چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہونے دیتی۔باپ کے پاس کوئی جواب نہیں۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت پرستی کے خلاف ایک مرتبہ وعظ کہا دوسری مرتبہ وعظ کہا۔وعظ کہہ لیجئے۔نصیحت کہہ لیجئے۔تقریر کہہ لیجئے۔

اور تقریباً یہ بات واضح ہوگئی۔سمجھ میں آ گیا قوم کے۔کہ یہ بات واقعی قابلِ پرستش تو ہے نہیں۔مگر لوگوں کے دلوں میں یہ تھا کہ میاں اگر چھوڑ دیا تو یہ پتہ نہیں ہے کہ یہی بت کل کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔تو ہم ہیں بے سہارا' حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخر کو خون کی محبت ختم ہوگئی۔علاقے کی محبت ختم ہوگئی۔وطن کی محبت ختم ہوگئی اور اپنے بیٹے سے کہا کہ تیرا عقیدہ خراب ہو گیا ہے۔اگر تو آئندہ سے تو نے میرے بتوں کو بُرا بھلا کہا اور میرے معبودوں کو بُرا بھلا کہا تو یاد رکھ پتھر مار مار کے تجھے ہلاک (کردوں گا)۔فرمایا کہ۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا۔مہربانی کر کے آپ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیں۔کچھ نہیں۔تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوچا۔اصل چیز تو اللہ کی بندگی ہے۔اصل تعلق تو اللہ کا ہے۔باپ اگر اس ایمان کے طریقے پہ ہے تو باپ باپ ہے۔ماں اگر اس طریقے پر ہے تو بیشک وہ ماں ہے لیکن اگر وہ اس طریقے پہ نہیں ہے تو دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔میرا وہ ہے کہ جو اللہ کے طریقے پہ چلے اس لئے ماں اور باپ کے گھر کو چھوڑ کے چلے گئے۔قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔ان سے جدا ہو گئے

رخصت ہو کر چلے آئے۔ دینِ توحید اور عقیدے کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ چھوڑا، ماں چھوڑی، کنبہ چھوڑا، خاندان چھوڑا اور چھوڑ کر نکل آئے اور یہ سوچا کہ خلقِ خدا سے براہ راست اب میں خطاب کروں گا۔ ساری قوم شرک میں مبتلا تھی کسی نے معبود بنایا تھا بتوں کو اور کسی نے معبود بنایا تھا ستاروں کو۔ یا ستارہ پرستی میں مبتلا تھی یا بت پرستی میں مبتلا تھی۔ اصل میں شرک کے اصلی معنی یہ ہیں۔ مخلوق کے ساتھ وہ رویہ اختیار کرو جو رویہ خالق کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ شرک ہے خواہ وہ ستارے ہوں۔ خواہ وہ سورج ہو، خواہ وہ جانور ہو، خواہ وہ بت ہو، خواہ وہ لکڑی ہو، کوئی چیز بھی ہو۔ کسی مخلوق کے ساتھ وہ رویہ اور وہ طریقہ اختیار کرنا کہ جو طریقہ خالق کے ساتھ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ شرک ہے۔ اس زمانے میں لوگ یا بت پرست تھے یا ستارہ پرست تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا جہاں تک میرے سمجھانے کا تعلق تھا۔ دلیلیں ختم ہو گئیں بات سمجھا چکا ہوں۔ ذہنوں میں تمہارے آ چکی ہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ تمہارے دلوں سے وہم نہیں نکلتا۔ اور اس وہم کو نکالنے کے لئے بھی میں ایک چال چلوں۔ فرمایا کہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔ اگر تم کسی میلے ٹھیلے میں چلے گئے۔ اگر تم کسی اور تقریب میں چلے گئے۔ میں دیکھوں گا کہ تمہارے بتوں کو کون بچائے گا۔ اور میں ایک ایسی چال چلنے والا ہوں کہ وہ تمہارے جو دلوں میں وہم ہے وہ بھی نکل جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم یا ستاروں کی پرستش کرتی تھی یا بتوں کی پرستش کرتی تھی اور انہوں نے یہ سوچا کہ میں ان دونوں معبودوں کا قلع قمع کردوں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ قوم نوروز منانے کے لئے آج چلی گئی ہے۔ یہ ان کے یہاں عید ہے۔ اور نوروز منانے کے لئے سب چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک بڑا عصا لیا اور لے کے ان سارے بتوں کے سروں پہ مار کے انہیں چکنا چُور کر دیا۔ اور اس کے بعد یہ کیا کہ وہ جو ایک بڑا سا بت رکھا ہوا تھا اس کے کندھے پہ رکھ دیا۔ قوم واپس آئی آ کے دیکھا کہ ہمارے خداؤں کو تو کوئی قتل کر گیا۔ ہمارے معبودوں کو کوئی مار گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ نہیں کہ وہ روپوش ہو جائیں یا بھاگ جائیں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ معلوم کرو کہ یہ کس نے کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ يُقَالُ لَهٗ اِبْرَاهِيْمُ۔ ایک شخص ہے جس کو ابراہیم ابراہیم کہتے ہیں۔ شاید اس نے کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

قوم نے پوچھا یہ معبودوں کا حال کس نے خراب کیا ہے ان کو کس نے چکنا چور کیا؟ تو فرمانے لگے کہ بھئی مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ آخر یہ بھی تو تمہارے معبود ہیں۔ ان معبودوں سے ہی سے پوچھنا کہ تمہارا قاتل کون ہے۔ اور اگر تمہارے یہ معبود یہ اظہار تک نہیں کر سکتے کہ انہیں کون مار گیا ہے نہ یہ خود کو بچا سکتے ہیں۔ تو تم فیصلہ کر دو یہ قابل پرستش ہیں کوئی۔ ان سے پوچھو۔ قوم سمجھ گئی کہ درحقیقت یہ تماشہ دکھانے کے لئے کہ تمہارے سامنے ان سب کو قتل کیا ہے اور ان میں سے کسی نے بھی کسی کا کوئی نقصان نہیں کیا۔ فرمانے لگے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو سب سے بڑا بت ہے۔ جس کے کندھے پہ رکھا ہے۔ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ۔ انہوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے بھئی یہ اصل میں جو سب سے بڑا خدا تھا اس کی موجودگی میں چھوٹے چھوٹے خدا کی بھی پوجا ہوتی تھی اور یہ بڑے خدا کو یہ بات ناگوار تھی تو ان کو موقع مل گیا تم لوگ نوروز منانے گئے تھے۔ بڑے خدا نے سب چھوٹے خداؤں کو مار ڈالا۔ اور یہ دیکھو کندھے پہ عصا رکھا ہوا ہے۔ قوم کے دلوں میں یہ بات آ گئی وہم نکل گیا کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کو کوئی پیس کر بھی اگر ان کا وہ سرمہ بنا دے تو کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں ہے یہ قابلِ پرستش نہیں ہیں یہ بندگی کے قابل نہیں ہیں۔ اب رہ گیا جو ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چاندنی رات میں ستاروں کو دیکھا لیکن فرمایا کہ ستارے غروب ہو گئے۔ چاند کو دیکھا تو فرمایا کہ شاید یہ رب ہو لیکن جب دیکھا کہ چاند بھی غروب ہو گیا۔ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ جس کا نور اور جس کا کمال چھن جائے وہ معبود نہیں ہوتا۔ معبود وہ ہوتا ہے کہ جس کا کمال ذاتی ہو۔ جس سے کوئی چیز چھین نہ سکے۔ اور آپ نے دیکھا کہ چاند گرہن ہوتا ہے۔ ایک لوہے کا سا ٹکڑا آپ کو نظر آتا ہے۔ روشنی غائب۔ سائنس والے کہتے ہیں کہ یہ کون سے ڈرنے کی بات ہے۔ کون سی بندگی کی بات ہے۔ کون سی عبادت کی بات ہے۔ یہ تو اصل میں جب زمین حائل ہو جاتی ہے۔ تو وہ قدرتی طور پر اس کی روشنی نہیں رہتی۔ یہ تو ایک انتظامی معاملہ ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ زمین حائل نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ جانیں یہ آپ کا کام ہے۔ یہ جو نور چھنتا ہے چاند کا آج۔ زمین حائل ہوئی، سمندر حائل ہوا، پہاڑ حائل ہوا۔ کیا ہوا یہ آپ جانیں۔ ہمیں کسی سے انکار نہیں۔ لیکن اسلام یہ کہتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے یہ منظر آ گیا ہے تمہارے، کہ جس نے سارے عالم کو منور کر رکھا تھا۔ چشم زدن میں نور غائب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر تم اللہ کے سامنے سر جھکا دو، عبادت کرو۔ کیوں؟ تاکہ یہ اظہار ہو۔ کمال صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ اگر چاہے تو چاند کا نور بھی چھین سکتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے آپ بلاوجہ ہم سے لڑتے ہیں، آپ کی سائنس ہم سے نہیں لڑتی اگر آپ کی سائنس یہ کہتی ہے کہ چاند گرہن اس لئے ہوتا ہے۔ ہم نے کب کہا کہ اس لئے نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہوتا ہوگا۔ لیکن قرآن کا کہنا تو یہ ہے کہ جب کبھی ایسی مشکل تمہارے سامنے آئے تو سبق حاصل کرو۔ ایک چیز تھی جس نے سارے عالم کو روشن کر رکھا تھا۔ چشمِ زدن کے اندر اس کا نور غائب ہو گیا ہے۔ فرمایا مقامِ خوف ہے، ڈرنے کا مقام ہے۔ اور یہ سبق لینے کی جگہ ہے کہ بڑے سے بڑا کمال تھوڑی دیر میں اللہ تعالیٰ چاہے تو چھین لے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ تھے۔ حکیم مصطفیٰ صاحب میرٹھی، حافظ قرآن بھی تھے بڑے عالم تھے تو ایک مرتبہ انہوں نے خود یہ فرمایا کہ یہ بجنور کے علاقے میں ریل میں سفر کر رہا تھا۔ معلوم نہیں کیسی ہوا آئی۔ کیا ہوا۔ تھوڑی دیر میں ایسا محسوس ہوا کہ جو کچھ پڑھا تھا اور یاد کیا تھا سب ذہن سے نکل گیا۔ فرمانے لگے کہ نماز کا وقت آیا۔ نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ سورۂ فاتحہ بھی یاد نہیں آ رہی۔ کوئی آیت قرآن کی یاد نہیں آتی۔ سب کچھ نکل گیا تھوڑی دیر میں۔ سب ذہن سے نکل گیا۔ فرمانے لگے کہ اسی وقت سجدے میں گر گیا۔ اے اللہ کوئی قصور ہو گیا تو معاف کر دیجئے۔ یقیناً ایک بڑی دولت تھی جو اللہ تعالیٰ نے چشمِ زدن کے اندر دماغ سے نکال دیا۔ فرمانے لگے کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ سب کچھ دولت واپس آ گئی۔ حافظِ قرآن تھے تراویح میں قرآن شریف سناتے تھے خود حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں وعظ کہنے کے لئے بیٹھا ممبر پہ۔ خطبہ پڑھا۔ قرآن شریف کی آیت پڑھی۔ ترجمہ کیا۔ اور تقریر کی۔

بدعت عبادت کی شکل میں نمودار ہوتی ہے

تاریخ بتاتی ہے کہ بدعت عبادت کی شکل میں نمودار ہوئی اور گمراہی نیکی کی صورت میں ظاہر ہوئی، موجودہ مدرسۃ البنات، تبلیغی جماعت، خواتین کی تبلیغی جماعت اور لاؤڈ اسپیکر کے بے جا استعمال میں پائی جانے والی متعدی خامیوں کی اگر صحیح اصلاح نہ کی جائے تو ان امور کو ضلالت و بدعت میں تبدیل ہونے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

خطبات احتشام

حضرت ابراهیم (خلیل اللہ) اور حضرت اسماعیل (ذبیح اللہ)

علیهما الصلوٰة والسلام

کے

مقامات بلند

اور

عظیم آزمائشوں کا ذکر بشمول عقلی فلسفہ

جمعہ کی تقریر

سورۂ بقرہ 77-11-11

بمقام جامع مسجد تھانوی جیکب لائن کراچی محفوظ کنندہ: تنویر الحق تھانوی

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ ونشهد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ ونشهد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین امابعد.

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

گزشتہ اور گزشتہ سے پیوستہ جمعے میں سورۂ طلاق کے بارے میں عرض کر رہا تھا۔ لیکن یہ مبارک مہینہ جو شروع ہونے والا ہے ذی الحج کا اس میں زیادہ تر عبادتیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اور ان کے صاحبزادہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض مسائل بھی قربانی وغیرہ سے